حیاتِ مبارکہ حیدر

حیدر قریشی

حیاتِ مبارکہ حیدر

حیدر قریشی

HAYAT E MUBARIKA HAIDER

Compiled By Haider Qureshi

حیدر کے گھر میں ایک مبارک وجود تھا
ہر سمت جس سے نورِ وِلا کا ورود تھا
اپنے ہوں یا کہ غیر، سبھی کے قریب تھا
وہ اک وجود سب کے لیے باسعود تھا
رشتوں کے سارے تار یہاں جھنجھناتے تھے
ان سب کو باندھ رکھے وہ ایسا سرود تھا
حیدر تو اپنی ذات میں بے مثل ہے مگر
بچھڑے ہوئے وجود میں گویا قیود تھا
ماہِ صیام، عشرۂ آخر کی پہلی رات
جنت کے در پہ جا کے وہ گویا شہود تھا

پروفیسر عبدالرب استاد (گلبرگہ)

M.M. PUBLICATIONS
3097, Katra Nisar Baig, Kucha Pandit,Lal Kuan, Delhi - 110006 (INDIA)
Mob. : +919999074579, +919013119640
E-mail : mmp.delhi06@gmail.com
Resi. : 5095, 4th Floor, Phatak Bans, Sirki Walaan, Delhi - 110006 (INDIA)

978-93-82589-41-9

هُنَّ لِبَاس لَّكم وَ اَنتُم لِبَاس لَّهُنَّ

(سورة البقره : ۱۸۷)

”تمہاری بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم اپنی بیویوں کا لباس ہو۔“

حیاتِ مبارکہ حیدر

مرتّب

حیدر قریشی

ایم ایم پبلی کیشنز

"Hayat e Mubarika Haider" wurde in Gedanken an die geliebte verstorbene Mubarika Haider geschrieben. Dies ist ein Familienbuch welches nur für die Familie und Freunde ausgestellt wurde. In Deutschland ist das Buch kostenlos erhältlich. **(Haider Qureshi)**

HAYAT E MUBARIKA HAIDER
Compiled BY: Haider Qureshi
Year of 1st Edition 2019
ISBN 978-93-82589-41-9
Price in India Rs. 200/-

نام کتاب: حیاتِ مبارکہ حیدر

27 مئی 2019 کو مبارکہ کی وفات ہوئی۔ چند روز کے بعد یہ کتاب مرتب کرنے کا خیال آیا اور 16 اگست 2019 کو یہ کتاب مکمل کر لی گئی۔ فالحمدِ للہ علیٰ ذلک۔

مرتب: حیدر قریشی
اشاعت: اگست 2019
سرورق: ارشد خالد
مطبع: ربانی پریس، دہلی
قیمت انڈیا میں: دو سو روپے

حیدر قریشی سے رابطہ کے لیے
E-mail
hqg786@gmail.com
WhatsApp
004915211950522

Published by
M.M. PUBLICATIONS
3094-97, Ground Floor, Kathra Nisar Baig
Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Mob.: +919999074579, +919013119640
E Mail:mmp.delhi06@gmail.com

انتساب

مبارکہ کے نام

اک زخم کہ سب زخم بھلا ڈالے ہیں جس نے
اک غم کہ جو تا عمر بلونے کے لیے ہے

ہم نے ترے غم میں کوئی مالا نہیں پہنی
سینہ ہی دہکتے ہوئے زخموں کی لڑی ہے

فہرست

''ہماری امی مبارکہ حیدر'' پر لکھے گئے تبصرے, تاثرات اور مضامین

وفات کی خبر اور تعزیتی پیغامات

جذبات واحساسات

یادیں ہی یادیں

نہیں، ہم نہیں روئے تھے
چاند کی کرنوں میں
کچھ موتی پروئے تھے

خیر کم خیر کم لاَھلہ واَنا خیر کم لاَھلی

(ترمذی، رقم ۳۸۹۵۔المعجم الکبیر، رقم ۸۵۳)

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو
اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔''

اظہارِ تشکر

مبارکہ کی وفات پر تینوں بیٹوں شعیب حیدر، عثمان حیدر، طارق محمود حیدر، دونوں بیٹیوں رضوانہ کوثر، درِّ ثمین انور، تینوں بہوؤں، تسنیم، نادیہ، طوبیٰ، اور دونوں دامادوں حفیظ کوثر اور عادل انور کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگرچہ مبارکہ کی وفات ان سب کا، ہم سب کا مشترکہ غم تھا، تاہم اس موقعہ پر ان سب نے جس طرح اپنی اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیا اس سے دل کو بڑی ڈھارس ملی۔

اللہ تعالیٰ ان سارے بچوں کو اور پھر ان کے سارے بچوں کو مشہود کوثر، مسرور کوثر (اور نزہت)، شہریار حیدر، جہاں زیب حیدر، ماہ نور حیدر، علیشا حیدر، احتشام کوثر، شایان حیدر، عنایہ کوثر، ثانیہ حیدر، شیراز حیدر، ماہم حیدر، ساحل انور، ساحر انور کو جزائے خیر دے۔ مبارکہ کی جدائی کے بعد ان سب کی ہمہ وقت موجودگی بھی میرے لیے بے حد تقویت کا موجب بنی۔ اللہ ان سب کو خوش رکھے۔ آمین۔

امریکہ سے میری بہن زبیدہ، بھائی نوید انجم اور کزن اویس باجوہ اور انگلینڈ سے مبارکہ کی دو بہنیں غزالہ اور بشریٰ ہما، اور بشریٰ ہما کے شوہر عطاء الرحمٰن بھٹی، اور غزالہ کا بیٹا ارسلان، یہ سب انتہائی کم وقت میں جرمنی پہنچے اور غم کی گھڑی میں ہمارے ساتھ رہے۔ اللہ ان سب کو بھی جزائے خیر دے۔ ان سب کا بھی بے حد شکریہ۔

حیدر قریشی

حیدرقریشی

پیش لفظ

حیاتِ مبارکہ حیدر

مبارکہ کی وفات کے بعد ان کے بارے میں لکھے ہوئے اپنے خاکہ ''پسلی کی ٹیڑھ'' کا دوسرا حصہ پہلے لکھ چکا ہوں جو اس کتاب کے تقریباً آخر میں درج ہے اور یہ پیش لفظ اب آخر میں لکھ رہا ہوں جو کتاب کے بالکل شروع میں درج کر رہا ہوں۔

مبارکہ کے بارے میں یہ کتاب مرتب کرتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ ہماری شادی کی عمروں کا ذکر کرتے ہوئے میری طرف سے کہیں اٹھارہ برس اور چودہ برس لکھا گیا ہے اور کہیں انیس اور پندرہ برس۔اس سلسلہ میں شروع میں ہی وضاحت کر دوں کہ مبارکہ عمر میں مجھ سے چار سال چھوٹی تھیں۔سرکاری دستاویزات میں میری پیدائش کا سال ۱۹۵۲ء کی بجائے ۱۹۵۳ء لکھا ہوا ہے۔چنانچہ اپنی عمر لکھتے ہوئے جب میں نے سرکاری ریکارڈ کو ملحوظ رکھا تو خود کو اٹھارہ برس کا لکھا اور چار سال کے فرق کے مطابق مبارکہ کو چودہ برس کا لکھا۔اور جہاں میں نے اپنی حقیقی عمر انیس سال کو ذہن میں رکھا وہیں مبارکہ کی بھی حقیقی عمر پندرہ برس لکھی۔سو میری مختلف تحریروں میں اس فرق کو میری اس وضاحت کے تناظر میں دیکھا جائے۔

ہماری شادی کم عمری میں ہوئی۔کم عمری کی شادی کے مسائل سے ہمارا بھی واسطہ رہا لیکن اس کے باوجود میں مجموعی طور پر اپنی ازدواجی زندگی کے گزرے ہوئے ۴۸ برسوں کو دیکھتا ہوں تو ہم نے کچی عمر کے بعض مسائل کے باوجود بھرپور زندگی گزاری ہے۔یہ بھرپور زندگی اپنے ثمرات کے لحاظ سے ایسے بہت سارے اعتراضات کو رد کرتی ہے جو کم عمری کی شادی پر عام طور پر کیے جاتے ہیں۔کم عمری کی شادی کی مخالفت مغربی دنیا میں زیادہ ہے۔ہمارے ملکوں میں کم عمری کی شادی کی جو مخالفت ہے وہ عام طور پر ''پیرویٔ مغربی'' کا نتیجہ ہے۔لیکن یہ عجیب بات ہے کہ

یہاں بچیاں کسی شادی کے بغیر تیرہ سال کی عمر میں مائیں بن جاتی ہیں، اسے برا نہیں سمجھا جاتا، بس شادی پندرہ برس کی عمر میں کر لی تو برا ہو گیا۔اس سلسلہ میں کم عمری کی شدید مخالفت کرنے والوں کو تھوڑا بہت سوچنا چاہیے۔اس کے باوجود میں تسلیم کرتا ہوں کہ کم عمری کی شادی کے بعض مسائل بھی اپنی جگہ درست ہیں۔لیکن وہ بہت زیادہ سنگین نہیں ہیں۔

مبارکہ ایک بالکل عام سی گھریلو بچی تھیں۔جو خاندان میں گھل مل کر رہنے کے ساتھ سگھڑ ہوتی گئیں۔میری زندگی کے تنگ دستی اور مشکلات کے طویل دور کو انھوں نے خوشدلی کے ساتھ نہ صرف برداشت کیا بلکہ ہر قدم پر میرا ساتھ دیا۔کبھی میں حالات کے سامنے تھک جاتا تو وہ نہ صرف میری ہمت بندھاتیں بلکہ میری طاقت بھی بنتیں۔میرے گھر کو انہوں نے اپنے حُسنِ انتظام سے سنبھالے رکھا۔کم عمری میں شادی، کم عمری میں ہی پانچ بچوں کی ماں بن جانا، غربت اور سماجی مشکلات میں گزر بسر کرنا، بعض طاقت وروں کی طرف سے ہمارے گھر کو توڑنے کی مسلسل سازشیں، ان سب معاملات کو مبارکہ نے نہایت سمجھ داری کے ساتھ ہینڈل کیا۔میرے حصے کے بہت سارے دکھ بھی خود سہتی رہیں اور کبھی کسی سے ان معاملات کے حوالے سے میرا کوئی شکوہ نہیں کیا۔مجھ سے کوئی شکایت نہیں کی۔

میرے خاکوں کے مجموعہ ''میری محبتیں'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید صاحب نے لکھا تھا:

''حیدر قریشی نے اپنی والدہ، دادا، والد، بیوی، بہن اور بچوں کو انسانی زاویے سے دیکھا اور ان کی صرف انسانی خوبیوں کا تذکرہ کیا لیکن یہ تذکرہ اتنا دلچسپ ہے کہ یہ سب کردار حقیقی معاشرے کی غیر معمولی شخصیات نظر آتی ہیں۔''برگد کا پیڑ'' ''اجلے دل والا'' ''زندگی کا تسلسل'' ''پسلی کی ٹیڑھ'' بے حد معنی خیز خاکے ہیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ جن لوگوں کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر رہا ہے وہ حقیقی معنوں میں عظیم تھے۔ان کی عظمت اشتہاری نہیں تھی۔''

اب میں بھی سمجھتا ہوں کہ زندگی کے مصائب سے گزرتے ہوئے عام انسان کا ہنسی خوشی زندگی بسر کر لینا ہی اس کی عظمت کی نشانی ہے۔اور یہ عظمت دولت اور طاقت کے بل پر گھڑی گئی اشتہاری عظمت سے بالکل مختلف ہے۔بلاشبہ مبارکہ انسانی زندگی کی عظمت کے اس مقام پر فائز تھیں۔

اردو ادب میں فیمنزم کی بعض پُر جوش قسم کی خواتین سے ایک رسمی سا ربط رہا ہے۔خواتین کے حقوق کے لیے ان پُر جوش خواتین کو مبارکہ کہ وفات کی خبر پہنچی تو ایک آدھ نے صرف ''ہلکا سا افسوس اور شکریہ'' لکھ بھیجا باقی کسی نے رسمی افسوس کا اظہار تک نہیں کیا حالانکہ ''دو چار قدم تو دشمن بھی تکلیف گوارا کرتے ہیں''۔۔۔جنہوں نے رسمی افسوس کرنا بھی گوارا نہیں کیا، اپنی جگہ۔۔۔۔ ایک خاتون سے ہلکے سے تعلق کی بنا پر میں نے شکوہ کیا کہ آپ دو لفظ بھی نہیں لکھ سکیں تو حیران کن جواب ملا کہ میں نے تو آپ کو ایک لمبی ای میل بھیجی تھی (وغیرہ وغیرہ)۔۔۔میں نے انہیں لکھا کہ آپ Sent Box میں سے اپنی ای میل مجھے فارورڈ کر دیں تاکہ آپ کی بات کی تصدیق ہو سکے۔ کوئی جواب نہیں ملا۔پھر یہی بات لکھی، کوئی جواب نہیں۔میل بھیجی ہوتی تو فارورڈ کرتیں۔دراصل بات شاید صرف اتنی تھی کہ وہ بھول گئی تھیں اس لیے رسمی تعزیت نہ کر سکیں۔اس کا آسان اور معقول جواب یہ تھا کہ ہلکی سی معذرت کے ساتھ افسوس کا اظہار کر لیتیں۔لیکن انہوں نے چالاکی دکھائی اور ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' والی صورت بنا دی۔اس سے اندازہ ہوا کہ خواتین کے حقوق کی چیمپئن ان لکھنے والیوں کا معاشرے کی عام خواتین کے لیے کیا طرزِ عمل ہے۔ان کی ساری تگ و دو کا اور سارے بیانات کا اور فیمنزم کا ایک ہی مطلب ہے کہ ہماری بری بھلی ادبی خدمات کی ''عظمت'' کا اقرار کیا جائے۔ ہمارے اعزاز میں تقریبات برپا کی جائیں، بس ان کی فیمینسٹ تحریک کا یہی لُبِّ لباب ہے۔ان کے برعکس ادب میں متوازن رویوں کی حامل ادبی خواتین نے دلی دکھ کے ساتھ اور خلوص کے ساتھ تعزیت کا اظہار کیا۔ ہمارے ادب میں جو منفی رویے پہلے سے موجود ہیں، اسی تناظر میں فیمینسٹ تحریک سے جڑی اردو شاعرات اور دوسری رائٹرز کا (جن سے میری پہلے سے تھوڑی بہت سلام دعا ہے، ان کا ذکر ہے) ہمارے معاشرے میں عام خواتین کے حقوق کی ہمدرد کہلانے والی ان فیمینسٹ رائٹرز خواتین کا یہ روپ ریکارڈ پر رہنا چاہئے۔

''حیاتِ مبارکہ حیدر'' کو ترتیب دیتے وقت میں نے پانچوں بچوں کی مشترکہ کاوش اور شعیب حیدر کی مرتب کردہ کتاب ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' کو جوں کا توں اس میں شامل کر لیا ہے۔ یہ 96 صفحات کی کتاب ہے۔''حیاتِ مبارکہ حیدر'' کے فہرست، انتساب، پیش لفظ وغیرہ پر مشتمل

شروع کے 16 صفحات کو عام گنتی سے ہٹ کر رومن ہندسوں میں (i تا xvi) لکھا گیا ہے۔اس سے یہ سہولت ہوئی کہ اس میں شامل کی گئی شعیب حیدر کی کتاب ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' اپنے صفحات کی ترتیب کے لحاظ سے بالکل ویسے ہی شامل کر لی گئی جیسے اپنے اولین ایڈیشن میں تھی۔96 صفحات میں اس کتاب کے مکمل ہونے کے بعد صفحہ نمبر 97 لکھا جانا چاہئے تھا لیکن میں نے یہ کیا ہے کہ اس کے بعد یہ شروع کے اضافی 16 صفحات گنتی میں شمار کر لیے ہیں اور اس طرح صفحہ نمبر 96 کے بعد صفحہ نمبر 97 کی بجائے صفحہ نمبر 113 درج کیا ہے۔یہی ترتیب پھر آخر تک چلتی ہے۔

''ہماری امی مبارکہ حیدر'' کے صفحہ نمبر 96 کے بعد صفحہ نمبر 113 سے وہ تبصرے، تاثرات اور مضامین شامل کیے گئے ہیں جو ادبی دنیا میں اس کتاب کی اشاعت پر کئے گئے۔ پہلا تبصرہ ڈاکٹر انور سدید کا تحریر کردہ ہے۔ یہ تبصرہ مختصر ہونے کے باوجود جامع اور نہایت بامعنی ہے۔ان کے بعد سید نصرت بخاری کا مضمون ہے۔نصرت بخاری نے کتاب کے مطالعہ سے ایسے نکات ابھارے ہیں جو عام طور پر پوری طرح سامنے نہیں آتے۔کتاب منظرِ عام پر آنے کے بعد اور چند تبصروں کے سامنے آنے کے بعد، خاص طور پر ڈاکٹر انور سدید کے تبصرے کے بعد چند اہم تاثرات ملے۔ یہ تاثرات دلی اخلاص کے ساتھ لکھے گئے تھے۔ان میں سے گلزار، ترنم ریاض، نسیم انجم، ناصر علی سید، صادق باجوہ، ڈاکٹر انوار احمد، زکریا ورک، ڈاکٹر رضیہ اسماعیل، خالد ملک ساحل، سلمٰی بانو اور شہناز خانم عابدی کے مختصر مختصر تاثرات شامل کیے گئے ہیں۔ان کے ساتھ سید نصرت بخاری اور عظیم انصاری کے اہم مضامین شامل ہیں۔ دونوں دوستوں نے اپنے مضامین میں ڈاکٹر انور سدید کے مضمون کے بعد اختصار اور جامعیت کا حق ادا کر دیا ہے۔ پروفیسر عبدالرب استاد نے ماں کے موضوع کو اس کی وسعت کے حوالے سے دیکھتے ہوئے شعیب کی کتاب کا عمدہ جائزہ لیا ہے۔نسیم انجم نے سینئر کالم نگار کی حیثیت سے اس کتاب کا اچھا تعارف کرایا ہے۔ان کے بعد ڈاکٹر رضینہ خان، ڈاکٹر قمر النساء، خالد یزدانی، حمیرا حیات، زارا حیدر اور فیصل عظیم کے مضامین رتبصرے شامل ہیں۔ یہ سارے مضامین اور تبصرے ادبی دنیا کے نئے، پرانے لکھنے والوں کے دلی جذبات کے آئینہ دار ہیں اور اس حقیقت کا اظہار بھی کہ ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' مرتب کردہ شعیب حیدر کو

ادبی دنیا میں حیرت، خوشی اور محبت کے ساتھ دیکھا گیا اور اس کاوش کو سراہتے ہوئے اس پر اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا گیا۔

سوشل میڈیا پر سب سے پہلے مبارکہ کی وفات کی خبر ایک وٹس ایپ گروپ میں ڈاکٹر ریاض اکبر نے آسٹریلیا سے دی۔ اسی گروپ میں پروفیسر عبدالرب استاد نے چند تعزیتی اشعار پیش کیے۔ پھر روزنامہ نوائے وقت میں خالد یزدانی نے اسی خبر اور تعزیتی اشعار کو اپنے اوورسیز پاکستانیز ایڈیشن میں شائع کیا۔ وفات کی تفصیلی خبر وقاص سعید نے آسٹریلیا سے پنجند ڈاٹ کام پر شائع کی۔ شاہد ماہلی نے اپنے اخبار ''صبحِ اردو'' نئی دہلی میں وفات کی خبر شائع کی۔ یوں بہت سارے احباب تک خبر پہنچی۔ بعض احباب نے اپنے اپنے سوشل میڈیا فورمز پر اس خبر کو شیئر کیا۔ بعد میں بھی اسی سلسلہ میں خالد یزدانی اور وقاص سعید نے مسلسل تعاون کیا۔ اس محبت کے لیے دونوں کا شکر گزار رہوں۔

اس سب کے نتیجہ میں تعزیتی پیغامات موصول ہونے لگے۔ بہت سارے میسیجز میں صرف انا للہ وانا الیہ راجعون لکھ کر بھیجا گیا۔ یہ بھی ہمدردی کا اچھا اظہار ہے اور ایسا کرنے والے تمام احباب کا شکر گزار رہوں۔ تاہم یہاں صرف ان احباب کے پیغامات شامل کیے گئے ہیں جن میں اپنے دکھ یا ہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے، دکھ کو بانٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ سارے پیغامات میرے لیے صدمے کی سخت گھڑی میں ہمت اور حوصلے کا موجب بنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب دوستوں، مہربانوں اور عزیزوں کو جزائے خیر دے۔ ان کے تاثرات اس کتاب میں محفوظ کر دیئے ہیں۔

تاثرات کے اس سلسلہ کے بعد ''جذبات واحساسات'' کے تحت چند طویل تاثرات یا مختصر مضامین شامل ہیں۔ صادق باجوہ کی ''چند یادداشتیں'' خاندان کے ایک بزرگ کا تبرک ہیں۔ عبداللہ جاوید کا ''ہرگز نمیرد آنکہ''، شہناز خانم عابدی کا ''بیادِ مبارکہ بھابی''، ڈاکٹر ریاض اکبر کا ''میری بھانجی''، نازیہ خلیل عباسی کا ''مبارکہ آنٹی''، راحت نوید کا ''باجی سے بھابی تک'' اور عظمیٰ احمد کا ''میری پیاری آنٹی'' ان سب کی محبتوں کے غماز ہیں۔ سب کی اپنی اپنی یادیں اور اپنے اپنے تاثرات ہیں۔ عظمیٰ احمد کی بعض یادیں انوکھے رنگ میں سامنے آئی ہیں۔ خالد یزدانی کا ایک سوال اور اس کا جواب قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ کنول تبسم نے ''جدید ادب'' کے حوالے سے

ایک انٹرویو کیا تھا، اس میں ایک سوال کے جواب میں مبارکہ کا اور ان کے زیور کا ذکر بھی آ گیا، سو وہ سوال اور اس کا جواب بھی اس حصہ میں شامل ہے۔ ویسے جدید ادب کی اشاعت میں مبارکہ کے زیور کے اہم کردار پر اب مبارکہ کا ذکر وکی پیڈیا تک بھی پہنچ گیا ہے۔ نذیر بزمی نے ''وفا کی دیوی'' میں اپنے احساسات کو بڑے اخلاص کے ساتھ بیان کیا ہے۔

''حیاتِ مبارکہ حیدر'' کے آخر تک پہنچتے پہنچتے ''یادیں ہی یادیں'' کے تحت ہمارے پانچوں بچوں کے یادوں بھرے مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ پانچوں بچوں نے اپنی امی کی یادوں کو اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ یہاں یہ وضاحت کر دوں کہ یہ بچے مصنف بالکل نہیں ہیں۔ شعیب اور عثمان نے تو اپنے مضامین لکھ کر دیئے جبکہ باقی بچوں نے یادوں کے نوٹس بنا لیے۔ باری باری ہر بچہ اپنے نوٹس میں درج یادیں میرے ساتھ شیئر کرتا اور میں انہیں ان پیج میں لکھتا جاتا۔ لکھنے کے بعد ہر بچہ اسے پڑھتا۔ اور ہر بار پہلے لکھے میں کچھ ردوبدل کراتا کہ یہ بات یوں نہیں بلکہ یوں ہے۔ سو سارے بچوں کی یادیں ان کی اپنی ہیں میں صرف ان کا کمپوزر ہوں۔ ایسا کمپوزر جو جملوں کی نشست، برخاست اور ساخت کو تھوڑا بہتر کرتا جاتا ہے۔

درِثمین چھوٹی بیٹی ہے۔ ''امی کی چند یادیں'' میں اپنے مزاج کے مطابق اس نے اپنی امی کے ملبوسات، جیولری، میک اپ کے سامان، ٹی وی ڈراموں میں دلچسپی، کچن میں دلچسپی جیسے امور کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔ مبارکہ نے گھر کے تمام معاملات اور سارے رشتوں اور تعلقات کو ایک اچھی منتظم کی طرح کیسے کامیابی کے ساتھ چلائے رکھا۔ اس کا بھی ذکر اس مضمون میں موجود ہے۔

''کیا حکم ہے میری ماں؟'' میں طارق محمود نے اپنے بچپن کی چھوٹی چھوٹی یادوں میں سے ماں کی محبت کے جھرنے بہتے دکھائے ہیں۔ اور آخر میں ایسی روایت کے ساتھ خود کو جوڑا ہے کہ بڑے بڑوں کی آنکھیں بھی نم ناک ہو جائیں۔

بڑی بیٹی رضوانہ کوثر نے ''جدید داستانِ محبت'' میں اپنی امی کی ابتدائی عمر کی باتوں سے لے کر لڑکپن اور جوانی میں ان کی متنوع دلچسپیوں تک کو عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کھیل کود، شادی بیاہ کے گانوں سے ہوتے ہوئے پنج وقتہ نماز ادا کرنے سے لے کر تلاوت قرآن پاک

کی پختہ عادت تک سارے احوال بیان کیے ہیں۔پھران کے بہت سے انسانی اوصاف بتائے ہیں جواپنے ماحول میں انہیں دوسروں سے ممتاز اور منفرد بناتے ہیں۔

منجھلے بیٹے عثمان حیدر نے اپنے مضمون ''امی کی کچھ باتیں، کچھ یادیں'' میں اپنے ذاتی تجربوں کی روشنی میں اپنی امی کے خوبصورت انسانی اوصاف کواجاگر کیا ہے۔اوران یادوں میں ایسی بہت سی چیزوں کو پالیا ہے جواس سے کہیں کھوگئی تھیں۔

بڑے بیٹے شعیب حیدر نے بھی اپنے مضمون ''امی کی یادیں'' میں اپنے بچپن،لڑکپن اور جوانی کے زمانے کی بعض باتوں کو بڑے اچھے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ان کے ہاں بین السطور کچھ کھوئے ہوئے کوڈھونڈنے کی جستجو بھی ہے۔جذبہ صادق ہوتو کامیابی یقینی ہوتی ہے۔

ان پانچوں مضامین کی اشاعت پر جوتاثرات ملتے رہےان کا بھی ایک انتخاب ہر مضمون کے بعد شامل کردیا گیا ہے۔یہ یادگار تاثرات ہیں۔

آخر میں ''پسلی کی ٹیڑھ'' کے عنوان سے لکھے گئے میرے پرانے خاکے کا دوسرا حصہ شامل ہے۔ اس خاکے کے بعد بھی احباب کے تاثرات شامل ہیں،تاہم میری ماموں زاداور مبارکہ کی چچازاد کنول رعنا نوشی کے تاثرات کوسُپر تاثرات کہا جا سکتا ہے۔غم اور محبت میں ڈوبے ہوئے جذبات، الفاظ سے زیادہ اُن کی آواز سے عیاں تھے۔تاہم ان کے الفاظ بھی اپنی جگہ اہم ہیں۔دوسرے احباب نے بھی بڑے خلوص کے ساتھ اپنے قلبی جذبات کا اظہار کیا ہے۔سوان سب کا شکریہ۔

''پسلی کی ٹیڑھ'' کے دوسرے حصے تک میری کتاب ''حیاتِ مبارکہ حیدر'' مکمل ہوگئی تھی لیکن پھر یادوں کا ایسا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ بچوں سے بھی وہ یادیں شیئر کرتا ہوں اور پھر انہیں لکھنے بھی بیٹھ جاتا ہوں۔'' کچھ اور یادیں، کچھ اور باتیں'' کسی ارادے کے بغیر خود بخود لکھی گئی ہیں، کہہ سکتے ہیں کہ ان یادوں نے خود اپنے آپ کو لکھوایا ہے۔

پہلے بچوں کی مرتب کردہ کتاب ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' اور اب میری مرتب کردہ یہ ''حیاتِ مبارکہ حیدر'' میری طرف سے اور میرے بچوں کی طرف سے مبارکہ کے لیے ہماری محبت کا اظہار ہے۔ایک لحاظ سے یہ سراسر ہماری ذاتی اور نجی نوعیت کی سرگرمی ہے لیکن اگر یہ ساری

تحریریں مطالعہ مکمل کرنے پر اکساتی ہیں اور مطالعہ مکمل کراتی ہیں تو یہ ایک ادیب اوراس کی اہلیہ کی ایسی کہانی ہے ہےجس کی نجی اورادبی دونوں سطح پر تھوڑی سی سہی مگر خاص نوعیت کی اہمیت بنتی ہے۔

ہمارے معاشرے میں زندگی کے معتبر اور اہم رشتوں کو بہت کم اہمیت دی جانے لگی ہے۔پنجابی اسٹیج ڈراموں اور ٹی وی کے بیشتر کامیڈی شوز میں بھی معتبر رشتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔خود ہماری ادبی دنیا سے لے کر سوشل میڈیا تک مزاح اور لطیفوں کے نام پر معتبر رشتوں کی تضحیک کرنا شعار بنالیا گیا ہے۔یہ سب آٹے میں نمک جتنا ہوتا تو گوارا تھا۔ہنسی مذاق کے نام پر اس سارے طرزِ عمل سے معتبر اور اہم رشتے بے توقیر ہو رہے ہیں۔اس سے کمزور ہوتا ہوا خاندانی نظام مزید شکستہ ہوتا جائے گا۔اگر ہمارے ادب سے تعلق رکھنے والے قلم کار اپنے اردگرد کے لوگوں کوموضوع بنانے کے ساتھ اپنے گھر کے اہم اور معتبر افراد کو بھی موضوع بنانے لگیں تو امید ہے اس سے ایک اچھی روایت مستحکم ہوگی۔

پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ تعزیتی پیغامات میں بیشتر احباب نے انا لِلہ وانا الیہ راجعون لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔یہ بھی مناسب ہے، میں ایسے سینکڑوں دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جزاک اللہ کہتا ہوں۔میں ان احباب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے ٹیلی فون یا وائس میسیج کے ذریعے تعزیت کی۔تاہم اس کتاب میں ان احباب کے تعزیتی پیغامات شامل کیے گئے ہیں جنہوں نے تحریری طور پر کچھ دلجوئی کی ہے۔ذاتی طور پر بہت سارے مقامی احباب اور عزیز واقارب تشریف لائے،ان سب کا بھی شکریہ۔گھر سے باہر ملنے والوں اور تعزیت کرنے والے سارے دوستوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔علمی وادبی دنیا سے طاہر عدیم،ان کی اہلیہ اوران کے بھائی افضل قمر۔۔طاہر مجید اور ان کی اہلیہ۔۔۔بشریٰ ملک اور پروفیسر جمال ملک۔۔۔صفوان ملک اوران کی اہلیہ سعدیہ جوخود بھی اچھی رائٹر ہیں،کرم الٰہی چودھری اوران کی اہلیہ۔۔۔جناب اطہر سہیل اور اسحاق ساجد،اور عزیزم کامران رحیم تشریف لائے اور تعزیت کی،ان سب کا خاص طور پر شکر گزار ہوں۔اللہ تعالیٰ سارے دوست احباب اور عزیز واقارب کو جزائے خیر عطا کرے۔آمین۔

اوراب یہ کتاب ''حیاتِ مبارکہ حیدر'' آپ سب کی خدمت میں پیش ہے۔ ■■■■■■■■■■■

ہماری اَمی

مبارکہ حیدر

مرتّب

شعیب حیدر

عکاس انٹرنیشنل پبلی کیشنز۔اسلام آباد

HAMARI AMMI MUBARIKA HAIDER

Compiled BY: Shoaib Haider

Year of 1st Edition 2015

ہماری اَمّی مبارکہ حیدر

نام کتاب:	ہماری اَمی مبارکہ حیدر
مرتب:	شعیب حیدر
اشاعت:	2015
ناشر:	ارشد خالد
سرورق:	ظہیر عباس
مطبع:	BPHپرنٹرز لاہور
قیمت:	150 روپے

عکاس انٹرنیشنل پبلی کیشنز۔اسلام آباد

مکان نمبر1164،گلی نمبر2، بلاک سی

نیشنل پولیس فاؤنڈیشن سیکٹرO-9۔لوہی بھیر،اسلام آباد

E Mail:akkasurdu2@gmail.com

انتساب

اپنی امّی

مبارکہ حیدر کے نام

پھولوں کی ہے نرمی بھی

اس کی محبت میں

صحراؤں کی گرمی بھی

فہرست

ہماری امی مبارکہ حیدر

سب سے پہلے اپنا مختصر سا تعارف بیان کردوں۔اردو کے شاعر اور ادیب حیدر قریشی صاحب کا بڑا بیٹا ہوں۔انہیں ہمیشہ ابو کہتا ہوں۔اور امی کو امی کہتا ہوں۔اس لیے اس کتاب میں میری طرف سے جہاں دونوں میں سے کسی کا ذکر ہوگا، وہ انہیں الفاظ میں ہوگا۔

یکم مارچ ۲۰۱۵ء کو میرے گھر پر سارے بہن بھائی جمع تھے۔امی ،ابو بھی آئے ہوئے تھے۔ ملاقات کی اس تقریب کا سبب یہ تھا کہ امریکہ سے میری پھوپھی زبیدہ کلیم آئی ہوئی تھیں۔پانچ ہفتے جرمنی میں قیام کے بعد وہ ۳ مارچ کو امریکہ واپس جانے والی تھیں۔امی ایک عرصہ سے بیمار ہیں۔ان کی بیماریوں کی شدت میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔ان بیماریوں کی نوعیت اور شدت کا ذکر ابو کی یادوں کے بعض حصوں میں پڑھا جا سکتا ہے۔نئے سال کے آغاز کے ساتھ ہی امی کو بار بار ہسپتال جانا پڑ رہا تھا۔پھوپھی زبیدہ اسی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے جرمنی میں آئی تھیں۔ پھوپھی اور امی ہم عمر بھی ہیں،کزن بھی ہیں اور بچپن سے ان دونوں کی باہم دوستی بھی ہے۔ان کے قیام کے دوران امی کا آدھا وقت ہسپتال میں بسر ہوا اور آدھا وقت گھر میں گزرا۔پھوپھی زبیدہ دونوں صورتوں میں امی کی دیکھ بھال کرتی رہیں۔نند اور بھابی کے اس تعلق کو جتنا بھی سراہا جائے، کم ہے۔اللہ پھوپھی زبیدہ کو اجرِ عظیم عطا کرے۔(آمین)

یکم مارچ کی اس فیملی تقریب میں میکسم گورکی کے ناول ''ماں'' سے بات شروع ہوئی، چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی ''میری والدہ''،قدرت اللہ شہاب کی ''ماں جی'' اور ابو کے خاکہ ''مائے نی میں کنوں آکھاں'' سے ہوتی ہوئی پروفیسر جاوداں میر کی مرتب کردہ ''معراج نسیم'' (ہماری امی جان) تک جا پہنچی۔حمایت علی شاعر صاحب کی اہلیہ کی وفات کے بعد ان کی بیٹی جاوداں میر نے یہ کتاب مرتب کی۔اس میں خاندان کے مختلف افراد نے معراج نسیم صاحبہ کو اپنے

اپنے طریقے سے یاد کیا۔حمایت علی شاعر صاحب کو اپنی اہلیہ کی وفات کے بعد ان کی کمی بہت زیادہ محسوس ہوئی۔انہوں نے شاعر کی حیثیت سے ان کے بارے میں نظمیں لکھیں۔حمایت علی شاعر صاحب کی اولاد کا اپنی والدہ کو یاد کرنے اور ان کی محبت کو تازہ کرنے کا یہ ایک اچھا قلمی انداز تھا۔ اس کتاب کی اشاعت سے معراج نسیم صاحبہ کی روح خوش ہوئی ہوگی۔

اس دوران جب گفتگو ہو رہی تھی تو میں نے کہا کہ جب ماں سے محبت کا کوئی قلمی اظہار کرنا ہے تو کیا یہ ضروری ہے کہ پہلے ماں کے مرنے کا انتظار کیا جائے اور پھر ماں کو یاد کرتے ہوئے کوئی کتاب ترتیب دی جائے۔حمایت علی شاعر صاحب کے بچوں نے جس اچھے کام کا آغاز کیا،اس روایت کو آگے بڑھایا جائے تو اچھا ہے۔اور مزید اچھا کر کے آگے بڑھایا جائے تو اور بھی اچھا ہے۔یعنی کسی کتاب کی صورت میں ماں سے محبت کا اظہار بھی کیا جائے اور ایسا کام ماں کی زندگی میں ہی کر لیا جائے۔ماں کی روح کو خوش کرنے کی بجائے کیوں نہ جیتی جاگتی ماں کو اس کی روح سمیت خوش کیا جائے۔اس گفتگو کے نتیجہ میں سارے بھائی بہنوں نے صلاح دی کہ ہمیں بھی امی کے بارے میں ایسا کوئی کام کرنا چاہئے اور ان کی زندگی میں ہی کر دینا چاہئے۔اب یہ سوچا جانے لگا کہ کتاب کس انداز میں ترتیب دی جائے۔ابو نے یہاں ایک رائے دی: بجائے اس کے کہ خود بھی لکھو اور دوسرے عزیز و اقارب سے بھی لکھوانے کا جتن کرو،بہتر ہے کہ میری مختلف تحریروں میں آپ لوگوں کی امی کا جو ذکر موجود ہے،اسی کو یکجا کر لو۔میری تحریروں میں ان کا اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ لوگ اسی کو مرتب کر کے اپنی ماں کو مزید خوش کر سکتے ہیں۔

یکم مارچ کو یہ ساری باتیں ہوئیں اور ۳ مارچ کو پھوپھی زبیدہ کے جانے کے بعد ہم بھائی، بہنوں نے ابو کی کتابوں کی ورق گردانی شروع کر دی۔امی کے بارے میں،بلکہ سارے خاندان کے بارے میں ابو کی تحریریں ہمارے علم میں ہیں۔چنانچہ تھوڑی تگ و دو کے بعد ابو کی مختلف کتابوں میں سے ان تحریروں کی نشان دہی کر دی گئی۔ابو کی ساری کتابوں کی ان پیج فائلز ان کے پاس محفوظ ہیں۔اس لیے آسانی کے ساتھ سارا مواد جمع کر لیا گیا۔کتابوں سے باہر کا کچھ مواد ابو نے نشان زد بھی کر دیا اور فراہم بھی کر دیا۔

اسلامیہ یونیورسٹی بھاول پور سے ابو پر تحقیقی کام کرنے والی ایک طالبہ منزہ یاسمین نے ایک بار امی کو ایک سوال نامہ بھیجا تھا۔امی نے تب جو، جواب لکھے تھے، وہ منزہ یاسمین کے مقالہ میں بھی شامل ہیں اور کتاب ''انٹرویوز'' میں بھی شامل ہیں۔انہیں اس کتاب میں بھی شامل کرلیا ہے۔

ماہنامہ پاکیزہ کراچی کے نومبر ۲۰۰۷ء کے عیدنمبر میں شائستہ زرّیں صاحبہ کا ایک سروے شائع ہوا تھا۔اس میں امی سے بھی سوالات کیے گئے تھے اور امی کے جوابات کو عیدنمبر میں شائع کیا گیا تھا، امی کے جواب بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔اسی دوران امی نے یاد دلایا کہ ماہنامہ پاکیزہ کراچی کے سال ۱۹۹۱ء، مئی یا جون کے شمارہ میں ایک رنگین صفحہ پر ان کی تصویر کے ساتھ کچھ سوال و جواب کا سلسلہ شائع ہوا تھا۔یہ تب کی بات ہے جب امی ایبٹ آباد سے جرمنی کے لیے روانہ ہونے والی تھیں۔اس یادگار شمارہ سے اپنا مطلوبہ مواد حاصل کرنے کے لیے ابو سے کہا۔انہوں نے روزنامہ ایکسپریس کراچی کی معروف کالم نگار، افسانہ نگار اور ناول نگار محترمہ نسیم انجم صاحبہ کو لکھا کہ یہ پرانا میٹر تلاش کرا دیں۔انہوں نے ہر ممکنہ کوشش کر دیکھی لیکن لگ بھگ ربع صدی پرانا رسالہ دستیاب نہ ہوسکا۔یوں اُس انٹرویو نما تحریر کو اس کتاب میں شامل نہیں کیا جاسکا۔تاہم اس کتاب کے سرورق پر وہی تصویر دے دی ہے جو تب ماہنامہ پاکیزہ میں شائع ہوئی تھی۔

یہ کتاب جو ہماری امی کے ذکر پر مشتمل ہے۔ہم پانچوں بھائی بہنوں کی جانب سے امی کے ساتھ محبت کے اظہار کی ایک صورت ہے۔

ایک شاعر اور ادیب کی بیوی کی حیثیت سے درحقیقت یہ امی کا کمال ہے کہ ان کے شوہر شاعر اور ادیب نے ان کے بارے اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ ایک چھوٹی سی کتاب بن گئی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ امی نے ساری زندگی ابو کے ہر دکھ سکھ میں ساتھ نبھایا ہے۔اگر ابو کی زندگی کو پورے پس منظر کے ساتھ دیکھیں تو ہمارے سماج نے ان کے ساتھ شدید ناانصافیاں کی ہیں جن کے نتیجہ میں انہوں نے بے شمار دکھ جھیلے ہیں۔امی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ہر دکھ میں مکمل طور پر ابو کا ساتھ نبھایا ہے۔زندہ رہنے کے لیے اور ایک شاعر اور ادیب کی حیثیت سے کام کرتے رہنے کے لیے ہمیشہ ابو کو حوصلہ دیا ہے۔

پہلا کمال امی کا ہے کہ انہوں نے اپنی محبت اور وفا سے ابو کے دل میں اس حد تک گھر کرلیا کہ وہ اتنی سرشاری کے ساتھ امی کا ذکر کرتے چلے گئے۔دوسرا کمال ابو کا ہے کہ انہوں نے ادبی دنیا کے رائج شدہ طور طریقوں کے برعکس اپنے خاکوں میں، یادوں میں، افسانوں میں، انشائیوں میں، انٹرویوز میں، اور دوسری کتابوں میں امی کا ذکر بڑی محبت سے کیا اور کرتے ہی گئے۔

ایسے ماحول میں جہاں اردو کے شاعر اور ادیب کبھی اپنے سماج کی عکاسی کر رہے ہوتے ہیں یا سماج کی اصلاح کر رہے ہوتے ہیں اور کبھی کائنات بلکہ کون و مکاں کی باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔نہیں کرتے تو صرف اپنے بیوی بچوں اور خاندان کا ذکر نہیں کرتے۔افسوس یہ ہے کہ بعض نامور اردو ادیبوں نے اپنی یادوں اور سوانح میں بھی یا تو بیوی کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اگر ذکر کیا ہے تو بہت ہی سرسری سا۔ممکن ہے اس کتاب کی اشاعت کے بعد بعض شاعروں اور ادیبوں کے دلوں میں یہ احساس پیدا ہو کہ ان کے لفظوں کی دنیا پر ان کی بیوی اور بچوں کا بھی تھوڑا بہت حق ہے۔یہ احساس پیدا ہو گیا تو امید کی جاسکتی ہے کہ چراغ سے چراغ جلتے جائیں گے۔ اردو ادب میں دنیا جہان کے موضوعات کے ساتھ بیوی، بچوں اور دیگر عزیز و اقارب کو بھی تھوڑی اہمیت دینے کا صحت مند رویہ پنپنے لگے گا کہ یہ سب بھی اس زندگی اور کائنات کا حصہ ہیں۔

یہ کتاب ہم پانچ بھائی بہنوں کی طرف سے شائع کی جارہی ہے۔میں باقی سب بھائی بہنوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ سب کی برابر کی حصہ داری کے باوجود مجھے یہ عزت دی گئی کہ میں اس کتاب پر اس کے مرتب کی حیثیت سے اپنا نام دے سکوں۔

آج 4/اپریل 2015ء کو امی، ابو کی شادی کے چوالیس (44) سال پورے ہو رہے ہیں۔اور آج ہی یہ کتاب مکمل ہو گئی ہے۔(اب اسے چھپنے کے لیے بھیج رہے ہیں) اس لحاظ سے ہم پانچ بھائی بہنوں کی جانب سے یہ کتاب امی اور ابو دونوں کے لیے شادی کی سال گرہ کا تحفہ ہے۔

شعیب حیدر

Hattersheim,Germany.
E-Mail: shoaib.h@hotmail.de

پسلی کی ٹیڑھ

(مبارکہ)

پھول تھا وہ تو میں خوشبو بن کے اس میں جذب تھا
وہ بنا خوشبو تو میں بادِ صبا ہوتا گیا

بیوی۔۔ بالخصوص زندہ بیوی کا خاکہ لکھنا اپنی خیریت کو داؤ پر لگانے اور شیر بلکہ شیرنی کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے۔ بہرحال میں اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ لکھوں گا سچ سچ لکھوں گا۔ سچ کے سوا کچھ نہ لکھوں گا۔ اللہ میری حفاظت فرمائے۔(آمین)

مبارکہ میری ماموں زاد ہے۔ میں غالباً چھ سال کا تھا، مبارکہ دو سال کی تھی۔ ہمارے بیشتر رشتہ دار ایک خاندان کی طرح رہتے تھے۔ کسی تقریب کے باعث اور بہت سارے عزیز بھی جمع تھے۔ بڑی ممانی نے لاڈ سے پوچھا فلاں سے شادی کروگے؟ میں نے صاف انکار کر دیا۔ پھر پوچھا گیا کس سے شادی کروگے؟۔۔ میں نے بڑے اعتماد کے ساتھ مبارکہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اس کے ساتھ کروں گا۔ شاید بڑی ممانی کو میری پسند پر کوئی اعتراض تھا یا اپنی تجویز رد کئے جانے کا افسوس، فوراً بولیں: ''ہم ریاستیوں (سرائیکیوں) کو ایک رشتہ دے کر ہی بھولے ہیں۔ اور کسی ریاستی کو اب رشتہ نہیں دینا''۔۔ اس کا جواب مجھے اپنی یادداشت میں کہیں نہیں ملتا البتہ خاندان میں بڑی مستحکم روایت موجود ہے کہ میں نے جواباً کہا تھا: اگر آپ مبارکہ سے شادی نہیں کروگے تو جب یہ روٹیاں پکا رہی ہوگی جیپ لے کر آؤں گا اور اسے اس میں بٹھا کر لے جاؤں

گا۔۔ ماموں ناصر جو پاس ہی بیٹھے تھے، میرا جواب سن کر بڑی ملائمت سے بولے: بیٹا! تم شرافت سے آنا میں خود ہی تمہیں بیٹی دے دوں گا۔

بچپن میں غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر کہی ہوئی مذاق کی ایک بات اتنی سنجیدگی اختیار کر گئی کہ اب وہ سارا مذاق وجدانی معلوم ہوتا ہے۔ ممانی مجیدہ فوت ہوگئیں تو ماموں ناصر کے لئے بچوں کو سنبھالنا مسئلہ بن گیا۔ انہوں نے اپنے بیان کے مطابق خود ہی رشتے کا انتظام کر دیا۔ یعنی اس زبانی مذاق کے ٹھیک بارہ سال بعد ہمارے ساتھ عملی مذاق ہوگیا۔ میں اٹھارہ سال کا تھا، مبارکہ چودہ سال کی تھی جب ہماری شادی ہوگئی۔ ہماری شادی کیا تھی گڈی، گڈے کا بیاہ تھا۔ مجھے کچھ پتہ نہ اسے کچھ خبر! بے خبری کے عالم میں ولیمہ بھی ہوگیا۔ کئی دن گزر گئے اور ہم بے خبری کی جنت میں سوتے رہے۔ پھر یکا یک، از خود آگہی کا کوندا لپکا۔ اور پھر ہم پتوں سے اپنے تن ڈھانپنے لگے۔ آدم اور حوا کی کہانی آگے بڑھنے لگی۔

بچپن کے اس واقعہ کے حوالے سے میں نے ایک دفعہ مبارکہ سے کہا: بچپن کی معمولی غلطی کی کتنی بڑی سزا ملی ہے۔۔ اس نے فوراً کہا: غلطی آپ کی تھی، سزا میں بھگت رہی ہوں۔۔ خیر بات ہو رہی تھی آدم اور حوا کی کہانی کی۔ اس کہانی میں اتوار کے دن کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ میں اتوار کے دن پیدا ہوا، مبارکہ بھی اتوار کے دن پیدا ہوئی، ہمارا نکاح بھی اتوار کے دن ہوا۔ پہلی بیٹی رضوانہ اتوار کے دن پیدا ہوئی۔ پہلا بیٹا شعیب اتوار کے دن پیدا ہوا۔ آخر حکومت پاکستان نے تنگ آکر اتوار کی سرکاری چھٹی ختم کر دی اور چھٹی کے لئے جمعہ کا دن مقرر کر دیا۔

لڑکپن کے دو سال ہم نے اکٹھے گزارے تھے۔ پتہ نہیں یہ بچپن کی نامزدگی اور لڑکپن کی انڈرسٹینڈنگ تھی یا کچھ اور۔۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے مزاج شناس بن گئے۔ پھر بات مزاج شناسی سے بڑھ کر محبت اور دوستی کی سطح تک پہنچی اور وہاں سے بھی آگے بڑھی تو اس مقام کے بیان کے لئے کوئی لفظ نہیں ملا۔ بیوی، دوستی اور محبت۔۔ یہ سارے مقدس رشتے اب مبارکہ کے سامنے چھوٹے پڑ گئے ہیں۔ (خدا کرے مبارکہ پر اس جملے کا کچھ اثر ہو)

میں نے کتابی سلسلہ ''جدید ادب'' جاری کیا۔ اس میں مبارکہ کی تمناؤں کا لہو شامل تھا۔ ہر

شمارے کے ساتھ اس کا ایک آدھ زیور بک جاتا۔ اس اللہ کی بندی نے ایک دفعہ بھی تکرار نہیں کی۔ جب تک اس کا زیور ساتھ دیتا رہا ''جدید ادب'' جاری رہا۔ زیور ختم ہوگئے تو ''جدید ادب'' بھی بند ہوگیا۔ اب سوچتا ہوں میں نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ لیکن مبارکہ نے بھی تو میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔ میرے اچھے برے ہر طرح کے کاموں میں ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔ کسی نازک موڑ پر آ کر اگر ساتھ دینا ممکن نہیں رہا تو اس نے کنارے پر کھڑے ہو کر نظارہ کیا مگر مجھے دباؤ ڈال کر روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے اس طرزِ عمل نے میری عادتیں بگاڑ دی ہیں۔ میری ''گمراہیاں'' اسے معلوم ہیں میرے ''گناہ'' اس کے علم میں ہیں لیکن مجال ہے اس نے کبھی مجھے شرمندگی کا ہلکا سا احساس بھی دلایا ہو۔

امی جی اور مبارکہ میں گہری انڈرسٹینڈنگ تھی۔ ساس بہو میں کبھی کبھی بدمزگی بھی ہوتی مگر ایسی نہیں جس میں ابا جی کو یا مجھے مداخلت کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ جلد ہی ساس، بہو کی جگہ پھوپھی، بھتیجی آگے آجاتیں اور خود ہی سارا معاملہ سنبھال لیتیں۔ آخر دم تک امی جی اور مبارکہ ایک ساتھ رہیں، صرف ایک سال کا عرصہ دونوں کو الگ رہنا پڑا کیونکہ خانپور چھوڑ کر ابا جی اور امی جی نے بالائی پنجاب میں سکونت اختیار کر لی تھی اور ملازمت کے باعث ہم شوگر ملز کی کالونی میں شفٹ ہوگئے تھے۔ اس ایک سال کے عرصہ میں بھی مبارکہ، امی جی سے ملنے کے لئے دو دفعہ گئی۔۔ اسی دوران ابا جی وفات پا گئے۔ شدید صدمے کا اثر زائل ہونے لگا تو سارے عزیز اپنے اپنے ٹھکانوں کو لوٹنے لگے۔ اکبر اور طاہر بھی امی جی سے اجازت لئے بغیر اپنی بیگمات کے ساتھ رخصت ہوگئے۔ جاتے جاتے امی سے اتنا کہہ گئے کہ عدت پوری کر کے ہمارے ہاں آجایئے گا۔ مبارکہ جانتی تھی کہ امی جی اس طرح تو کسی بیٹے کے پاس بھی نہیں جائیں گی۔ اس نے مجھے الگ کر کے سارے صورتحال سے آگاہ کر کے کہا میں ایسی حالت میں پھوپھی کو اکیلے نہیں چھوڑ سکتی۔ آپ جا کر بچوں کے سکول چھوڑنے کے سرٹیفکیٹ بھجوا دیں۔ میں اب پھوپھی کے پاس ہی رہوں گی۔
چنانچہ پھر مبارکہ اور بچے امی جی کے پاس ہی رک گئے۔

میں نے کہیں پڑھا تھا کہ میاں بیوی میں محبت بہت زیادہ ہو تو دونوں کی شباہت یکساں

ہو جاتی ہے۔ فیض اور ایلس کی تصویریں دیکھ کر یہ بات سچ معلوم ہونے لگتی ہے۔ میرا خیال ہے میری اور مبارکہ کی شکلوں میں بھی کچھ ایسا تغیر رونما ہو رہا ہے۔ ''من تو شدم تو من شدی'' کی حد تک تو محبت ٹھیک تھی لیکن جب اس مقام سے آگے بڑھی تو پھر دونوں کی شکلیں بگڑنے لگیں اور بگڑتے بگڑتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ ''تم رہے نہ تم ہم رہے نہ ہم''۔۔۔۔۔۔ اچھی بھلی شکلیں بگڑ گئیں مگر ہماری محبت کی شدت تو ثابت ہوگئی۔

میں اپنی فکری آزادہ روی کے باعث مبارکہ کے لئے بہت تکلیف کے سامان پیدا کر بیٹھا۔ مذہبی تعصّب رکھنے والے عزیزوں نے طوفان اٹھالیا۔ مبارکہ دوہرے عذاب میں تھی۔ اپنی سوسائٹی کو چھوڑنا بھی اس کے لئے ممکن نہیں تھا اور مجھ سے علیحدگی کا بھی وہ سوچ نہیں سکتی تھی۔ میرا خیال ہے انسان کی مظلومیت بجائے خود ایک طرح کا مقام ولایت ہے۔ مبارکہ مظلومیت کی حالت میں تھی۔ محلے کی ایک پردھان عورت نے کہا: مبارکہ کو حیدر سے طلاق لے لینی چاہئے۔۔ چند ماہ کے اندر اسی عورت کی اپنی نو بیاہتا لیڈی ڈاکٹر بیٹی کو طلاق ہوگئی۔ ہمارے ایک ''بزرگ'' نے امریکہ سے دباؤ ڈالا اور میرے ساتھ مبارکہ کے سماجی بائیکاٹ کا حکم صادر کر دیا۔ حکم نامے کے ایک ماہ کے اندر ان کے اپنے خاندان میں بیٹے بہو میں پھوٹ پڑ گئی جو بالآخر دونوں میں علیحدگی پر منتج ہوئی۔ اسے مکافاتِ عمل کہئے۔ نظامِ فطرت کہئے یا مظلوم پر جبر کا انجام۔ رہے نام اللہ کا!

مبارکہ صاف دل اور صاف گو عورت ہے۔ محبتی بیوی اور بے تکلف ماں ہے۔ رضوانہ کو دیکھ کر عام طور پر ناواقف خواتین یہی سمجھتی ہیں کہ مبارکہ کی چھوٹی بہن یا نند ہوگی مگر جب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کی بڑی بیٹی ہے تو حیران ہوتی ہیں۔ ماں بیٹی میں صرف ساڑھے سولہ سال کا فرق ہے جبکہ میرے سب سے چھوٹے بھائی اعجاز اور میری عمر میں انیس سال کا فرق ہے۔ (پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے)۔ اپنے پانچوں بچوں رضوانہ، شعیب، عثمان، طارق اور درِ ثمین کے ساتھ مبارکہ نے دوستی کر رکھی ہے۔ ماں والی دھونس نہیں جماتی البتہ دوستانہ دھونس ضرور جما لیتی ہے۔

کسی کی شادی ہو۔۔ مبارکہ شادی بیاہ کی تقریبات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے۔ جب

لڑکی کی رخصتی کا وقت آتا ہے دلہن سے زیادہ اس کے آنسو بہہ رہے ہوتے ہیں۔ میں اس کی اس رقیق القلبی سے خاصا تنگ تھا۔ خدا بھلا کرے ماموں سمیع کی بڑی بیٹی نوشی کا۔۔ نوشی کی رخصتی ہونے لگی تو ممانی راشدہ پرسکون تھیں۔ چھوٹی بہنیں مطمئن۔ مگر ان کی کزن مبارکہ بیگم حسب معمول رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔ اتفاق سے میری نظر نوشی کی طرف اٹھ گئی۔ دولہا کے ساتھ گھر سے باہر آتے ہوئے بی بی مسکرا رہی تھی۔۔ گاڑیاں رخصت ہوتے ہی میں نے مبارکہ بیگم کو پکڑ لیا۔ یہ کیا شرافت ہے۔ جس کی شادی ہے وہ مسکرا رہی ہے۔ اس کی ماں بہنوں کے چہروں پر اطمینان ہے اور آنجناب رو رو کر ہلکان ہو رہی ہیں۔ اللہ اس کا بھلا کرے کہ تب سے اس نے شادی بیاہوں پر رونے دھونے کا سلسلہ فی الحال ترک کر دیا ہے۔ (فی الحال اس لئے کہ اپنی بیٹیوں کی شادی پر وہ ساری کسر نکالے گی ☆)

مبارکہ کو مشرقی پنجاب سے غائبانہ انسیت ہے۔ اس کی ظاہر وجہ تو یہ ہے کہ قیام پاکستان کے کئی برس بعد ممانی مجیدہ ہندوستان گئیں تو وہیں مبارکہ کی پیدائش ہوگئی۔ ممانی مجیدہ سے ہی اسے معلوم ہوا کہ اس کی زچگی کرانے والی خاتون کا نام پیاری دیوی تھا۔ سو اسے مشرقی پنجاب سے بھی ایک لگاؤ ہے اور ”پیاری دیوی“ نام بھی بہت پیارا لگتا ہے۔ اس انسیت کی بعض لاشعوری وجوہات بھی ہوسکتی ہیں۔ مثلاً مبارکہ کے ددھیال، ننھیال سب مشرقی پنجاب سے پاکستان آئے تھے اور کئی جانوں کا نذرانہ دے کر پاکستان پہنچ پائے تھے۔ ہوسکتا ہے آباؤ اجداد کی سرزمین سے اسے لاشعوری طور پر محبت ہو۔ پھر مبارکہ ذات کے لحاظ سے باجوہ جٹ ہے جو پنجابی جٹوں کی ایک اعلیٰ ذات ہے۔ پانچویں چھٹی پشت سے یہ لوگ سکھ تھے۔ اب جو مشرقی پنجاب میں سکھوں کی تحریک چل رہی ہے ممکن ہے مبارکہ کے اندر کی چھپی ہوئی سکھنی کو مشرقی پنجاب کی موجودہ حالت کے باعث بھی اس علاقے سے انسیت محسوس ہوتی ہو۔ ۱۹۸۷ء میں ہم بھارت گئے تو مبارکہ کی شدید خواہش تھی کہ مشرقی پنجاب کے علاقے دیکھے جائیں مگر دہلی میں بعض دوستوں نے سمجھایا کہ وہاں کے حالات بے حد خراب ہیں۔ ایک دوست نے کہا ویزہ میں کل لگوا دیتا ہوں مگر آپ لوگوں کو ادھر جانے نہیں دوں گا۔ دراصل انہیں دنوں میں پنجاب میں ایک بس روک کر اس کے تمام مسافروں کو

بغیر کسی تخصیص کے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اسی وجہ سے دلی کے دوستوں نے ہمیں مشرقی پنجاب نہیں جانے دیا اور اس علاقے کو دیکھنے کی مبارکہ کی آرزو پوری نہ ہوسکی۔

میری شاعری کو اس کے پورے پس منظر کے ساتھ جاننے والی واحد قاری مبارکہ ہے۔ اسے علم ہے کہ میری کون سی غزل یا نظم کب کہی گئی اور کیوں کہی گئی۔۔ اسے یہ بھی علم ہے کہ میں کس کس کو یہ باور کرا چکا ہوں کہ فلاں غزل درحقیقت آپ کے لئے کہی گئی اور یہ بھی علم ہے کہ اصلاً کس کے لئے کہی گئی۔ میری شاعری سے باہر کے اس سارے کھیل تماشے کو مبارکہ نے مزے لے کر دیکھا ہے۔ میری دوستوں سے اس نے کبھی خار نہیں کھائی، الٹا محبت کی۔

ایک دفعہ میری ایک بہت اچھی دوست نے مبارکہ کی موجودگی میں بتایا کہ ہاتھ کی لکیریں دیکھنے والے ایک ماہر نے بتایا ہے کہ تمہاری شادی کسی میرڈ Married سے ہوگی۔ کوئی اور شاعر ہوتا تو اس کی بیوی نے جو طوفان اٹھایا ہوتا اس کی لہریں اخبارات کے ادبی ایڈیشنوں تک پہنچتیں مگر مبارکہ نے زوردار قہقہے میں ساری بات اڑا دی۔ ایک دفعہ بعض عزیزوں نے اسے سمجھایا کہ مرد کا اتنا اعتبار کرنا بھی ٹھیک نہیں ہوتا (گویا تھوڑا بہت شک کرتے رہنا چاہیے) مگر مبارکہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جھلا کر ایک عزیز نے یہاں تک کہہ دیا: اب تمہاری آنکھیں اسی وقت کھلیں گی جب وہ بچوں سے بھرا ٹوکرا لے کر گھر آئے گا۔ کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا ہے مبارکہ کے اندر وہی دو سال کی بچی بیٹھی ہے جسے دیکھ کر میں نے کہا تھا اسی کے ساتھ شادی کروں گا۔ معصوم، بھالی بھالی ایسے کبوتر (بلکہ کبوتری) کی طرح جو بلّی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لے اور خود کو محفوظ سمجھ لے۔ مگر نہیں۔۔ مبارکہ نے تو آنکھیں بھی ہمیشہ کھلی رکھی ہیں اور بلیوں کو دیکھ کر بھی خود کو محفوظ سمجھتی رہی ہے۔ قدرت خدا کی۔ ہر خطرے سے محفوظ بھی گزر جاتی رہی ہے۔ ہر چند اس میں خدا کی قدرت کے ساتھ میری شرافت کا بھی دخل ہے۔

ایک دفعہ میں نے مبارکہ سے پوچھا: تمہیں مجھ پر اتنا اعتماد کیوں ہے؟

”اعتماد“؟۔۔ مبارکہ نے حیرت سے کہا اور پھر رواں ہوگئی ”تمہارے ساتھ شادی کون کرے گی؟ کس کا دماغ خراب ہے؟ شکر کرو کہ میں مل گئی ہوں اور وہ بھی اس لئے کہ تمہارے ماموں کی بیٹی

ہوں"

ان جملوں سے ہمارے درمیان پائی جانے والی (یک طرفہ) بے تکلفی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے زیادہ مبارکہ کے بارے میں لکھنے کی جرأت نہیں۔اس خاکے کا دوسرا حصہ مبارکہ کی وفات کے بعد لکھوں گا یا میری وفات کے بعد وہ لکھے گی۔

☆☆☆

☆ رضوانہ کی شادی پر ساری کسر نکال دی ہے۔جزاک اللہ

یہ خاکہ ابو کے خاکوں کے مجموعہ میری محبتیں سے لیا گیا ہے

دوسرے خاکوں، یادوں اور انشائیے میں ذکر

ماموں ناصر کے ساتھ میری محبت دراصل ''بچپن کی محبت'' ہے میں نے ابتدائی عمر میں ہی دیکھا کہ ماموں ناصر کو اپنی بہنوں میں میری امی جی سے خاص محبت تھی۔ اتنی خاص کہ دوسری بہنوں کے لئے بھی بعض اوقات غصے کا موجب بن جاتی۔ بے جی (نانی جان) بھی کبھی کبھی جھلا جاتیں۔امی جی کے تعلق سے یہ محبت ابا جی تک بھی پہنچی ماموں ناصر ابا جی کا بے حد احترام کرتے۔رحیم یار خان میں تنگی کے دنوں میں جب بھی ماموں ناصر سے قرض مانگا انہوں نے فوراً فراہم کیا، چاہے خود بھی کہیں سے قرض ہی کیوں نہ لیا ہو لیکن ابا جی کے کام میں تاخیر نہیں ہونے دی۔۔ایک موقعہ پر بہت سارے عزیز و اقارب جمع تھے۔ابا جی اپنے جوتوں کی مرمت اور پالش کرانے کے لئے کسی بچے کو ڈھونڈ رہے تھے۔جب تک کوئی بچہ ملتا ماموں ناصر بتائے بنا خود ابا جی کے جوتے لے کر چلے گئے اور مرمت کرا کے، پالش کرا کے لے آئے۔۔امی جی اور ابا جی کے ساتھ ماموں ناصر کے ایسے محبتی رویّے کی متعدد مثالیں ہیں۔اسی وجہ سے بچپن میں ہی مجھے ماموں ناصر سے محبت ہوگئی۔مبارکہ کے ساتھ میری شادی ہونے میں میری پسند کے علاوہ امی جی اور ماموں ناصر کی گہری محبت کا جذبہ بھی کارفرما تھا۔

خاکہ ''رانجھے کے ماموں'' سے اقتباس

مرحومہ ممانی مجیدہ سے ماموں ناصر کے چار بچے ہیں تین بیٹیاں اور ایک بیٹا۔۔مُبارکہ، وحیدہ، غزالہ☆ مُبشّر احمد خالد۔۔ممانی آصفہ سے دو بیٹیاں ہیں۔۔عائشہ، بُشریٰ۔۔ممانی مجیدہ کی ساری اولاد شادی شدہ ہے بڑی بیٹی مبارکہ میری بیوی ہے۔اس سے چھوٹی وحیدہ کے شوہر بشیر احمد شاہد عمر میں مجھ سے چھ ماہ بڑے ہیں اور سب سے چھوٹی غزالہ کے شوہر محمود عمر میں مجھ سے

دوسال بڑے ہیں۔ یوں میں رشتہ کے لحاظ سے اس طرح ماموں ناصر کا سب سے بڑا داماد ہوں کہ ان کی بڑی بیٹی کا شوہر ہوں اور اس لحاظ سے اب تک کا سب سے چھوٹا داماد ہوں کہ دونوں چھوٹے داماد عمر میں مجھ سے بڑے ہیں

ایں سعادت بزور بازو نیست

خاکہ ''رانجھے کے ماموں'' سے اقتباس

پہلی محبت سے یاد آیا کہ میری پہلی محبت بھی میری امی جی ہیں اور آخری محبت بھی امی جی ہیں۔ اس اوّل اور آخر کے بیچ میں بہت سی محبتیں آئیں مگر درحقیقت وہ سب میری پہلی اور آخری محبت کا عکس تھیں۔ امی جی کا چہرہ کتابی اور گول چہرے کے بین بین تھا۔ چنانچہ بیچ میں آنے والی میری ساری محبتیں بھی کتابی چہرے والی تھیں۔ اپنی بیوی سے میری گہری دوستی کی وجہ شاید یہی ہے کہ امی جی کی بھتیجی ہونے کے ساتھ امی جی سے کافی مشابہت بھی رکھتی ہے۔ ماہرین نفسیات اس کی جو چاہیں توجیہہ کر لیں، مجھے اعتراف جرم سے عار نہیں۔

خاکہ ''مائے نی میں کنوں آکھاں'' سے اقتباس

جرمنی پہنچنے کے بعد بچپن میں امّی جی سے سنی ہوئی کئی کہانیاں یاد آئیں۔ مبارکہ جس کی سادگی کا میں پاکستان میں مذاق اڑایا کرتا تھا' جرمنی میں اب اس کے سامنے میں ایک پاکستانی ''پینڈو'' تھا۔ مبارکہ بچوں سمیت مجھ سے اڑھائی سال پہلے جرمنی میں آ چکی تھی اس لئے یہ ملک اس کے لئے اجنبی نہیں رہا تھا جبکہ میں ''کثرتِ نظّارہ'' سے ایسے رُک رُک جاتا تھا جیسے شہر کے چوراہے پر ''گواچی گاں'' کھڑی ہوتی ہے۔ پہلی بار ایک مارکیٹ میں داخل ہونا تھا۔ میں دروازے کے قریب پہنچا تو آٹومیٹک دروازہ اپنے آپ کھل گیا اور میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔ امی جی سے سنی ہوئی ''علی بابا اور چالیس چور'' والی کہانی یاد آ گئی۔ اُس کہانی میں ''کھل جا سم سم'' کہنے

سے دروازہ کھلتا تھا۔ یہاں تو مجھے ''کھل جا سم سم'' کہنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ زمین دوز ریلوے اسٹیشنوں میں' مارکیٹوں میں' اُوپر نیچے آنے جانے کے لئے خودکار سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں۔ میں نے پہلی بار جھجک کے ساتھ بجلی کی سیڑھی پر قدم رکھا' ہلکا سا چکر آیا۔ میں نے لحظہ بھر کے لئے آنکھیں موندلیں' جیسے ہی آنکھیں کھولیں' اُوپر کی منزل پر پہنچ چکا تھا۔ کسی اناڑی کی طرح سیڑھی کی حد سے باہر آیا تو امی جی کی سنائی ہوئی کئی کہانیاں یاد آنے لگیں۔ کہیں کوئی نیک دل دیو ہے' کہیں سبز پری اور کہیں کوئی درویش ہے جو مہم جُو شہزادے کو کسی لمبی مسافت کی کوفت سے بچانے کے لئے' اس کی مدد کرتے ہوئے اُسے آنکھیں مُوندنے کے لئے کہتے ہیں' پھر جب شہزادہ آنکھیں کھولتا ہے تو منزلِ مقصود پر پہنچا ہوتا ہے۔ میں اُوپری منزل پر پہنچا تو میرے ساتھ نہ کوئی نیک دل دیو تھا' نہ کوئی درویش اور نہ ہی کوئی سبز پری۔۔۔۔صرف مبارکہ میرے ساتھ تھی۔ اس نے اگر سبز سوٹ پہنا بھی ہوا تھا تو وہ اس کے برقعہ کے کوٹ کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ اس کے باوجود میں نے مبارکہ کو من ہی من میں سبز پری سمجھا اور خود کو شہزادہ گلفام سمجھ کر خوش ہولیا۔

یہاں کے گھروں میں کھڑکیوں کا شیشہ ایسا ہے کہ آپ اندر بیٹھے ہوئے باہر کی ہر چیز کو دیکھ سکتے ہیں جبکہ باہر کھڑا ہوا کوئی آدمی آپ کو بالکل نہیں دیکھ سکتا۔ جب مجھے پہلے پہل اس کا علم ہوا دھیان فوراً سلیمانی ٹوپی والی کہانی کی طرف چلا گیا۔ مجھے ایسے لگنے لگا جیسے میں امی جی کی سُنائی ہوئی ڈھیر ساری کہانیوں کا جیتا جاگتا کردار بن گیا ہوں۔ ساری کہانیاں جیسے اپنے آپ کو میرے وجود میں دُہرانے لگی ہیں۔ کاش! امی جی زندہ ہوتیں اور میں انہیں اُن کی سنائی ہوئی کہانیوں کا حقیقی رُوپ دکھا سکتا۔ اب تو وہ خود ہی کہانی بن گئی ہیں۔

اپنے ہاں تو غالبؔ اُس چار گرہ کپڑے کا افسوس کرتے رہے جس کی قسمت میں عاشق کا گریباں ہونا لکھا ہوتا ہے۔ اِدھر مغرب میں اُس تین گرہ کپڑے کی قسمت پر رشک آتا ہے جو گرمیوں میں حسینانِ مغرب نے زیبِ تن کر رکھا ہوتا ہے۔ ایک طرف ایسا توبہ شکن منظر ہوتا ہے' دوسری طرف برقعہ میں لپٹی لپٹائی مبارکہ بیگم۔۔۔۔۔ میں نے اسے کئی بار سمجھایا ہے' پردہ کا

مطلب خود کو دوسروں کی نظروں سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔ پاکستان میں تو چلو ٹھیک ہے لیکن یہاں جرمنی میں اس قسم کا برقعہ تو پردے کے تقاضے پورے کرنے کی بجائے ہر کسی کو متجسّس کر دیتا ہے کہ یہ کیا شے جا رہی ہے؟ میں نے دو تین دفعہ اسے تجربہ کرایا کہ عام آنے جانے والی گوریوں کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا لیکن مبارکہ کے بھاری بھرکم پردے کی وجہ سے ہر گزرنے والا ہمیں تعجب سے دیکھتا ہے اور ضرور دیکھتا ہے۔ یوں مبارکہ کی بے پردگی ہو نہ ہو میری اچھی خاصی بے پردگی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس پر میری کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔

''کھٹی میٹھی یادیں''۔باب: بزمِ جاں سے اقتباس

میرے ہاتھ پر قسمت کی لکیر' دماغ کی لکیر سے ٹکرا کر رُک گئی ہے۔ میں جب کسی بات پر اَڑ گیا تو بڑے سے بڑے فائدے کو بھی نظر انداز کر دیا اور یوں کئی بار اپنا نقصان کیا۔ دوسری طرف میری بیوی مبارکہ کے ہاتھ پر قسمت کی لکیر بہت واضح' صاف اور روشن ہے۔ سو میری خوش قسمتی دراصل میری بیوی کی مرہونِ منّت ہے۔

''کھٹی میٹھی یادیں''۔باب: دعائیں اور قسمت، سے اقتباس

یہاں جرمنی میں ایک بار مجھے صوفیانہ خیالات نے پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا۔ زندگی کی ہر سرگرمی بے معنی لگ رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ کسی ویرانے میں جا کر اللہ اللہ کرتے ہوئے زندگی بسر کروں۔ پھر زندگی ہی بے معنی لگنے لگی۔ میں نے دنیا کی بے ثباتی پر گفتگو شروع کر دی۔ گفتگو گہری اور طویل ہونے لگی تو مبارکہ نے کہا ''ٹھہریں! میں آپ کی شوگر چیک کرتی ہوں''۔ جب شوگر چیک کی گئی تو اس کا لیول معمول سے خاصا زیادہ تھا۔ شوگر کنٹرول کرنے والی دوا لینے سے حالت بہتر ہوئی تو زندگی بامعنی اور خوشی سے بھری ہوئی لگنے لگی۔ تب میں نے شریر انداز سے مبارکہ سے کہا ''پہلے زمانے میں شوگر کی بیماری کی تشخیص کرنے' اسے ماپنے اور کنٹرول کرنے کا کچھ پتہ نہ تھا۔ شاید اسی وجہ سے بعض شہزادے اپنے محل چھوڑ کر جنگلوں میں چلے گئے۔ بُرا ہو اِن

جدید سہولیات کا جن کے باعث میں گوتم بُدھ بنتے بنتے رہ گیا''

''کھٹی میٹھی یادیں''۔باب: شوخیاں، بچپنا سے اقتباس

میری بیوی کا خیال ہے کہ میں انتہا پسند ہوں۔ یا تو اتنا میٹھا بن جاؤں گا کہ دوسرا مجھے محبت ہی میں کھا جائے۔ اور یا اتنا کڑوا ہو جاؤں گا کہ کسی کے حلق سے ہی نہیں اتروں گا۔ مجھے اپنی اس کمزوری کا ادراک ہے۔ میں خود کو بدلنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن جو عیب قدرتی طور پر ودیعت کیا گیا ہو وہ ختم نہیں ہوسکتا۔

''کھٹی میٹھی یادیں''۔باب: علّتیں، علالتیں سے اقتباس

جرمنی میں نیشنلٹی لینے کے لئے پہلے اتنی شرائط تھیں کہ بندے کو جرمنی میں رہتے ہوئے سات آٹھ سال ہو گئے ہوں، اپنے ذرائع آمدن ہوں یعنی حکومت سے اسے کوئی امداد نہ ملتی ہو اور جرمن زبان مناسب حد تک آتی ہو۔ امریکہ کے ٹریڈ ٹاورز پر حملوں یعنی نائن الیون کے بعد سے پورے یورپ میں بھی رویوں میں قدرے سختی آ گئی ہے۔ میرے سارے بچوں کو جرمن نیشنلٹی مل چکی تھی۔ میرا اور میری اہلیہ کا معاملہ یوں ہے کہ ہمیں جرمن زبان بالکل نہیں آتی۔ میری ملازمت کی آمدنی اتنی کم ہے کہ حکومت کو اپنے فلاحی قوانین کے مطابق مجھے ہر مہینے میری ضرورت کی بقیہ رقم دینا ہوتی ہے۔ گویا ہمیں زبان بھی نہیں آتی تھی اور ہماری آمدنی بھی اپنے لئے پوری نہ تھی۔ اس لئے ہم دونوں شرائط پر پورے نہیں اترتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے نیشنلٹی کے حصول والے اپنے فارم پُر کروا کر پانچ سال تک اپنے پاس ہی رکھ چھوڑے تھے۔ چونکہ اپنی لیگل پوزیشن کا اندازہ تھا اس لئے اپلائی کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ آخر پانچ سال کے بعد میں نے کچھ ہمت کی اور مبارکہ سے کہا کہ اپلائی تو کر دیتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ درخواست مسترد ہو جائے گی۔ خیر ہے، ایک تجربہ تو ہو جائے گا۔ سو، جی کڑا کر کے ہم نے درخواست جمع کرا دی۔ روٹین کے مطابق ہمیں جرمن زبان کے ٹیسٹ کے لئے بلاوا آ گیا۔ جس دن ٹیسٹ تھا اس دن

میں نے علی الصبح انٹرنیٹ پر یاہو کے قسمت کے حال والے حصہ کو دیکھا تو وہاں کچھ اس مفہوم میں واضح احوال لکھا ہوا تھا کہ آپ آج جس خاص کام کے لئے جا رہے ہیں، اس میں کامیابی نہیں ہو گی لیکن ہمت نہ ہاریں اور کوشش جاری رکھیں۔ یہ پڑھ کر میں دل میں ہی ہمت ہار بیٹھا۔ مبارکہ بیدار ہوئی تو اس نے ایک انوکھا سا خواب سنایا۔ اس کی کوئی جاننے والی باجی کوثر ہیں، انہوں نے ہم دونوں کو اپنے گھر پر دعوت دی ہوئی ہے اور ہم باجی کوثر کی دعوت کھا رہے ہیں۔ اس خواب سے کچھ امید بندھتی نظر آئی تو میں نے گومگو کی حالت میں مبارکہ کو اپنا آزمودہ ایک ٹوٹکا بھی بتا دیا۔ جب زبان کا ٹیسٹ لینے والی کے کمرے میں جانے لگیں تو اپنی انگلی سے اپنی پیشانی پر **یاعزیز!** لکھ لیں۔ افسر کا رعب دل پر نہیں رہے گا اور افسر کے دل میں آپ کے لئے نرمی پیدا ہو جائے گی۔

پہلے مجھے ٹیسٹ کے لئے بلایا گیا، ایک اخباری تراشہ کی ریڈنگ کرائی گئی پھر اُس پر گفتگو کی گئی۔ مجھے آج تک علم نہیں ہے کہ میں نے کیا پڑھا تھا اور کیا ڈسکس کی تھی۔ لیکن مجھے بتایا گیا کہ میں امتحان میں پاس ہو گیا ہوں۔ میرے بعد مبارکہ گئی اور وہ بھی اسی طرح پاس قرار دے دی گئی۔ میری جرمن زبان اتنی خراب ہے آج بھی کسی ٹیسٹ میں بٹھایا جائے تو فیل ہو جاؤں گا لیکن اللہ کا کرم تھا کہ ہم دونوں کو زبان کے ٹیسٹ میں بھی پاس قرار دے دیا گیا اور آمدن پوری نہ ہونے کی خامی کو بھی نظر انداز کر دیا گیا۔ وہ دن اور آج کا دن میں نے اخبارات و رسائل میں اور انٹرنیٹ پر قسمت کے احوال بتانے والے حصے دیکھنا ترک کر دیئے ہیں۔ البتہ جس خاتون نے ہمارا جرمن زبان کا ٹیسٹ لے کر ہمیں پاس قرار دے دیا تھا اس کے لئے کبھی کبھار دعا ضرور کر لیتا ہوں اللہ اسے خوش رکھے! ہمیں نیشنلٹی ملنے کے معاً بعد سے اب یہاں اس کے حصول کا طریق کار پہلے سے بھی بہت زیادہ مشکل کر دیا گیا ہے۔

''کھٹی میٹھی یادیں''۔ باب: روح اور جسم سے اقتباس

کبھی کبھار تھوڑا سا وقت ملتا ہے اور گانے سننے کا موڈ ہوتا ہے تو کمپیوٹر پر کام کرتے ہوئے

کوئی سی ڈی لگا لیتا ہوں۔ ایک بار صبح سویرے کمپیوٹر پر کام کرتے ہوئے میں نے لتا منگیشکر کا ایک گانا لگایا ''یہ شام کی تنہائیاں، ایسے میں تیرا غم''۔۔۔ مبارکہ کمرے کے آگے سے گزری تو کہنے لگی یہ کیا صبح صبح ''شام کی تنہائیاں۔۔۔'' لگا کر بیٹھے ہیں۔ میرے پسندیدہ گانوں پر مبارکہ کے تبصرے بعض اوقات اپنا الگ لطف پیدا کر دیتے ہیں۔ پنجابی کا ایک پرانا گانا سنتے ہوئے مبارکہ نے میری کیفیت پر بڑا مزے کا تبصرہ کیا تھا۔ میں وہ احوال ڈاکٹر نذر خلیق کے نام اپنے ایک خط میں لکھ چکا ہوں، جسے انہوں نے اپنی مرتب کردہ کتاب میں شامل کر دیا تھا۔ خط کا وہ حصہ بنیادی طور پر یادوں سے تعلق رکھتا ہے اور اب یہاں گانوں کا ذکر ہو رہا ہے تو اپنے ۱۶؍نومبر ۲۰۰۲ء کے تحریر کردہ اس خط کا متعلقہ حصہ یہاں درج کئے دیتا ہوں:

''ایک دن میں پنجابی کی ایک ویب سائٹ ''اپنا آرگ ڈاٹ کام'' سے طفیل ہوشیار پوری صاحب کا مشہور گانا ''چٹھی میری ڈھول نوں پچائیں وے کبوترا'' سنتے ہوئے دوستوں کی ای میلز کے جواب دے رہا تھا۔ گانے سے اپنی بعض یادوں کے باعث میں کچھ جذباتی سا بھی ہو رہا تھا۔ اسی دوران کمرے میں مبارکہ آ گئی اور ہنسنے لگ گئی۔۔۔۔۔ میں نے حیران ہو کے پوچھا کیا ہوا ہے؟

کہنے لگی انٹرنیٹ پر ای میلز کے جواب لکھ رہے ہیں اور ساتھ ''چٹھی میری ڈھول نوں پچائیں وے کبوترا'' سن کر جذباتی ہو رہے ہیں۔

مبارکہ کی بات سن کر میں اپنی جذباتی کیفیت ہی میں مسکرا دیا۔

لیکن بعد میں غور کیا تو مجھے کبوتروں کے ذریعے پیغام بھیجنے والے دَور سے ای میل کے ذریعے پیغام بھیجنے والے دَور تک کے سارے زمانے اپنے اندر برسرِ پیکار نظر آتے ہیں۔ نیا دور اپنی طرف بلاتا ہے اور اس میں بڑی کشش ہے، اس کا مضبوط جواز بھی ہے۔ پہاڑ کی چوٹی تک جانا آسان ہے لیکن دوسری طرف پرانے دور کی یادیں مسلسل بلاتی ہیں۔ روتی ہوئی، ہنستی ہوئی، ہر طرح کی آوازیں بلاتی ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ گزرے زمانے کی آوازوں پر مڑ کر دیکھنے والے شہزادے پتھر کے ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود میں نہ صرف مڑ کر دیکھتا ہوں بلکہ ہر قدم پر

مڑ کر دیکھتا ہوں اور خود کو مکمل پتھر ہونے سے بچانے کی کوشش بھی کرتا جاتا ہوں۔

''چِٹھی میری ڈھول نوں پچائیں وے کبوترا'' جذباتی ہو کر سننا، پہاڑ پر جاتے ہوئے مڑ کر دیکھنے جیسا ہے اور ساتھ ساتھ ای میلز کے جواب لکھتے جانا خود کو مکمل پتھر ہونے سے بچانے کی کوشش ہے۔''

مجھے بہت سارے پرانے گانے پسند ہیں،ان سب کی اچھی موسیقی میری روح پر اثر کرتی ہے اور دل میں سوز و گداز بھی پیدا کرتی ہے۔ان گانوں کے ساتھ میں حال میں رہتے ہوئے اپنے گزرے ہوئے زمانوں کا سفر کر لیتا ہوں۔

''کھٹی میٹھی یادیں''۔باب:روح اور جسم سے اقتباس

اب کہ عمر کے اس حصے میں ہوں جب بندہ اِس دنیا سے آگے کی دنیا میں جانے کے لیے بوریا بستر باندھنے میں لگا ہوتا ہے، میں نے بھی کچھ عرصہ سے اپنا بوریا بستر باندھنا شروع کر رکھا ہے۔اگلی دنیا میں جانے کی تیاری کے ساتھ اِس دنیا سے لذت کشید کرنے کا عمل بھی میں نے کم نہیں ہونے دیا۔میری اہلیہ مبارکہ ان معاملات میں ایک حد تک میرے ساتھ ہے اور ایک حد تک مزاحمت کر رہی ہے۔اس دنیا کے معاملات میں تو نہ صرف اس نے مزاحمت نہیں کی بلکہ بڑی حد تک پردہ پوشی بھی کی ہے۔البتہ اگلی دنیا کے معاملہ میں اس نے شدید مزاحمت کر رکھی ہے۔اس حوالے سے جو تازہ ترین صورتحال ہے اسے بعد میں بیان کروں گا پہلے گزرے دنوں کا کچھ ذکر ضروری ہے۔

۱۹۹۶ء میں مبارکہ کو Rheumatism کی بیماری کی ابتدا ہوئی تھی۔ پہلے تو بیماری کی نوعیت سمجھ میں نہیں آئی۔ پتہ نہیں یہ ''روئے ماٹ ازم'' کونسی اللہ ماری ولایتی بیماری لاحق ہوگئی ہے۔ہم نے تو سوشلزم،کمیونزم،کیپٹل ازم کے نام ہی سن رکھے تھے اور مبارکہ کو ان میں سے کسی سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ بہر حال بیماری کی نوعیت کا جب کچھ کچھ اندازہ ہوا تو اس کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے میں نے ۱۹۹۶ء ہی میں ایک غزل میں کہا تھا:

دیکھو مجھے اس حال میں مت چھوڑ کے جانا
دل پر ابھی میں نے کوئی پتھر نہیں رکھا

پھر مبارکہ نہ صرف اس بیماری کی عادی ہوگئی بلکہ Rheuma نے بھی اس کے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کر دیا۔ بارہ تیرہ برس علاج معالجہ کے ساتھ آرام سے گزر گئے۔مبارکہ کی علالت اور اپنے شروع میں بیان کردہ خواب کا مزید ذکر ذرا آگے چل کر۔۔۔۔

''کھٹی میٹھی یادیں''۔باب:لبیک الّٰھم لبیک سے اقتباس

----

۲۶ جنوری ۲۰۰۹ء کو میں نے صبح چار بجے کے لگ بھگ ایک خواب دیکھا۔اس میں مجھے تاریخِ وفات ۳؍دسمبر بتائی گئی۔خواب میں سَن نہیں بتایا گیا لیکن بیداری پر مجھے اس کی جو تفہیم ہوئی اس کے مطابق سال ۲۰۰۹ء ہی میں وفات ہوگی۔اس تفہیم کے ساتھ ایک بار پھر غنودگی کی کیفیت ہوئی اور اس میں یہ قرآنی الفاظ میرے ہونٹوں پر جاری ہوئے:**انی متوفیک**۔یعنی بے شک میں تجھے وفات دوں گا۔

میں نے اسی روز صبح پانچ بجے سبز رنگ کی جلد والی اپنی نوٹ بک کے بائیں جانب اندر کے پہلے صفحہ پر وہ خواب،اور اس کی تعبیر و تفہیم درج کر دی،اپنے دستخط بھی کر دیئے۔اسی روز اپنے چھوٹے بیٹے طارق کو وہ نوٹ بک دکھا کر بتا دیا کہ دسمبر ۲۰۰۹ء میں اگر کچھ رونما ہو جائے تو اس تحریر کو خود بھی پڑھ لینا اور بہن بھائیوں کو بھی پڑھا دینا۔ساتھ ہی اسے کچھ اور ہدایات بھی دیں۔لیکن ہوا یہ کہ طارق نے دو چار دن تک تو صبر سے کام لیا لیکن پھر گھبرا کر اپنی ماں کو اس بارے میں بتا دیا۔مبارکہ کو خواب کی کچھ حقیقت کا اندازہ ہوا تو وہ خود بیمار پڑ گئی۔ یہاں تک کہ ۶ فروری کو ایمبولینس بلانا پڑ گئی۔ ہفتہ بھر صورتحال اتنی زیادہ نازک رہی کہ ڈاکٹرز نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی طرف سے بچانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔بچ جانے کے چانسز ہیں تو سہی لیکن بہت کم۔ کیونکہ قوتِ مدافعت کمزور ہوتے ہی Rheuma نے تقریباً تمام مرکزی اعضا پر حملہ کر دیا ہے۔ان آرگنز کو بچانے کے لیے جن دواؤں کو دیا جا سکتا ہے وہ موجودہ صورت میں جتنی مفید رہیں گی،

سائڈ ایفیکٹ میں اس سے زیادہ نقصان دہ ہوں گی۔عجیب مشکل اور پیچیدہ صورتحال تھی۔بہر حال دعا اور دوا دونوں کے نتیجہ میں مبارکہ نے ایک مہینہ کے لگ بھگ عرصہ میں بیماری کو کچھ کوَر کر لیا۔شیمو تھراپی جو کینسر کے مریضوں کے لیے ہوتی ہے،اس کا پانچ فیصد چھ مہینوں میں آزمانے کا طے ہوگیا۔پانچ مہینوں میں مبارکہ اس حد تک صحت یاب ہوگئی کہ مجھے باقاعدہ ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگی۔کامیاب شوہر بخوبی جانتے ہیں کہ بیوی جب شوہر کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ پوری طرح سے صحت یاب ہوچکی ہے۔وگرنہ ناکام و نامراد شوہر تو بیوی سے سرِ عام جوتے یا دھکے کھا کر بھی کچھ نہیں سمجھ اور سیکھ پاتا،البتہ اس کے انجام سے لوگ سبق ضرور سیکھ لیتے ہیں۔

''کھٹی میٹھی یادیں''۔باب:لبیک اللھم لبیک سے اقتباس

فی الحال بات ہو رہی تھی مبارکہ کی اپنی سنگین بیماری کے وار سے بچ کر گھر واپس آجانے کی۔

مبارکہ کا بہتر حالت میں گھر واپس آنا خدا کا بہت ہی خاص فضل تھا۔گردوں کی کارکردگی متاثر ہونے کے باعث اس کے پورے جسم سے پانی رِستا تھا۔خوشی سے بھیگنا اور غم میں آنسوؤں سے بھیگ جانا تو ہماری دنیا میں ہوتا ہے لیکن بیماری سے اس طرح بھیگنا ہمارے ہاں پہلا تجربہ تھا۔جسم بھی کسی حد تک پھول گیا تھا،تاہم تھراپی کرانے کے نتیجہ میں حالت تدریجاً بہتر ہوتی جا رہی تھی۔اس دوران مبارکہ کو نہانے کے لیے تو مدد کی ضرورت نہ ہوتی لیکن نہانے کے بعد کھڑا کرنے اور ٹب میں سے باہر نکالنے میں مجھے بہت زیادہ ہیلپ کرنا پڑتی۔

اپنے افسانہ''گھٹن کا احساس''میں ایک بار اپنی بیوی کے ساتھ ہوئی بات کو میں نے یوں لکھا ہوا ہے۔

''نہاتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنی پوری کمر پر نہیں پھر سکتا تھا۔ماں کا کمر پر صابن مَلنا یاد آتا تو اس کا جی چاہتا کاش ماں زندہ ہوتی اور اب بھی میری کمر پر صابن مَل دیتی۔ایسے ہی خیالوں کے دوران ایک بار اُس نے اپنی بیوی کو عجیب سی نظروں سے دیکھا۔اس کی بیوی نہ صرف اس کی ماں کی بھتیجی تھی بلکہ بڑی حد تک اس کی ماں کی ہم شکل بھی تھی۔اس نے اپنی بیوی سے اس

خواہش کا اظہار کر دیا کہ وہ نہاتے وقت اس کی کمر پر صابن مَل دیا کرے۔اس کی بیوی تھوڑا سا شرمائی پھر کہنے لگی:''مجھ سے یہ فلموں والے باتھ روم کے سین نہیں ہو سکتے''

وہ بیوی کے جملے پر مسکرایا اور سوچا یہ پگلی کہاں جا پہنچی۔یوں بھی باتھ روم میں اتنی جگہ ہی کہاں ہے کہ وہ بھی میرے ساتھ سما سکتی۔''

اور اب صورت حال یہاں تک آ پہنچی تھی کہ ہم انڈین فلموں کے باتھ روم سے بڑھ کر انگریزی فلموں کے باتھ روم والے سین جیسی صورتحال سے گزر رہے تھے۔مبارکہ کا وزن بہت بڑھ گیا تھا اس لیے اس سین کا مزہ تو کیا لیا جاتا،میرا سانس ہی پھولنے لگتا۔یہ سانس پھولنے کا سلسلہ بڑھا تو ڈاکٹر سے ملاقات کی۔ڈاکٹر نے ای سی جی تک کے اپنے سارے ٹیسٹ کرنے کے بعد مجھے ہسپتال ریفر کر دیا۔ہسپتال والوں نے ٹیسٹ کے کئی مراحل سے گزارنے کے بعد بتایا کہ دل کا کوئی وال (شریان) بند ہے۔انجیو گرافی اور انجیو پلاسٹی دونوں کام ایک ساتھ کر دیئے جائیں گے۔اس کے لیے یکم اکتوبر کی تاریخ دے دی گئی۔ انہیں دنوں میں ایک نئی غزل ہوئی،جس کے یہ اشعار جیسے ۳/دسمبر کے لیے ذہنی تیاری کی غمازی کر رہے تھے۔

دردِ دل کی ہمیں اب کے وہ دوائی دی ہے
اپنے دربار تلک سیدھی رسائی دی ہے
اک جھماکا سا ہوا روح کے اندر ایسے
نوری برسوں کی سی رفتار دکھائی دی ہے
کیسے زنجیر کا دل ٹوٹا یہ اُس نے نہ سُنا
وقت نے قیدی کو بس فوری رہائی دی ہے
اک نئی لمبی مسافت کا زمیں زاد کو حکم
اور اس بار مسافت بھی خلائی دی ہے
جب بھی جانا ہے پلٹ کر نہیں دیکھیں گے کہیں
اپنے اندر سے یہ آواز سنائی دی ہے

اکیس ستمبر کو عید الفطر تھی، عید بہت اچھی گزری۔ سارے بچے گھر پر جمع ہوئے۔ پانچ بیٹے بیٹیاں، پانچ بہوئیں اور داماد، دس پوتے، پوتیاں اور نواسے۔۔ گھر پر اتنی رونق تھی کہ ہم دونوں تھک گئے۔ بائیس ستمبر کو میں ڈٹسن باخ میں خانپور کے زمانے کے ایک دوست وزیر احمد صاحب کو ملنے چلا گیا۔ شام کو گھر آیا تو مبارکہ کی طبیعت خراب تھی، بخار ہو گیا تھا۔ رات گئے تک بخار میں شدت آ گئی اور صبح تک حالت اتنی بگڑ گئی کہ اس کی لیڈی ڈاکٹر فراؤ ہے نگ‘(Frau Hennig) کو گھر پر بلانا پڑا۔ ڈاکٹر نے مبارکہ کی حالت دیکھتے ہی ایمبولینس منگا لی۔ جاتے وقت مبارکہ پر غشی سی طاری تھی۔ اسے قریبی شہر ہوف ہائم کے ہسپتال میں لے جایا گیا۔ ۲۴ تاریخ تک حالت اتنی بگڑ گئی کہ اسے صوبائی صدر مقام ویزبادن کے اس ہسپتال منتقل کر دیا گیا جہاں پہلے سے اس کا ''روئے ما'' کا علاج چل رہا تھا۔ انتہائی نگہداشت والے کمرہ میں جب ہم دیکھنے کے لیے پہنچے تو دل دھک سے رہ گیا۔ وہاں کے ڈاکٹرز نے کہا کہ ہم بچانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں لیکن اس طرح کے کیسز میں بچنے کا صرف ایک فی صد چانس ہوتا ہے۔ جو بچہ اندر آتا اور رونے لگتا میں اسے باہر بھیج دیتا۔ رفتہ رفتہ بچوں نے اپنے آنسوؤں پر قابو پانا شروع کیا۔

میں تو مستقل طور پر مبارکہ کے سرہانے کھڑا ہوا تھا، بچوں کو دو سے زیادہ تعداد میں آنے کی اجازت نہ تھی۔

جب بھی کوئی بچہ آتا۔ میں پوچھتا یہ کون ہے؟ آواز نہیں آتی تھی لیکن مبارکہ کے ہونٹ اس طرح ہلتے جس سے بچے کا نام ادا ہوتا ہوا پورا سمجھ میں آتا۔ حالت تو غیر ہی تھی لیکن تیسرے دن دو دلچسپ باتیں ہوئیں جس سے مجھے کچھ تسلی ہونے لگی۔ میں نئے کپڑے پہن کر ہسپتال پہنچا۔ مبارکہ نے آنکھ کھولی تو مجھے دیکھ کر کہنے لگی۔ ''کتھے چلے او'' (آپ کہاں جا رہے ہیں؟)۔ جب بیوی بے ہوشی اور بے خبری کی حالت میں بھی نگرانی کی اس حد تک آ جائے تو اسے کون بے ہوش یا بے خبر کہے گا۔

جب سارے بچے باری باری آ کر ماں سے مل چکے تو مبارکہ نے دوسری طرف پڑی ہوئی کرسی کی طرف آنکھ سے اشارہ کر کے کہا آپ اب وہاں بیٹھ جائیں۔ مجھے ان دونوں باتوں سے

کافی تسلی ہو گئی۔ لیکن کمال یہ ہے کہ جب مبارکہ بالکل صحت یاب ہو گئی تو اسے ان باتوں میں سے کچھ بھی یاد نہ تھا۔ صرف اتنا یاد تھا کہ بچوں کی پرچھائیاں سی دکھائی دیتی تھیں اور بس۔

مجھے اندازہ ہے کہ اصلاً مبارکہ کو اندر سے یہ خوف ہے کہ میں دنیا سے کوچ کرنے والا ہوں۔ فروری والی بیماری کے دوران میں نے اسے بڑے رسان سے کہا تھا کہ مبارکہ بیگم! آپ زیادہ فکر مت کریں، میں پہلے چلا گیا تو جاتے ہی آپ کو بلوا لوں گا۔ آپ پہلے چلی گئیں تو میں بھی زیادہ دیر یہاں نہیں رہوں گا، آپ کے پیچھے پیچھے ہی چلا آؤں گا۔ لیکن شاید ہم دونوں کے درمیان اہلِ لکھنو کے ''پہلے آپ۔۔۔۔ پہلے آپ'' کے برعکس ''پہلے میں۔۔۔ پہلے میں'' کا مقابلہ چلا ہوا ہے۔ اس چکر میں شاید موت کا فرشتہ بھی کنفیوز ہو رہا ہے کہ ان دونوں میاں بیوی نے مجھے کس چکر میں ڈال دیا ہے۔ پہلے کسے لے جاؤں؟

۲۹ ستمبر ۲۰۰۹ء کو مبارکہ ابھی انتہائی نگہداشت والے روم میں تھی، گردن میں، ہاتھ پر، سینے پر، بازو پر مختلف کنکشنز لگے ہوئے تھے۔ ایک بازو اور ہاتھ کے الٹی طرف ڈرپیں لگانے کے لیے، ایک بازو پر بوقتِ ضرورت ٹیسٹ کرنے کی غرض سے خون لینے کے لیے، گردن اور سینے پر کہیں ڈائلسز کے لیے، کہیں کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ کے لیے اور کہیں پتہ نہیں مزید کن کن مقاصد کے لیے کنکشن کی تاریں ہی تاریں لگی ہوئی تھیں۔ مبارکہ کیا تھی، اچھی بھلی روبوٹ دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے روبوٹ کو بالکل انسان جیسا دکھائی دینے کا تجربہ کر لیا گیا ہو۔

''کھٹی میٹھی یادیں''۔ باب: لبیک اللھم لبیک سے اقتباس

جب شیراز کی پیدائش ہوئی مبارکہ ہسپتال میں تھی۔ ہسپتال سے چھٹی ملتے ہی سب سے پہلے اس ہسپتال میں گئی جہاں شیراز کی پیدائش ہوئی تھی، وہاں پوتے کو دیکھا، چوما، دعا کی اور پھر گھر واپس آئی۔ اپنے دو نواسوں اور ایک پوتے کے ختمِ قرآن کا ذکر یادوں کے ایک باب میں کر چکا ہوں۔ اس عرصہ میں مزید پیش رفت یہ ہوئی کہ گزشتہ برس عثمان کے بیٹے اور میرے دوسرے پوتے جہاں زیب نے فروری میں ساڑھے پانچ برس کی عمر میں قرآن شریف ختم کر لیا۔ اس برس

جولائی میں جہانزیب کی بہن علیشا نے پونے پانچ سال کی عمر میں قرآن شریف ختم کر لیا۔ ماہ نور بھی بیس پارے پڑھ چکی ہے اور اگلے دو تین ماہ تک اس کے ختم شریف کی بھی امید ہے۔ سو اپنی ذاتی زندگی کی اس سال کی اچھی خبروں میں ان خبروں کو بھی شمار کرتا ہوں۔

ایک بار پھر **شکر الحمدللہ**!

یہاں ایک بات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ویسے تو سارے بچے بہت فرمانبردار اور خیال رکھنے والے ہیں۔ ہمارے عمرہ اور حج کی توفیق میں ان کا بھرپور ساتھ شامل رہا ہے۔ جب مجھے کسی ذاتی کام کے لیے رقم کی ضرورت پیش آئی اور میں نے تینوں بیٹوں کے ذمہ کچھ رقم لگائی، سب نے وہ رقم فراہم کر دی۔ عام حالات کے مطابق میرے کہے بغیر بھی طارق نے دو تین اہم مواقع پر از خود میری ضرورت کا احساس کرتے ہوئے مجھے خاصی معقول رقم فراہم کی ہے۔ تاہم مجھے پہلی بار معلوم ہوا ہے کہ بڑا بیٹا شعیب ایک عرصہ سے ہر سال ایک معقول رقم خاموشی کے ساتھ ماں کو دے رہا ہے۔ مجھے کئی برس کے بعد اب علم ہوا تو میں نے دونوں ماں بیٹے کو نصیحت کی کہ مجھے اس کا علم ہونا چاہیے تھا تا کہ میں تحدیث نعمت کے طور کہیں اس کا ذکر کر دیتا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب مجھے اس کا ذکر کرنے کا موقع مل گیا ہے۔

''کھٹی میٹھی یادیں''۔باب: لبیک الھم لبیک سے اقتباس

ماہ نور کا حال پوچھا۔ گھنٹہ بھر باہر گھومنے کے بعد ہسپتال میں واپس آ گیا۔ اگلے دن دوپہر کے بعد مجھے گھر جانے کی اجازت مل گئی۔ اسی دن شام کو مبارکہ سے ملنے گیا۔ وہ انتہائی نگہداشت والے روم سے اب درمیانی نگہداشت والے روم میں منتقل ہو گئی تھی۔ ہوش میں آ گئی تھی لیکن کوئی جنبش از خود نہیں کر سکتی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ میں خود اپنے دل کے معاملے سے نمٹ کر آ رہا ہوں۔ ابھی اسے اپنے بارے میں یا ماہ نور کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ جیسے جیسے مبارکہ روبصحت ہو رہی تھی ویسے ویسے ماہ نور کی حالت بھی بہتر ہو رہی تھی۔ اس کا چہرہ تو خدا نے اپنے فضل سے محفوظ کر دیا تھا۔ سینے کے بیشتر داغ بھی کم ہو رہے تھے اور ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ بچی بہت چھوٹی ہے

اس لیے ایک سے دو سال تک یہ داغ بھی دور ہو جائیں گے۔

مبارکہ کو جب مختلف کنکشنز سے آزاد کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تو جہاں جہاں سے سوئی وغیرہ کو ہٹاتے، وہاں گہرے سرخ داغ نمایاں ہو جاتے۔ تن ہمہ داغ داغ شد والا منظر تھا۔ پنبہ کجا کجا نہم کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ ایک دن کے بعد یہ گہرے سرخ داغ جیسے نیلے سے رنگ میں ڈھلنے لگے اور مجھے پنجابی کا ''تن من نیل و نیل'' یاد دلانے لگے۔ (ویسے کمال ہے کہ ایک مہینہ کے اندر ہی وہ گہرے داغ ایسے ختم ہو گئے ہیں جیسے کبھی تھے ہی نہیں)۔

۲۳/ اکتوبر کو مبارکہ کو ہسپتال سے چھٹی مل گئی لیکن اس خبر کے ساتھ کہ ہفتہ میں تین بار ڈائلیسز ہوا کرے گا۔ سرکاری طور پر ہی سارا انتظام کیا گیا ہے۔ مقررہ وقت پر ٹیکسی آتی ہے اور گھر سے ہسپتال لے جاتی ہے، چار سے پانچ گھنٹے کے درمیان ڈائلسز کا عمل مکمل ہوتا ہے تو ٹیکسی گھر چھوڑ جاتی ہے۔ مبارکہ کی بیماری، اپنی پوتی ماہ نور کے حادثہ اور اپنے دل کے علاج تک تین چار ہسپتالوں سے واسطہ رہا۔ کہیں بھی امیر یا غریب، جرمن یا غیر جرمن کا فرق دکھائی نہیں دیا، کہیں بھی ہسپتال کے عملہ میں دیکھ بھال کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ وہ جو مسیحانہ مقام تھا ہر جگہ دکھائی دیا۔ انسانی خدمت کا ایسا اعلیٰ معیار کہ سوچنے بیٹھیں تو آنکھیں شکر گزاری سے بھیگ جائیں۔ ہمارے معاشرے کے لوگ اپنی ذہنیت کے مطابق اان کے بارے کیا کچھ باور کرتے ہیں لیکن میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ اپنی خدمتِ انسانی کے اعلیٰ ترین معیار کے باعث ان لوگوں نے سچ مچ اپنی جنت کمالی ہے۔

اپنی اس علالت کے نتیجہ میں مبارکہ کا وزن پچاس کلو کے لگ بھگ رہ گیا۔ بیشتر کپڑوں کی نئی فٹنگ کرانی پڑی، چھوٹی بیٹی کی شادی سے پہلے کا ایک کوٹ پورا آ گیا۔ اب بہو بیٹیوں میں حسرت کے ساتھ مبارکہ کو دیکھا جاتا ہے کہ ہائے امی! آپ اتنی سمارٹ ہو گئی ہیں۔

''کھٹی میٹھی یادیں''۔باب: لبیک الھم لبیک سے اقتباس

پہلی بار آپریشن وارڈ سے جنرل وارڈ تک پہنچا تھا تو طارق، نازیہ اور شایان فوراً ہسپتال پہنچ گئے

تھے۔اب دوسری بار جنرل وارڈ میں پہنچا تو مبارکہ، طارق، نازیہ اور شایان کے ساتھ پہنچ گئی تھی۔دوسرے دن جب چھٹی نہیں ملی تو مبارکہ، شعیب اور عثمان ایک ساتھ ملنے آگئے۔اب عمر کے اس حصے میں اور بیماریوں کی اس یلغار میں مبارکہ اور میں ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔بعض عزیز اور دوست احباب ہم دونوں کی خیریت دریافت کرنے لگے تو میں نے کہا ہم دونوں ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی دیکھ ریکھ کرتے رہتے ہیں ۔مثلاً میں مبارکہ سے کہتا ہوں آپ آرام سے بیٹھیں، میں چائے تیار کر کے لاتا ہوں۔مبارکہ جواباً کہتی ہے نہیں آپ آرام سے بیٹھیں میں چائے تیار کر کے لاتی ہوں۔ہم دونوں کا جذبہ دیکھ کر چائے کہتی ہے آپ دونوں آرام سے بیٹھیں میں خود ہی تیار ہو کر آجاتی ہوں۔

’’کھٹی میٹھی یادیں‘‘۔باب:لبیک الّھم لبیک سے اقتباس

تین تاویلیں ایسی ہیں کہ میں انہیں یہاں درج کرنا چاہوں گا۔میرے ماموں صادق باجوہ کا کہنا ہے کہ خواب میں موت سے مراد لمبی عمر ہے۔میرے خیال میں خواب میں کسی زندہ انسان کی موت کی خبر ملنا یا اسے مردہ دیکھنا تو اس کی لمبی عمر کی علامت ہو سکتی ہے لیکن اس طرح معین تاریخ وفات کی خبر سے مراد لمبی عمر شاید نہیں بنتی۔باقی واللہ اعلم۔

کینیڈا سے عبداللہ جاوید صاحب کی تاویل مجھے مزے کی لگی۔ان کے بقول: جیسے کسی بچے کو کسی شرارت یا کام سے روکنے کے لیے کسی تاریک کمرے کا دروازہ ہلکا سا کھول کر دکھایا جائے اور پھر دروازہ بند کر کے بچے کو ڈرایا جائے کہ اگر تم شرارت سے باز نہ آئے تو تمہیں اس کمرے میں بند کر دیا جائے گا۔بالکل اسی طرح ۳ دسمبر کی تاریخ بتا کر اللہ میاں نے موت کے تاریک دروازے کا ڈراوا دیا تھا۔لیکن یہ ضدی بچہ شرارت کو چھوڑ کر دروازے کے اندر میں دلچسپی لینے لگا۔دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا کہ شرارت ورارت کا معاملہ چھوڑیں یہ دروازہ کھولیں مجھے اس کمرے میں جانا ہے۔دیکھوں تو سہی اندر کیا ہے۔جب دروازہ نہیں کھلا تو ۲۶ نومبر آنے تک اس نے زور زور سے دروازہ کھٹکانا شروع کر دیا، اور پھر ۲۶ نومبر سے ۳ دسمبر تک اس بچے نے

دروازہ کھٹکھٹانا اور شور مچانا جاری رکھا۔

ایک طرف تعبیر و تاویل کا یہ سلسلہ تھا دوسری طرف بعض دوستوں کا کہنا تھا کہ خواب غلط ثابت ہو چکا ہے۔اس پر میری اہلیہ مبارکہ نے بڑی انوکھی نشان دہی کی۔مبارکہ کی تاویل بیان کرنے سے پہلے دو وضاحتیں کر دوں۔پہلی وضاحت: اپنے قریشی ہونے کی نسبت سے، اپنی تمام تر کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود میں خود کو ہمیشہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کی آل میں شمار کرتا ہوں۔مجھے گہرا احساس ہے کہ روحانی سطح پر مجھ خاک کی اُس عالمِ پاک سے کوئی نسبت نہیں ہے۔پر کچھ ہے تو سہی۔دوسری وضاحت: خواب کی تعبیر و تاویل میں جو ایک مماثلت کا بیان آگے آنے والا ہے، وہ صرف خواب کی تفہیم کے سلسلہ میں ایک مثال کے طور پر ہے، وگرنہ میں ابراہیمی سمندر کے سامنے ایک قطرہ اور صحرا کے سامنے ایک ذرہ جتنی وقعت کا بھی حامل نہیں ہوں۔یہ وضاحت اس لیے نہیں کر رہا کہ کوئی مذہبی انتہا پسند میری بات سے کوئی اشتعال انگیزی نہ کر گزرے۔بلکہ اس لیے کر رہا ہوں کہ اس اظہار کے نتیجہ میں کہیں میرے اپنے اندر کوئی فتور نہ آجائے۔بس میری یہ تحریر مجھے میری اوقات کا احساس دلاتی رہے۔

ان وضاحتوں کے بعد مبارکہ کی بیان کردہ تعبیر و تاویل پیش کرتا ہوں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو خدا کی راہ میں قربان کر رہے ہیں۔ انہوں نے بیٹے کو اپنا خواب بتایا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فوراً خواب کو پورا کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔اب صورتحال یہ بنی کہ باپ بیٹے کو قربان کرنے کے لیے تیار ہے اور بیٹا قربان ہونے کو تیار ہے۔جب خدا نے دیکھا کہ باپ بیٹا دونوں اس کی رضا پر راضی اور اس کے حکم کی تعمیل پر کمر بستہ ہیں تو قربانی کے حکم کے باوجود ذبح کرنے سے روک دیا گیا اور خواب کی تعبیر مینڈھا بھیج کر پوری کر دی گئی۔یوں خواب دوسرے رنگ میں پورا ہو گیا۔

’’کھٹی میٹھی یادیں‘‘۔باب: زندگی در زندگی سے اقتباس

مبارکہ کا ہفتہ میں تین بار ڈائلسز کا سلسلہ جاری ہے اور اب ایک طرح سے معمولاتِ زندگی

میں شامل ہے۔۱۶،۱۷اپریل کی درمیانی رات اسے بے چینی ہونے لگی۔شوگر اور بلڈ پریشر چیک کیے تو سب نارمل تھے البتہ نبض کی رفتار مدھم تھی۔۴۰ سے ۴۳ کے درمیان۔دوا ڑھائی گھنٹے اپنے ٹوٹکے کرنے میں گزار دیے۔صبح ساڑھے پانچ بجے بڑے بیٹے کے گھر فون کیا۔تسنیم سے بات ہوئی۔اس نے فوراً قریبی شہر ہوف ہائم کے ہسپتال میں فون کیا۔چھ بجے وہاں کا ڈاکٹر ہمارے گھر پہنچ گیا۔نبض کے بارے میں جان کر اس نے دستی ای سی جی مشین بھی ساتھ رکھ لی تھی۔ مبارکہ کی صورتحال دیکھ کر اس نے گھر پر ہی ای سی جی ٹیسٹ شروع کر دیا۔دل میں گڑبڑ ہونے کے سگنل مل رہے تھے۔ساڑھے چھ بجے اس نے ایمبولینس بلا لی۔ایمبولینس والوں نے آتے ہی اپنی کاروائی شروع کر دی۔وہ اسٹریچر پر ڈال کر لے جانا چاہتے تھے۔ہم اپنی بلڈنگ کی ساتویں منزل پر رہتے ہیں۔میرے پاس ہاؤس ماسٹر کا فون نمبر نہیں تھا۔ہاؤس ماسٹر سے سارے معاملات چھوٹا بیٹا ٹیپو خود ڈیل کر لیا کرتا ہے۔ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ لفٹ کی چابی منگائیں تا کہ مریضہ کو اسٹریچر پر ہی لے جایا جا سکے۔میں نے ٹیپو کے گھر فون کیا،موبائل پر فون کیا،مگر سارے فون بند تھے۔پانچ منٹ کا پیدل رستہ ہے اس دوران میں نے خود جا کر اس کے گھر پر بیل دی اور پیغام دیا کہ فوراً ہمارے ہاں پہنچو۔ان لوگوں کے پوری طرح بیدار ہونے،تیار ہونے اور ہمارے ہاں پہنچنے میں اتنا وقت لگ گیا کہ تب تک ڈاکٹرز مزید انتظار کیے بغیر مبارکہ کو وہیل چئیر پر بٹھا کر ہی لے گئے۔ تینوں بیٹے ہمارے گھر کے اتنے قریب ہیں کہ کسی ایمرجینسی میں بلانے پر پانچ منٹ کے اندر گھر پر پہنچ سکتے ہیں۔ہر چند آج بڑی بہو تسنیم کو جتنا کام سونپا گیا اس نے احسن طریقے سے کر دیا اور اسی کے نتیجہ میں ڈاکٹر اور ایمبولینس بروقت پہنچ چکے تھے۔لیکن آج ایمرجینسی میں یہ تجربہ بھی ہوا کہ سب سے قریب مقیم بیٹا اس وقت ہم تک پہنچا جب اس کے آنے کی ضرورت نہ رہی تھی۔اس سے اندازہ ہوا کہ قدرت کی طرف سے آسانی ہو تو دور والے بھی قریب ہیں اور اگر الجھن پیدا ہونی ہے تو سب سے قریب والے بھی دور ہیں۔سبق ملا کہ بچوں کی سعادت مندی پر ان کے لیے دعا کرتے رہنا چاہیے لیکن بھروسہ صرف اور صرف اپنے خدا پر ہی رکھنا چاہیے۔اس کا فضل ہے تو ہر طرف سے ہر طرح خیر ہے۔

ساڑھے سات بجے ایمبولینس والے مبارکہ کو ساتھ لے کر گئے تھے اور ساڑھے نو بجے کے لگ بھگ مبارکہ کا فون آ گیا کہ انجیو گرافی اور انجیو پلاسٹی کے دونوں مرحلے طے ہو گئے ہیں۔ گویا اب ہم دونوں میاں بیوی ہارٹ کلب کے ممبر بن گئے ہیں۔میں نے تو مبارکہ کی کسی بیماری میں شراکت نہیں کی لیکن وہ میرے دل کی بیماری میں حصہ دار بن گئی۔اگلے دن اس کے ڈائلسز کی باری تھی۔۲۳اپریل کو شام تک ڈائلسز کے بعد مبارکہ کو ہسپتال سے چھٹی مل گئی۔

''کھٹی میٹھی یادیں''۔باب:زندگی در زندگی سے اقتباس

کھانے پینے کے ذکر سے خیال آیا،جرمنی میں رہتے ہوئے ہم لوگ پاکستانی کھانے ہی کھاتے رہے ہیں۔لیکن اب کھانے کے معمولات میں کچھ تبدیلی کی ہے۔ناشتہ میں ہم میاں بیوی اپنی اپنی پسند کی بریڈ لیتے ہیں۔دوپہر کو پاکستانی کھانا ہوتا ہے۔مبارکہ شام کو بھی پاکستانی کھانا کھاتی ہے لیکن میں نے شام کو بریڈ لینا شروع کر دی ہے۔ویسے پاکستانی کھانوں میں عام گوشت،سبزی اور دال کے ساتھ ساتھ کبھی کبھار چپلی کباب،نہاری اور پائے کی بدپرہیزی بھی کر لیتے ہیں۔ویسے آجکل ہماری پسندیدہ ڈش گڑ کے چاول ہے،اگرچہ یہ بچپن کی پسندیدہ ڈش کے طور پر بہت کچھ یاد دلاتی ہے لیکن اس میں ہر طرح کے میوہ جات کی شمولیت بہت کچھ بھلا بھی دیتی ہے۔کبھی کبھار یہ ڈش بنتی ہے تو میں جی بھر کے بدپرہیزی کر لیتا ہوں۔

''کھٹی میٹھی یادیں''۔باب:زندگی در زندگی سے اقتباس

۲۴مئی کو جرمنی میں سرکاری چھٹی تھی۔اس دن بارش نہیں ہونا تھی۔کئی دنوں سے چل رہی ٹھنڈ کے برعکس موسم خاصا بہتر تھا۔چمکتی ہوئی لیکن نرم دھوپ میں ۲۵ ٹمپریچر نے فضا کو خوشگوار بنا دیا تھا(اس دن پاکستان کے بعض شہروں میں ٹمپریچر ۵۲ ہو گیا تھا)۔ہم نے،پوری کی پوری فیملی نے اپنے گھر کے قریب سے گزرتے ہوئے دریائے مائن کے کنارے پکنک منانے کا طے کر لیا۔اپنی اپنی سہولت کے مطابق پانچوں بچوں نے جو پکانا مناسب سمجھا پکا کر لے آئے اور سب دریا کے

کنارے پر جمع ہو گئے۔چھوٹے بچے، پوتے، پوتیاں، نواسے جو ہمارے گھر میں کھیلتے ہیں تو لگتا ہے کہ اودھم مچا رہے ہیں۔اب یہاں کھل کر کھیل رہے تھے، اودھم مچا رہے تھے لیکن سب اچھا لگ رہا تھا۔گزشتہ برس کی بیماریوں کی یلغار کے بعد مبارکہ پہلی بار دریا کے کنارے پہنچی تو یہ سب کچھ خواب جیسا لگ رہا تھا۔بیماریوں کے حملہ سے پہلے ہم دونوں میاں بیوی کئی بار چہل قدمی کرتے ہوئے دریا کے اس کنارے تک آئے ہیں اور کئی بار یہاں کے بنچوں پر دیر تک بیٹھے قدرتی مناظر کا نظارہ کرتے رہے ہیں۔لیکن گزشتہ برس ۲۰۰۹ء میں ہم جس نوعیت کی سنگین بیماریوں سے گزرے ہیں، اس کے بعد سوچا نہیں تھا کہ مبارکہ اس طرح پھر سے ہنستے کھیلتے ہوئے دریا کے کنارے تک پہنچے گی۔لیکن خدا کے فضل سے ایسا ہو گیا تھا۔ہمارے لیے یہ پکنک بھی خدا کی شکر گزاری کا جواز بن گئی۔دریا کے دوسرے کنارے پر بھی پکنک منائی جا سکتی تھی لیکن بچے اسی طرف رہنے پر مصر تھے کیونکہ یہاں کی گراؤنڈ وسیع تھی۔کھیلنے اور بھاگنے دوڑنے کے لیے کھلی جگہ تھی۔دوسری طرف صرف بیٹھنے کے لیے دو تین بنچوں کا ہی انتظام تھا۔چھٹی والے دنوں میں دریا کے دوسرے کنارے پر لے جانے کے لیے ایک کشتی موجود ہوتی ہے۔کرایا واجبی سا ہوتا ہے۔میں اپنے پوتوں، پوتیوں اور نواسوں کو لے کر دریا کے دوسرے کنارے پر لے گیا۔بچوں نے اس مختصر سے دریائی سفر کا لطف لیا لیکن دوسرے کنارے پر پہنچ کر واپسی کا شور مچا دیا۔اصل میں وہ کشتی میں ہی سفر کرتے رہنا چاہتے تھے۔مجھے ہرمن ہیسے کا ناول ''سدھارتھ'' بہت پسند ہے۔دریا کی آوازیں سننا اور ان کا گیان حاصل کرنا بڑی بات تھی لیکن ہرمن ہیسے کے سدھارتھ نے میرے پوتوں، پوتیوں اور نواسوں کی معصوم اور زندگی سے بھرپور آوازوں کے ساتھ دریا کی آواز کو سنا ہوتا تو اسے ایک اور طرح کا گیان بھی نصیب ہو جاتا۔میں اپنے بچوں کے بچوں میں اپنے ماضی، حال اور مستقبل سمیت اپنی ساری کائنات کا عکس دیکھ رہا ہوں۔۔۔۔۔

''کھٹی میٹھی یادیں''۔باب: زندگی در زندگی سے اقتباس

انسانی زندگی ایک سفر جیسی ہے۔۱۳ جنوری ۲۰۱۲ء کو اپنی زندگی کے سفر میں ساٹھ برس کا ہو چکا

ہوں۔سال ۲۰۰۹ء میری زندگی میں ایسی بیماریوں، دکھوں اور تکالیف کا سال بن کر آیا تھا کہ اب ان کا سوچ کر بھی حیرت ہوتی ہے۔میں اور میری فیملی کیسے سنگین حالات سے کیسے حوصلے اور کیسے اطمینان کے ساتھ گزرتے چلے گئے، یہ سراسر خدا کا فضل و کرم تھا۔اُسی نے ابتلا اور آزمائش میں ڈالا تھا اور اسی نے اس میں سے کامیاب و سرخرو کر کے زندگی کے سفر کو جاری رکھا ہوا ہے۔میری اہلیہ دو بار موت کی سرحد تک پہنچ گئی تھیں، اور دونوں بار ہماری پوری فیملی اللہ میاں کی منت کر کے انہیں واپس لے آئی۔دوسری بار واپسی تو ہو گئی لیکن ساتھ ہی ہفتہ میں تین بار ڈائلے سز کی شرط لاگو ہو گئی۔ہمارے خاندان میں جو عزیز و اقارب ڈائلے سز پر آئے چار سے چھ مہینے کے اندر وفات پا گئے۔خود مبارکہ کے والد اور میرے ماموں پروفیسر ناصر احمد بھی بمشکل چار مہینے ڈائلے سز پر رہے اور پھر وفات پا گئے۔مبارکہ نے سوا سال سے زیادہ عرصہ ہفتہ میں تین بار ڈائلے سز کی مشقت اٹھائی۔اس دوران ہم نے گردوں کے عطیہ کے لیے درخواست دے دی تھی۔گردے مل جائیں تو ٹرانسپلانٹیشن کے بعد ڈائلے سز سے نجات مل جاتی ہے۔عام طور پر مطلوبہ گردوں کے ملنے میں کئی برس گزر جاتے ہیں لیکن خدا کے فضل سے مبارکہ کے لیے سوا سال کے اندر ہی اس کا انتظام ہو گیا۔لیکن یہ انتظام بس خوشی کی ایک خبر جیسا ہی تھا۔ایک طرف ڈائلے سز والے ڈاکٹر کا کہنا تھا ایسا لگتا ہے کہ ناکارہ گردے کام کرنے لگ گئے ہیں۔ڈاکٹر نے اپنی تسلی کے لیے مختلف قسم کے ٹیسٹ شروع کرائے۔دوسری طرف فروری ۲۰۱۱ء میں فرینکفرٹ کے ڈونر ادارہ کی جانب سے فون آ گیا کہ آپ کے مطلوبہ گردے مل گئے ہیں۔میں نے انہیں ڈائلے سز والے کلینک کا نمبر دے دیا اور کہا کہ ان سے بات کر لیں۔وہاں سے ڈاکٹر نے انہیں بتایا کہ آپ اپریل ۲۰۱۱ء تک یہ گردے ریزرو رکھیں، لیکن ہو سکتا ہے ہمیں ان کی ضرورت پیش ہی نہ آئے۔اور یہی ہوا، خدا کی رحمتِ خاص نے معجزے جیسا ہی کچھ کر دیا۔ٹرانسپلانٹیشن تو رہی ایک طرف ڈائلے سز کی بھی ضرورت نہ رہی۔سارے ٹیسٹ صحت میں بہتری کی نشان دہی کر رہے تھے۔سوا سال سے زیادہ عرصہ ہفتہ میں تین بار ڈائلے سز پر رہنے کے بعد مبارکہ کو ڈائلے سز سے نجات مل گئی۔ **الحمد لله، ثم الحمد لله۔**
۱۱ فروری ۲۰۱۲ء کو ڈائلے سز کے بغیر ایک سال مکمل ہو گیا ہے، بغیر ڈائلے سز کے سب کچھ ٹھیک جا رہا

ہے۔صرف دواؤں سے ہی زندگی کا سفر جاری وساری ہے۔۲۰۱۲ء کا آغاز اس خوشخبری کو مستحکم کرتا ہوا آیا۔

''کھٹی میٹھی یادیں''۔باب:زندگی کا یادگار سفر سے اقتباس

فاصلہ اور قربت ایک دوسرے کے لئے اسی طرح لازم وملزوم ہیں جس طرح ایٹم کا ہر اینٹی پارٹیکل اور پارٹیکل۔رات اور دِن۔اہرمن اور یزداں۔اور میری بیوی اور میں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔(میری بیوی اور میرے معاملے میں آپ لازم وملزوم کی بجائے''لازم و ملزم'' سمجھیں۔الزامات کی نوعیت وہی ہے جو یورپ میں ہر شریف شوہر کو اپنی بیوی سے سننا پڑتے ہیں)۔

انشائیہ''فاصلے،قربتیں''سے اقتباس

افسانہ

میں انتظار کرتا ہوں!

خزاں رسیدہ سہی پھر بھی میں اگر چاہوں
جہاں نگاہ کروں اک نئی بہار اُگے

میں سوتیلے جذبوں کے عذابوں سے گزرتا ہوں کہ مجھے اپنا سفر مکمل کرنا ہے۔
میں کسی صحرا میں پیاس کی شدّت سے ایڑیاں رگڑ رہا ہوں۔
اور مامتا کی ماری میری ماں پانی کی تلاش میں ہلکان ہوتی پھر رہی ہے۔
میں کسی اندھے کنوئیں میں گرا پڑا ہوں۔
اور میرے بھائی ان سوداگروں سے بھی میری قیمت وصول کر رہے ہیں جو کچھ دیر بعد مجھے اس کنوئیں سے نکالیں گے اور غلام بنا کر لے جائیں گے۔
میں کسی جنگل میں بَن باس کے دن گزار رہا ہوں۔
مری بیوی مجھے ہرن کا شکار لانے کے لیے کہتی ہے۔میں ہچکچاتا ہوں مجھے معلوم ہے اس کے بعد کیا ہوگا مگر پھر میں بیوی کی خواہش پوری کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہوں۔

☆☆

میں کہ سوتیلے جذبوں کا شکار ہوں۔
میری تاریخ کے سفر کا ایک حصہ مکمل ہو گیا ہے''لچھمن ریکھا'' عبور ہوتے ہی تاریخ کے سفر کا دوسرا حصہ شروع ہو گیا ہے۔میں کسی غیبی امداد کا منتظر ہوں۔
میں اندھے کنوئیں سے نکال لیا گیا ہوں۔

مگر میں ابھی تک اندھے کنوئیں میں ہوں کہ زلیخا میرے تعاقب میں ہے اور میں گناہ کے اندھے
کنوئیں سے نکلنے کے لئے مسلسل دوڑ رہا ہوں۔

پیاس کی شدت میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔

اور میری ماں جو دوڑتے دوڑتے تھک کر چُور ہوگئی ہے۔ابھی تک پانی کی تلاش میں سرگرداں ہے
اس کے اپنے ہونٹوں پر پیاس کی پپڑیاں جم گئی ہیں۔مگر دور دور تک کسی قافلے کے آثار نظر نہیں
آتے۔

میری بے گناہی۔۔۔میری نیکیاں دنیا نہیں دیکھتی اور میں تہمتوں کی زد میں ہوں۔

میں اذیت میں ہوں کہ میری ماں ابھی تک میری خاطر پانی کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

وہ جو بادشاہ زادی ہے۔میرے سوتیلے بھائی اسے لونڈی اور مجھے لونڈی کا بیٹا کہتے ہیں۔

میں دکھ میں ہوں کہ حاکم کی بدکار بیوی مجھے میری نیکی کی کڑی سزا دلواتی ہے۔

میں قید میں ہوں کہ بدکاری کی تہمت مجھ پر عائد کردی گئی ہے۔

اور میرا سینہ تنگ ہوتا ہے کہ میری پاک دامن بیوی پر بدکاری کا الزام عائد کیا گیا ہے۔

یہ سارے جھوٹے الزام اور تہمتیں وہی لگا رہے ہیں جو خود بدکار ہیں۔جو میرے سوتیلے عزیز ہیں۔

وہ میرے گرد سوتیلے جذبوں سے جھوٹے الزامات اور تہمتوں کا ایندھن جمع کر رہے ہیں تاکہ اس
میں نفرتوں کی آگ لگا کر مجھے بھسم کرڈالیں۔

میں اس آگ سے بچنے کے لئے دعا کرتا ہوں کہ میں بے حد کمزور ہوں۔

☆☆

میں وہی ہوں کنواریاں جس کے لیے ہزاروں برس سے انتظار کر رہی تھیں۔

اور میں وہی ہوں.....چاند،سورج اور ستارے جس کے آگے سجدہ ریز ہوں گے۔

اور میں وہی ہوں جو اپنے باپ کے تخت کا حقیقی وارث ہے۔

مگر میں سوتیلے جذبوں کا شکار ہوں۔

میں سوچتا ہوں۔

میں کن امتحانوں آزمائشوں اور ابتلاؤں سے گزر رہا ہوں؟

میری پاکدامن بیوی کی صفائی کون دے کہ میرا واسطہ بدکاروں سے ہے جو اپنی برائیاں چھپانے
کے لئے دوسروں پر تہمتیں عائد کرتے ہیں۔

اور میری اپنی صفائی کون دے کہ میں اب بھی گناہ پر آمادہ ہو جاؤں تو وہی عورت میری بے گناہی کی
گواہی دے کر مجھے چھڑا لے جائے گی جس نے مجھے اس حال تک پہنچایا ہے۔

اور میری ماں.... بادشاہ زادی....جو میری حالت نہیں دیکھ سکتی اور اس کی بے قراری دیکھ کر میرا اپنا
دِل خون ہوتا ہے اور میں پہلے سے زیادہ زور کے ساتھ ایڑیاں رگڑنے لگتا ہوں، وہ کب تک پانی
کی تلاش میں پہاڑیوں کا سفر کرتی رہے گی۔

☆☆

سوتیلے جذبوں سے جھوٹے الزامات اور تہمتوں کا ایندھن میرے چاروں طرف جمع کیا جا چکا ہے
اس ایندھن کے انبار پہاڑوں کی بلندیوں تک پہنچتے ہیں۔

وہ صحرا جس میں، میں ابھی تک پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رہا ہوں اور میری ماں پانی کی
تلاش میں چکراتی پھر رہی ہے،

اور وہ اندھا کنواں جس میں مجھے ڈالا گیا تھا اور وہ جیل جس میں، میں اس وقت قید ہوں،

اور وہ جنگل جس میں مجھے اپنے بن باس کے سارے دن گزارنے ہیں،

سب اس ایندھن کے حصار میں آگئے ہیں۔ایندھن کے اس حصار کی دوسری طرف میرے سوتیلے
عزیز جشن منا رہے ہیں، میری تضحیک کر رہے ہیں، قہقہے برسا رہے ہیں۔اور وہ لمحہ قریب آتا جا رہا
ہے جب وہ اس ایندھن میں نفرت کی آگ لگائیں گے۔آگ چاروں طرف پھیل جائے گی۔
تب یہ صحرا، یہ اندھا کنواں، یہ جنگل اور میں ...میری بے گناہی اور سچائی کے سارے نشان اس
آگ میں جل کر فنا ہو جائیں گے۔مٹ جائیں گے۔اور میرے سوتیلے عزیزوں کے سوتیلے
جذبوں کے ظلم کا کوئی ثبوت باقی نہیں رہے گا۔تب میرے سوتیلے عزیز اپنی مرضی کے مطابق میری
تاریخ لکھیں گے، تب وہ اطمینان سے لکھیں گے کہ:

میں بدکار تھا اور میری بیوی بھی بدکار تھی اور میری ماں لونڈی تھی...مگر میرا باپ؟

☆☆

میں پھر سوچنے لگتا ہوں

میں جو صحرا میں پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رہا ہوں۔ابراہیم کا بیٹا ہوں۔

اور میں جو جرم بے گناہی میں قید بھگت رہا ہوں، ابراہیم کا پوتا ہوں۔

اور میں جو جنگل میں بن باس کے دن کاٹ رہا ہوں۔میں بھی ابراہیم کی آل سے ہوں کہ سچ کی راہ پر چلنے والے اور ظلم کو صبر کے ساتھ برداشت کرنے والے ابراہیم کی آل میں شمار ہوتے ہیں۔

میں وہی ہوں کنواریاں جس کے لئے ہزاروں برسوں سے انتظار کر رہی تھیں۔

اور میں وہی ہوں۔۔چاند سورج اور ستارے جس کے آگے سجدہ ریز ہوں گے۔

اور میں وہی ہوں جو اپنے باپ کے تخت کا حقیقی وارث ہے۔

میں سوتیلے جذبوں کا شکار ہوں۔

میرے سوتیلے عزیز تاریخ کو جتنا مسخ کر لیں مگر وہ میرے باپ کا نام کیوں کر مٹا سکیں گے۔کہ پھر وہ خود بھی بے شناخت ہو جائیں گے۔

میں ابراہیم کا بیٹا ہوں۔

میں ابراہیم کا پوتا ہوں۔

میں آل ابراہیم سے ہوں۔

آگ ابراہیم کے لئے گلزار ہو گئی تھی تو مجھے کیونکر نقصان پہنچا سکے گی۔

''آگ سے ہمیں مت ڈراؤ یہ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے۔''

یہ آسمانی آواز مجھے یقین دلاتی ہے کہ میری ایڑیوں کی رگڑ سے ایک چشمہ پھوٹ بہے گا اور اس کا پانی میری مدد کو آئے گا۔

مجھے جس اندھے کنوئیں میں گرایا گیا تھا آسمان سے اس میں اتنا پانی اترے گا کہ وہ کنواں چھلک پڑے گا اور بحرِ ہند کا ٹھاٹھیں مارتا پانی سیلاب بن جائے گا۔

اور پھر سوتیلے جذبوں سے جھوٹے الزامات اور تہمتوں کے ایندھن میں بھڑکائی ہوئی نفرتوں کی ساری آگ بجھ جائے گی۔

☆☆

میرے سوتیلے عزیزوں نے نفرت کی آگ لگا دی ہے۔اس آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔میرے چاروں طرف آگ پھیلی ہوئی ہے۔۔۔سوتیلے جذبوں کی آگ.....مگر میں دیکھتا ہوں کہ:

میرے بن باس کے دن ختم ہو چکے ہیں۔میرا حق میرا تخت مجھے مل گیا ہے اور میری بیوی کی پاک دامنی کی شہادت خود تاریخ دے رہی ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ:

میری قید کی مدت ختم ہو گئی ہے۔اور میں ایک اعلیٰ منصب پر سرفراز کیا گیا ہوں۔اور چاند سورج اور ستارے میرے حضور سجدہ ریز ہیں۔

اور میں دیکھتا ہوں کہ:

تپتے ہوئے صحرا میں میرے ایڑیاں رگڑنے سے ایک چشمہ پھوٹ بہا ہے۔مری ماں کے چہرے پر خوشیوں اور مسرتوں کا نور پھیلا ہوا ہے۔ وہ جو کسی قافلے کی امداد کی منتظر تھی اب ہزاروں قافلے اس کی مدد کے محتاج ہیں۔اور اس بادشاہ زادی کو ایک نئی بادشاہت مل گئی ہے۔اور ہزاروں برس سے میرا انتظار کرنے والی کنواریاں، میرے گلے میں ڈالنے کے لئے اپنے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار سجائے میری آمد کے گیت گا رہی ہیں۔

اور میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ بحرِ ہند کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا پانی، آسمان سے اندھے کنوئیں میں اتر کر اور پھر باہر چھلک جانے والا پانی اور میری ایڑیوں کی رگڑ سے پھوٹ بہنے والے چشمے کا پانی.....سب میری آنکھوں میں اتر آئے ہیں۔

سوتیلے جذبوں سے بھڑکائی ہوئی نفرتوں کی آگ بجھتی جا رہی ہے اور اس آگ کے دوسری طرف میرے تمام سوتیلے عزیز حیرت اور خوف سے اس منظر کو دیکھ رہے ہیں۔

میں آگ کے مکمل طور پر بجھنے کا انتظار کرتا ہوں۔

میں انتظار کرتا ہوں جب تھوڑی دیر بعد میرے سارے سوتیلے عزیز مجرموں کی طرح میرے سامنے پیش ہوں گے۔

اور میں اس وقت کے آنے سے پہلے ہی اپنا فیصلہ لکھنے بیٹھ جاتا ہوں۔

"لا تثریب علیکم الیوم.....''☆

☆ترجمہ: آج کے دن تم سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔

☆☆☆

یہ افسانہ ابو کے افسانوں کے مجموعہ ''روشنی کی بشارت'' سے لیا گیا ہے

افسانہ

روشنی کی بشارت

بدل جاتے ہیں اک لمحے میں ہی تاریخ کے دھارے
کبھی جو موج میں آ کر قلندر بول اُٹھتے ہیں

''دیوانہ خاموش ہو گیا اور اپنے سامعین کو دیکھنے لگا۔ وہ بھی خاموش تھے اور حیرانی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ بالآخر اس نے چراغ زمین پر پٹخ دیا جو ریزے ریزے ہو کر بجھ گیا۔ تب اس نے کہا:

''میں بہت پہلے آ گیا ہوں میرا تعلق مستقبل سے ہے۔ یہ مہیب واقعہ ابھی فاصلے ہی طے کر رہا ہے'' **(نطشے کی ایک تمثیل سے اقتباس)**

اپنی آنکھوں میں طلوع ہوتے سورجوں کا گواہ، مٹی کا چراغ اپنے ہاتھوں پر اٹھائے جب میں شہر کے لوگوں کو روشنی کی بشارت دیتا ہوں تو وہ مجھے اس انداز سے دیکھتے ہیں جیسے میں ان کے ساتھ مذاق کر رہا ہوں۔ کچھ لوگ میری بات پر ہنستے ہیں۔ کچھ سر اٹھا کر میری طرف دیکھتے ہیں اور بغیر سوچے سمجھے آگے چلے جاتے ہیں۔ کچھ سر اٹھا کر دیکھے بغیر کچھ سوچتے چلے جاتے ہیں۔

میری آنکھوں میں طلوع ہوتے سورجوں کا گواہ مٹی کا چراغ میرے ہاتھوں میں ہے۔ لیکن کوئی بھی میری بشارت پر ایمان نہیں لا رہا۔ مجھے شک گزرتا ہے۔ میں اپنے وقت سے سولہ سو برس پہلے آ گیا ہوں۔ یہ لوگ مجھ سے سولہ سو برس پیچھے ہیں۔ یہ میری بات نہیں سمجھ پائیں گے۔ پھر کچھ سوچ کر میں اپنی ماں کے پاس جاتا ہوں اور روشنی کی بشارت دیتے ہوئے اسے بتاتا ہوں کہ میری آنکھوں میں سورج طلوع ہو رہے ہیں اور میرے ہاتھوں میں مٹی کا یہ چراغ ان کا گواہ ہے۔ میری

ماں مجھے تشویشناک نظروں سے دیکھتی ہے اور آسمانی صحیفوں کی دعائیں پڑھ پڑھ کر مجھ پر پھونکوں سے دَم کرنے لگتی ہے۔ میری چھوٹی بہن مجھے خوفزدہ نظروں سے دیکھتی ہے اور دبک کر ماں کے قریب ہو جاتی ہے۔ ماں کی سادگی اور بہن کے بھولپن پر افسردہ مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے میں مبارکہ کے پاس آتا ہوں اور اسے بتاتا ہوں کہ میں دنیا کو روشنی کی بشارت دینے کے لئے مامور کیا گیا ہوں۔ میری آنکھوں میں سورج طلوع ہو رہے ہیں اور میرے ہاتھوں میں مٹی کا یہ چراغ ان کا گواہ ہے۔ مگر وہ میری بات پر توجہ دینے کی بجائے مجھے دوکانداروں کے بلوں اور بچوں کی فیسوں کے بارے میں بتانے لگتی ہے۔ میں مایوس ہو کر عفت کے پاس چلا آتا ہوں۔ پہلے تو وہ میری بات پر توجہ نہیں کرتی لیکن جب میں پوری سنجیدگی سے اپنی بات دہراتے ہوئے اصرار کرتا ہوں کہ اب روشنی صرف میری آنکھوں میں طلوع ہوتے سورجوں سے ہی اترے گی۔ تو وہ میرے قریب آ جاتی ہے۔۔ میرے ہاتھوں میں مٹی کے چراغ کو چھو کر دیکھتی ہے اور پھر پوچھتی ہے۔ کہیں آپ افسانہ لکھنے کے موڈ میں تو نہیں ہیں؟۔ میں اسے یقین دلاتا ہوں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ کہہ رہا ہوں۔ اس کے باوجود وہ مجھے اسی موضوع پر افسانہ لکھنے کی تحریک کرتی ہے۔

مجھے اب پوری طرح یقین ہو جاتا ہے کہ میں اپنے وقت سے سولہ سو برس پہلے آ گیا ہوں۔ مجھے یاد آتا ہے اس سے پہلے ایک دفعہ میں اپنے وقت سے پچاس برس پہلے آیا تھا اور جب پچاس برس بعد میں دوبارہ آیا تھا تو میں نے یہ دیکھا تھا کہ میں اپنے وقت سے ایک صدی پہلے آ گیا ہوں.... پھر جب میں ایک صدی بعد آیا تو میری آمد اپنے وقت سے دو سو سال پہلے تھی۔ اور جب میں دو سو سال بعد آیا تو میری آمد میں چار سو سال رہتے تھے اور پھر جب میں چار سو سال بعد آیا تو میں اپنے وقت سے آٹھ سو سال پہلے آیا ہوا تھا۔ اور اب جب میں آٹھ سو سال بعد آیا ہوں تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں اپنے وقت سے سولہ سو سال پہلے آ گیا ہوں۔

میں جو روشنی کی بشارت ہوں۔ ہر لحظہ اس دنیا سے دور ہو رہا ہوں وہ کون سی صفر مدّت ہے۔ جس میں یہ تمام صدیاں اور زمانے سمٹ آئیں گے اور میری آمد قبل از وقت نہ ہوگی۔ وہ صفر مدّت جب انسان نور کا انکار کر کے آگ کی بھینٹ نہیں چڑھے گا۔ مجھے اس مدّت کا انتظار

کرنا ہوگا۔

اب جب میں سولہ سو برس کے بعد آؤں گا تو میری آمد میں بتیس سو سال رہتے ہوں گے۔ اور جب میں بتیس سو سال بعد آؤں گا تو میری آمد میں چونسٹھ سو سال رہتے ہوں گے۔ اور اسی طرح کئی ہزار برس بیت جائیں گے۔ لیکن وہ صفر مدت کب آئے گی جب میرا آنا بر وقت ہوگا۔ اور جب میری آنکھوں میں طلوع ہوتے سورج سوا نیزے کی اَنی پر آ جائیں گے۔ تب کوئی انکار کی جرأت نہ کر سکے گا۔ میں اپنے گزرے ہوئے اور آنے والے برسوں کا بوجھ اپنی روح پر اٹھائے پھر شہر میں آتا ہوں۔ شہر کے سب سے بڑے بازار میں پہنچ کر میں اعلان کرتا ہوں:

''لوگو! تم نے میری بشارت پر ایمان نہ لا کر خود کو روشنی سے محروم کر لیا ہے..''

میرا اعلان مکمل ہونے سے پہلے ہی لوگ تمسخر شروع کر دیتے ہیں۔ مختلف سمتوں سے گالیاں اور تضحیک آمیز فقرے میری طرف آ رہے ہیں۔ میں کمال ضبط سے تمام تمسخرانہ اور تضحیک آمیز فقرے برداشت کرتا ہوں۔ جب لوگ فقرے بازی سے خود ہی تھک جاتے ہیں تو میں اپنا پہلا اعلان ادھورا چھوڑ کر نیا اعلان کرتا ہوں:

''لوگو! تم نے روشنی کی تحقیر کی ہے۔ نورِ بصیرت سے محروم لوگو! تم میں سے اب صرف وہی لوگ بچائے جائیں گے جو میرے گھر کی دیواروں کی اوٹ میں پناہ لیں گے۔ میں اپنے وقت سے سولہ سو برس پہلے آ گیا ہوں لیکن آگ تمہارا مقدر ہو چکی ہے۔''

یہ کہہ کر میں اپنا چراغ شہر کے چوراہے پر توڑ دیتا ہوں اور خود تیزی سے اپنے گھر کی طرف چلا آتا ہوں۔ لوگوں کے قہقہے گھر تک میرا تعاقب کرتے ہیں۔ لیکن میرے گھر پہنچنے تک وہ قہقہے چیخوں میں ڈھل جاتے ہیں۔ مٹی کے اس چراغ سے سارے شہر میں آگ لگ جاتی ہے۔

میں اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ جاتا ہوں۔

سارے شہر میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ اور لوگوں کی چیخیں ایک بھیانک شور میں تبدیل ہو گئی ہیں میری ماں حیرت سے کبھی میرے کمرے میں آ کر مجھے دیکھتی ہے اور کبھی گھر کے صحن میں جا کر دھڑا دھڑ جلتے ہوئے شہر سے اٹھتے ہوئے شعلوں کو دیکھتی ہے۔ میری چھوٹی بہن

اسی طرح خوفزدہ انداز میں ماں کے ساتھ ساتھ ہے۔ پھر وہ ماں کو کھینچ کر میرے کمرے میں بٹھا لیتی ہے اور خود دبک کر ماں کے اور بھی قریب ہو جاتی ہے۔

مبارکہ اور عفت دونوں میرے کمرے میں آتی ہیں۔ دونوں کے چہروں سے حیرت جھلک رہی ہے۔ ایک گھمبیر خاموشی کے بعد مبارکہ ہمت کر کے بولتی ہے،

''باہر بہت سارے لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے آئے ہوئے ہیں''

''اب ان کا ایمان لانا یا نہ لانا ایک برابر ہے...جو لوگ دیواروں کی اوٹ میں ہیں انہیں ویسے بھی کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ میں اب بیعت نہیں لے سکتا۔ میں اب سولہ سو برس کے بعد آؤں گا۔ پھر بتیس سو برس کے بعد پھر چونسٹھ سو برس کے بعد۔۔پھر۔۔''

مبارکہ اور عفت کے چہروں سے عقیدت کے ساتھ دہشت بھی ٹپکنے لگتی ہے۔

میری چھوٹی بہن دبک کر ماں کے کچھ اور قریب ہو جاتی ہے۔

میری ماں اپنی خالی آنکھوں میں ان لمحوں کو اتارنے کی کوشش کر رہی ہے جب اس نے مجھے جنم دیا تھا اور میں اس صفر مدت کا انتظار کرنے لگتا ہوں جب میری آنکھوں میں طلوع ہوتے سورج سوا نیزے کی انی پر اتر آئیں گے۔ جب وہ اپنے گواہ آپ ہوں گے اور جب مٹی کا کوئی چراغ گواہی کے لئے نہیں لانا ہوگا۔

☆☆☆

میری ماں اور چھوٹی بہن سامنے بینچ پر بیٹھے ہیں۔ مبارکہ میری نبض دیکھتے ہوئے بتاتی ہے:

''ابھی تھوڑی دیر پہلے عفت آپ کی عیادت کے لئے آئی تھی۔ مگر آپ سوئے ہوئے تھے۔ اب وہ پھر تھوڑی دیر بعد آئے گی۔''

اور میں سوچنے لگتا ہوں کہ میں کس صفر مدت کا انتظار کر رہا ہوں!

☆☆☆

یہ افسانہ ابو کے افسانوں کے مجموعہ ''روشنی کی بشارت'' سے لیا گیا ہے

چند افسانے

جن میں جزوی طور پر مذکور، بیوی کے حوالے سے امی کا ہی ذکر ہے

۱۔آپ بیتی

۲۔گھٹن کا احساس

۳۔۲۷۵۰سال بعد

۴۔بھید

۵۔اپنے وقت سے تھوڑا پہلے

۶۔افسانہ مامتا امی کے بچپن اور شادی کے بعد کے ایام کی کہانی ہے۔جس میں امی کی ذاتی زندگی کے ایک پہلو کو نفسیاتی طور پر نمایاں کیا گیا ہے۔

''سوئے حجاز'' میں ذکر

۱۹۹۱ء کے وسط میں مبارکہ اور ہمارے تین بچوں رضوانہ، ٹیپو، مانو کا جرمنی پہنچ جانا ہم سب کے لئے بیک وقت خوشی اور پریشانی کا موجب تھا۔ خوشی اس لیے کہ یورپ کے دروازے ہمارے خاندان کے لئے کھُل رہے تھے، پریشانی اس لئے کہ میں اور دونوں بڑے بیٹے شعیب اور عثمان، ہم تینوں پاکستان میں تھے۔ ظاہری حالات کے لحاظ سے ہمارے جرمنی پہنچنے کا ابھی کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ یوں گویا ہمارے خاندان کے ٹوٹنے اور بکھرنے کا خطرہ موجود تھا۔ لیکن پھر خدا نے کرم کیا۔ ایک طوفانی لہر آئی.....ہم تینوں باپ، بیٹے اس طوفانی لہر میں بالکل بے دست و پا تھے۔ اور پھر یوں ہوا کہ طوفان کی زد میں آئے ہوئے باپ بیٹوں کا سہارا ان کا خدا بن گیا۔ دنیا والوں کے دیکھتے ہی دیکھتے ہم بے آسرا لوگ یونائیٹڈ نیشنز کے ادارہ برائے مہاجرین کے اس شعبہ کے تحت جرمنی پہنچ گئے جو بچھڑے ہوئے خاندانوں کو ملاتا ہے۔ جو لوگ تین تین لاکھ روپے ایجنٹوں کو دے کر چوری چھپے جرمنی پہنچے تھے اور یہاں سیٹ ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ یہ تین افراد اس شان سے جرمنی پہنچے ہیں کہ ان کے لئے ٹکٹ UNHCR نے فراہم کیا، ویزہ خود جرمن حکام نے دیا اور فرینکفرٹ ایئرپورٹ پر یونائیٹڈ نیشنز کی ایک نمائندہ نے آ کر انہیں ریسیو کیا۔

جو کوں راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئی

ـــــــــــــــــــــــــــــ جرمنی پہنچنے کے بعد نہ صرف مجھے خدا کے فضل و کرم سے قانونی تحفظات مل گئے بلکہ میرے کیس کی بنیاد پر مبارکہ اور بچوں کا کیس بھی منظور کر لیا گیا جو تین برسوں سے لٹکا ہوا تھا۔ ان تحفظات کے علاوہ بھی خدا کے فضل اور احسانات کی ایک پھوار تھی (اور اب بھی ہے) جس نے ہماری زندگی کے صحرا کو سیراب کر دیا تھا۔ ان سارے احسانات کی

شکر گزاری کے لئے میرے اور مبارکہ کے درمیان طے ہوا تھا کہ ہم دونوں مکہ شریف اور مدینہ شریف جائیں گے۔ عمرے کی سعادت حاصل کریں گے، مقاماتِ مقدّسہ کی زیارت کریں گے۔ دسمبر ۱۹۹۵ء میں جانے کا ارادہ تھا لیکن اس سے دو ماہ پہلے میرے چھوٹے بھائی اعجاز نے ایک بھاری رقم بطور قرض مانگ لی۔ میں شش و پنج میں تھا، مبارکہ نے کہا ہماری عمرہ کرنے کی نیت پکی تھی۔ خدا نیتوں کا حال جانتا ہے۔ آپ اپنے چھوٹے بھائی کی ضرورت پوری کر دیں۔ خدا کو ہماری نیکی پسند آ گئی تو اس سال نہ ہو سکنے والے عمرہ کو بھی قبول فرمالے گا اور اگلے برس سچ مچ عمرہ کے لئے جانے کے وسائل بھی عطا کر دے گا اور جانے کی توفیق بھی بخش دے گا۔ چنانچہ میں نے مبارکہ کے کہنے پر عمل کیا اور اسکی نیت کے مطابق دسمبر ۱۹۹۶ء میں ہمیں عمرہ پر جانے کی سعادت نصیب ہوگئی۔

ـــــــــــــ سفارت خانے میں ویزہ کے حصول کے لئے جب کاغذات جمع کرائے تو ایک دو اڑچنیں بیچ میں آ گئیں۔ جرمنی میں ہر انسان کی نجی زندگی کا احترام کیا جاتا ہے۔ پاسپورٹ پر نہ تو کسی کی ولدیت لکھی جاتی ہے اور نہ مذہب کا کوئی خانہ ہوتا ہے۔ میاں بیوی کے پاسپورٹوں پر ایک دوسرے کا نام اسی صورت میں لکھا جاتا ہے جب دونوں کے کیس منظور شدہ ہوں۔ میرا پاسپورٹ جب بنا تھا تب مبارکہ کا کیس منظور نہیں ہوا تھا اس لئے میرے پاسپورٹ پر اس کا نام درج نہیں ہو سکا۔ جب مبارکہ کا کیس منظور ہو گیا تب اس کے پاسپورٹ میں اتفاقاً میرا نام درج ہونے سے رہ گیا۔ ہمارے لئے یہ کوئی اہم مسئلہ بھی نہیں تھا....لیکن اب سفارت خانہ سعودی عرب والوں کا مسئلہ یہ تھا کہ ہم دونوں کو میاں بیوی کیسے مانا جائے۔ ہمارا نکاح فارم تو ۱۹۷۳ء میں خانپور میں آنے والے قیامت خیز سیلاب میں بہہ گیا تھا اور نکاح نامہ کا ثبوت تو میں یو۔این۔او والوں کو بھی فراہم نہیں کر سکا تھا۔ پاسپورٹ پر بے شک اندراج نہیں تھا لیکن جرمن حکام نے ہمیں میاں بیوی مان لیا تھا۔ سعودی سفارت خانہ والوں سے میں نے کہا کہ ہمارے پانچ بچے ہیں اور اب وہی ہمارا نکاح نامہ ہیں۔ کہنے لگے چلیں ان بچوں کے کاغذات دکھا دیں۔ میں نے کہا اگر مجھے اس الجھن کا علم ہوتا تو پانچوں بچوں سمیت کاغذات لے کر آتا۔ میرا خیال ہے میرے لب و لہجے سے

انہیں اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ہم میاں بیوی ہیں وگرنہ اتنا بڑا مسئلہ اتنی آسانی سے حل نہ ہوتا۔سفارت خانہ کے متعلقہ افسر نے کہا دوپہر دو بجے کے بعد آکر ویزہ لے جائیں۔سو ہم اطمینان سے بون شہر میں گھومنے پھرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔پہلے رائن دریا کے اِدھر والے کنارے پر گئے۔وہاں سے حدِ نگاہ تک آنے والے سارے مناظر کو زاویے بدل بدل کر دیکھا،وہیں ''ناشتہ کم لنچ'' کیا۔اس کے بعد مارکیٹوں کے چکر لگانے لگے۔تھوڑی بہت خریداری کرلی۔ڈیڑھ بجے تک ہم لوگ واپس سعودی سفارت خانے پہنچے۔پونے دو بجے متعلقہ آفس سے رجوع کیا۔مقررہ وقت دو بجے سے پہلے ہی ہمیں ویزہ مل گیا۔خدا کا شکرادا کیا اور خوشی خوشی گھر لوٹ آئے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جہاز اُڑنے لگا تو دل کی عجیب سی حالت ہوگئی۔ہوائی سفر کی وجہ سے نہیں بلکہ سفر کے رُخ کی وجہ سے۔پھر جب (غالبًا) پائلٹ نے اُڑان بھرنے کے ساتھ ہی دعاء السفر پڑھنی شروع کی تو اسپیکر سے نشر ہوتی ہوئی اس دعا کے الفاظ نے ایسا اثر کیا کہ مجھے لگا میری روح جسم سے الگ ہوکر مگر میرے ساتھ ساتھ پرواز کررہی ہے۔مجھ جیسا گناہ گار ربِ کعبہ کے گھر حاضری دینے جارہا تھا۔کہاں میں کہاں وہ مقام اللہ اللہ! بے اختیار ہونٹوں سے تسبیح وتحمید ہونے لگی...... یہ کیفیت اس وقت ٹوٹی جب مبارکہ نے بتایا کہ اس کی طبیعت خراب ہورہی ہے۔اصل میں حرمین شریفین جانے کی خوشی میں مبارکہ نے صبح کا ناشتہ نہیں کیا تھا۔ایئرپورٹ تک پہنچنے کے چکر میں دوپہر کا کھانا بھی رہ گیا تھا اور اب اسے بھوک محسوس ہونے لگی تھی۔ایئر ہوسٹس کو بلا کر اس صورتحال سے آگاہ کیا۔اس نے کہا اگر گھبراہٹ زیادہ ہے تو فوری طور پر کوئی جوس لادیتی ہوں ورنہ آدھے گھنٹہ تک کھانا لے آتی ہوں۔سو پہلے جوس آ گیا۔پھر کھانا...اور مبارکہ کی طبیعت بہتر ہونے لگی۔

سوئے حجاز۔''ارادے سے روانگی تک''،سے اقتباس

طواف اور سعی سے فارغ ہونے کے بعد میں نے مبارکہ کو بتایا کہ حطیم میں ہم پہلے بھی نوافل ادا کرچکے ہیں لیکن آج ہم ایک سنّت پر عمل کرنے کا ثواب بھی حاصل کریں گے پھر میں نے اسے

بتایا کہ ایک بار حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا چاہتی ہیں تب حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں حطیم میں لاتے ہوئے ارشاد فرمایا یہاں نماز پڑھ لیں کیونکہ حطیم بھی کعبہ کا حصہ ہے۔یہ بات کہہ کر حضورؐ نے پھر ارشاد فرمایا: نیا نیا ایمان لانے کے باعث اگر مجھے اپنی قوم کے ابتلا کا ڈر نہ ہوتا تو میں کعبہ کی عمارت کو گرا کے پھر سے ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کراتا۔یہ بتا کر میں نے سنتِ رسولؐ کی پیروی میں مبارکہ کا ہاتھ پکڑا اور اسی طرح اسے لے کر حطیم میں داخل ہوا۔یہاں ہم نے نوافل ادا کئے۔خدا کے احسانات کی شکرگذاری کی،دلی دعائیں کیں حطیم والی طرف خانہ کعبہ کی جو دیوار ہے اس سے بہت سارے لوگ چمٹے ہوئے تھے۔یکا یک مجھ پر منکشف ہوا کہ۔۔۔۔۔یہ سامنے والی دیوار تو صرف ظاہری پردہ ہے وگرنہ میں جو حطیم میں بیٹھا ہوا ہوں
درحقیقت خانہ کعبہ کے اندر ہی بیٹھا ہوا ہوں۔عجیب لذّت آفریں اسرار تھا کہ میں بیک وقت کعبہ کے اندر بھی تھا اور باہر بھی۔یہ داخلیت اور خارجیت کی بحث تو بس ایسے ہی ہے۔اس انوکھے تجربے نے مجھے احساس دلایا کہ ہمارا باہر بھی ہمارے اندر کا ایک حصہ ہے۔لیکن پھر اسی بھید کا ایک اور مرحلہ بھی مجھ پر منکشف ہوا۔

ظاہر،باطن عین ایانی،ہُو ہُو پیا سنیوے ہُو

سلطان باہو کے اس عارفانہ تجربے جیسی ہی کوئی بات تھی لیکن میرے لئے ناقابلِ بیان ہے۔

حطیم سے باہر آئے تو اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے مبارکہ نے کہا حضرت عائشہؓ کی حطیم میں نماز پڑھنے والی روایت سے مجھے یاد آیا ہے کہ جب حجاج بن یوسف نے کعبہ کی ابراہیمی بنیادوں والی عمارت کو گرا کر اسے پھر موجودہ بنیادوں پر تعمیر کرادیا تب کسی نے حجاج کو اس روایت سے آگاہ کیا۔تب حجاج بن یوسف نے افسوس کیا اور کہا کہ مجھے پہلے سے اس کا علم ہوتا تو عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کرائی ہوئی ابراہیمی بنیادوں کو ہرگز نہیں چھیڑتا،ویسے ہی رہنے دیتا۔مبارکہ کی اس بات کے جواب میں تب میں نے کہا کہ حجاج بن یوسف کے سامنے مسئلہ ابراہیمی بنیادوں کا تھا ہی نہیں۔ان کے سامنے تو مسئلہ یہ تھا کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے لئے کوئی یادگار

کریڈٹ رہنے نہیں دینا چاہتے تھے۔ان کا مسئلہ ان کے اپنے اقتدار کے استحکام کا تھا۔اگر حجاج بن یوسف کو حضورؐ کی روایت کا اتنا ہی پاس تھا تو ایک بار عمارت گرانے کے بعد دوسری بار بھی گرا کر ابراہیمی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کرا لینے میں کیا پریشانی تھی؟..... یہ میرے ذہن تاثر تھا لیکن میرا دل مجھے کہہ رہا تھا کہ حجاج کی نیت کا معاملہ خدا پر چھوڑو۔ یہ دیکھو کہ اگر حجاج نے ایسا نہ کیا ہوتا تو تم نے کعبہ کے باہر بیٹھ کر کعبہ کے اندر بیٹھنے کا روحانی تجربہ کیسے کیا ہوتا!

سوئے حجاز۔''تیسرا عمرہ''، سے اقتباس

جنت المعلّیٰ کے کھلے میدان میں (اسے قبرستان کی جگہ اب میدان ہی کہنا چاہیے) میں نے کھڑے ہو کر سارے بزرگوں کے لئے دعا کی اور باہر نکل آیا۔ یہاں خواتین کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔صرف طوافِ کعبہ اور سعی کے دوران عورتیں اور مرد یک جا ہوتے ہیں۔تب روحانیت کے ساتھ انسانیت بھی معراج پر ہوتی ہے۔کوئی فرقِ من وتو نہیں ہوتا۔لیکن جیسے ہی نماز کی اذان ہوتی ہے پُلسیئے خواتین کو الگ سائڈ پر ہانکنا شروع کر دیتے ہیں۔ میں قبرستان سے باہر آیا تو مبارکہ مغموم سی کھڑی تھی۔ میں نے اسے دلاسہ دیا اور بتایا کہ میں اندر کا حال دیکھ کر زیادہ مغموم ہوا ہوں۔

سوئے حجاز۔''مکہ کے تاریخی مقدس مقامات''، سے اقتباس

..۔کعبہ کا الوداعی دیدار کیا اور پھر اپنے ہوٹل میں چلے گئے۔ وہاں جا کر مبارکہ نے امانت خانے سے سامان نکلوایا اور میں ٹیکسی والے کو لے آیا....اب ہم جدّہ کی طرف جا رہے تھے۔ رات پونے دس بجے تک ہم جدہ ائیر پورٹ پر پہنچ گئے۔۱۰ بجے تک سامان بُک کرا دیا۔ ہماری فلائیٹ رات ایک بجے کی تھی۔سو گذرے ہوئے بابرکت دنوں کو اور ان دنوں کے مناظر اور واقعات کو یاد کرنے لگے....ایسے واقعات جو ہو کر گذر بھی چکے تھے لیکن جدہ ائیر پورٹ پر ہی خواب جیسے لگنے لگے تھے۔

جہاز اڑنے لگا تو مبارکہ کی طبیعت پھر بگڑنے لگی۔پچھلی بار تو بھوک لگنے کا مسئلہ تھا لیکن اس بار تو بھوک بالکل ہی نہیں تھی۔مبارکہ نے''السعودیہ'' والوں کا کھانا بھی نہیں کھایا۔صرف جوس پر گذارا کیا۔ جہاز میں بہت سارے گورے سوار تھے۔ یہ سب کے سب روم میں اترنے والے تھے۔۲۵ر دسمبر کو کرسمس منانے کے لئے ابھی سے ویٹی کن سٹی کے لئے جانا شروع ہو گئے تھے۔ ہمارا جہاز روم کے ایئرپورٹ پر ایک گھنٹے کے لئے رُکا اور پھر ہم فرینکفرٹ پہنچ گئے۔ایئرپورٹ کے مراحل سے گذر کر بخیر وخوبی باہر آئے۔ٹیکسی لی اور پندرہ منٹ کے بعد ہم اپنے گھر، اپنے بچوں کے پاس پہنچ گئے۔**فالحمدلله علیٰ ذلك**۔

سوئے حجاز۔''مکہ مکرمہ میں آخری دن اور جرمنی واپسی''، سے اقتباس

حج کا سفر۔۔۔سال۲۰۰۳ء

۲ر فروری اتوار کے روز ساڑھے نو بجے کی حج فلائیٹ سے روانہ ہوئے۔۳ر فروری کو علی الصبح سعودی عرب کے وقت کے مطابق ۵ بجے جدہ پہنچے۔جدہ ائر پورٹ پر بدانتظامی کی انتہا تھی۔ بے شک حج کے ایام میں رش بہت زیادہ ہو جانے کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور کہیں نہ کہیں کوئی انتظامی کوتاہی رہ جاتی ہے۔لیکن یہاں تو دیدہ دانستہ بدانتظامی کے مناظر تھے۔ میں اس سفر کی روداد کے آخر میں سعودی انتظامیہ کے لئے ایک دو مشورے لکھوں گا۔اگر ان پر غور کر کے عملدر آمد کی کوئی صورت نکل آئے تو اچھی بات ہو گی۔

جدہ ائر پورٹ سے باہر نکلنے تک افراتفری، بدنظمی کے کئی مرحلوں سے گزرے۔باہر آئے تو ہمارا سامان ایک بڑے ٹرالے پر لاد کر کسی انجان سمت لے جایا جانے لگا۔پھر ایک ٹرمینل پر لے جا کر سارا سامان ڈھیر کر دیا گیا۔دراصل حج کے سلسلہ میں سعودی حکومت نے گروپ کی صورت میں آنے والوں کو ترجیح دے رکھی ہے جو حکومت کے لئے خاصا منفعت بخش کاروبار بن چکا ہے۔انفرادی اور ذاتی طور پر آنے والوں کی حوصلہ شکنی کا بطور خاص انتظام کر رکھا ہے تا کہ

لوگ صرف حج گروپس کی صورت میں آئیں اور سعودی حکومت کے خزانے میں اضافہ کا موجب بنیں۔آگے چل کر پوری طرح اس بات کی تصدیق ہوتی گئی کہ ایک دینی فریضہ کی ادائیگی کو ''خادمین الحرمین الشریفین'' کی قائم کردہ وزارت حج کی جانب سے باقاعدہ کمرشیلائز کر دیا گیا ہے۔-------------

وہاں سے واپس اس ٹرمینل تک آئے جہاں ہمارا سب کا سامان ڈھیر تھا،تو دیکھا کہ مبارکہ اکیلی کھڑی رو رہی ہے۔سارا سامان غائب ہے۔پتہ چلا کہ وہ ٹرمینل کے ساتھ منسلک باتھ روم تک گئی ہے اور تین منٹ کے اندر سارا سامان غائب ہو گیا ہے۔وہاں گروپ حج والے بھی موجود تھے۔وہ جانے لگے تو ان کے سامان کے ساتھ ہمارا سامان بھی چلا گیا۔یہ گروپ والوں میں سے کسی کی بدنیتی تھی یا سعودی انتظامیہ کی بدانتظامی تھی،خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

دو بھرے ہوئے اٹیچی کیس اور ایک بڑا بیگ،لے جانے والے سب کچھ ہی لے گئے۔
اب فہد عمرہ سروس والوں کی سروس کا کیا کرتے،سامان کی فکر دامنگیر ہوئی۔تشویش والی سب سے اہم بات یہ تھی کہ بلڈ پریشر اور شوگر چیک کرنے والے ہمارے سارے آلات بھی اس سامان میں تھے اور ہماری بیماریوں کی دوائیں بھی اس سامان میں تھیں۔میرا مسئلہ شوگر کی ایک گولی تک تھا لیکن مبارکہ کو بیک وقت سات آٹھ گولیاں دن میں دو تین بار لینا ہوتی ہیں۔اور ہر گولی بہت ضروری ہوتی ہے۔سارا سامان غائب ہونے کے باوجود یہ بھی خدا کا شکر ہے کہ مبارکہ کا پرس اس کے کندھوں پر تھا۔پرس میں ہماری ساری سفری دستاویزات اور ایک معقول رقم موجود تھی۔اسی لئے مجھے سامان کی اتنی فکر نہیں تھی البتہ دواؤں کے سلسلے میں پریشانی ضرور تھی کہ کیا بنے گا۔

سوئے حجاز۔سفرِ حج سے اقتباس

صبح پانچ بجے جدہ ائر پورٹ پر پہنچنے کے بعد سے لے کر اگلے پندرہ گھنٹے تک ہم مسلسل ائر پورٹ پر خوار ہوتے رہے۔اس خواری کی وجہ یہی تھی کہ ہم حج گروپ کے ساتھ نہیں تھے اور ذاتی طور پر

آنے والوں کو جان بوجھ کر خوار کیا جا رہا تھا۔ہر طرف سے پریشانیوں کا سامنا کرنے کے بعد آخر بغیر سامان کے مکہ میں اپنے مقررہ ہوٹل تک پہنچے۔پندرہ گھنٹے سے زائد کی پریشانی،تھکن اور کوفت کے باوجود ہوٹل میں اپنا کمرہ سنبھالنے کے بعد سیدھا خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے حرم شریف روانہ ہو گئے۔حرم شریف پر نظر پڑتے ہی ایسے لگا جیسے ساری تکالیف کی قیمت وصول ہو گئی ہو۔

۴؍فروری (۳ ذی الحجہ) کو ہم نے فجر کی نماز کے بعد پہلے ناشتہ کیا۔پھر ہوٹل میں جا کر آرام کیا۔ظہر کی نماز حرم شریف میں ادا کی۔پھر کچھ خریداری کرنے نکلے۔وہاں پاکستانی طرز کے لباس نہیں مل رہے تھے۔مجبوراً عربی ملبوسات پر گزارا کرنا پڑا۔واپس آ کر جب ہم دونوں نے عربی لباس پہن کر انہیں چیک کرنا چاہا تو عربی لباس میں ملبوس ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔میں تو ہنستا ہی رہا لیکن ہنستے ہنستے مبارکہ کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔اسے سامان کی گمشدگی کا بہت دکھ تھا۔میں نے اسے تسلی دی کہ پرانے زمانے میں لوگ بہت تکالیف اور دکھ اٹھا کر مکہ پہنچ پاتے تھے۔سو طرح کی بیماریوں سے گزرتے ہوئے،دوران سفر ہی ان کے قافلے کئی مصائب میں مبتلا ہوتے۔خود عرب بدو ان کے قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ہم ہوائی جہاز سے بڑے آرام سے آئے ہیں۔صرف سامان غائب ہوا ہے تو یہی سمجھ لیں کسی عرب بدو نے لوٹ لیا ہے۔اگر وہ سارا سامان موجود ہوتا لیکن صرف آپ کا پرس گم ہو جاتا تو ہم کتنی بری حالت میں ہوتے؟ اس پرس میں اتنی رقم ہے کہ ہم ویسے ہی تین بیگ اور ویسے ہی سامان سے دوگنا سامان آسانی سے خرید سکتے ہیں۔

۴؍فروری کو خانہ کعبہ کی زیارت کی تو منظر بہت بدلا بدلا سا لگا۔غلافِ کعبہ کو اس کے اصل مقام سے شاید اندازاً ڈیڑھ دو میٹر اونچا کر دیا گیا تھا اور اس کے نیچے سفید لٹھا قسم کا کپڑا اسلائی کر دیا گیا تھا۔یہ صورت دیکھ کر دل کو دھچکا سا لگا۔کعبہ شریف غلاف میں اس ردو بدل کے باعث پھیکا پھیکا سا لگ رہا تھا۔حطیم کی روشنی بھی بجھی بجھی سی تھی۔پتہ نہیں یہ عالمی صورتحال پر خانہ کعبہ کی اداسی کا منظر تھا یا ویسے ہی میرے اپنے اندر کی اداسی تھی۔ویسے یہ بات مجھے سمجھ آ گئی تھی کہ بہت زیادہ عقیدت مند حجاج،حج کے رش سے فائدہ اٹھا کر غلافِ کعبہ کے ٹکڑے قینچی سے کاٹ کر گھروں میں تبرک کے طور پر لے جاتے رہے

ہیں (چوری کیا ہوا تبرک؟)۔ غالباً اسی وجہ سے حکومت نے حفاظتی تدبیر کے طور پر غلافِ کعبہ کو اونچا کر دیا تھا۔ یہ مناسب تدبیر تھی لیکن اس تبدیلی سے یوں لگتا تھا جیسے دل اور کعبہ دونوں ہی اداس ہیں۔

مغرب کی نماز کے بعد ہم حرم شریف سے نکل کر اپنے ہوٹل کی طرف جانے لگے تو مسلسل بڑھتے ہوئے رش میں پھنس گئے۔ حجاج کی آمد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، سڑکوں پر کپڑا اچھا کر سامان بیچنے والے موجود، سڑک پر بے ترتیب ٹریفک کا ہجوم اور تنگ سڑکیں۔۔۔ نماز کے بعد حرم شریف سے نکلنے والے حجاج کا ہجوم اتنا زیادہ تھا کہ ہم دونوں اس میں پھنس کر رہ گئے۔ میں مبارکہ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پیچھے سے ایک تیز ریلا آیا جس میں ہم دونوں تنکے کی طرح بہہ نکلے۔ مبارکہ کی حالت اتنی غیر ہوگئی کہ شارع خالد بن ولید پر واقع ایک دوکان ''تسجیلات الاسلامیہ الخلفاء'' کے تھڑے پر کھڑے ایک صاحب نے پہلے مبارکہ کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اور پھر اسے کھینچ کر دوکان کے اندر کر لیا۔ میری بھی جان میں جان آئی۔ دوکان کے تھڑے پر چڑھے تو دیکھا وہاں پہلے سے ایسی چند اور خواتین بھی پناہ گزین تھیں اور بری طرح ہانپ رہی تھیں۔ دراصل اس ایریا کا ہمارا سابقہ تجربہ عمرہ کے عام دنوں کا تھا، ہمیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ حج کے دنوں میں رش کی وجہ سے ایسی خوفناک صورتحال بھی پیش آ سکتی تھی۔ اس تجربہ کے بعد ہم نے یہ احتیاط شروع کر دی کہ نماز کے بعد لگ بھگ ایک گھنٹہ تک حرم شریف کے اندر ہی بیٹھے رہتے تا کہ رش کا زور ٹوٹ جائے۔

سوئے حجاز۔ سفرِ حج سے اقتباس

رات بارہ بجے کے بعد **۹ فروری (۸ ذی الحجہ)** کی تاریخ شروع ہو چکی تھی۔ جب منیٰ کے لئے ہماری روانگی ہوئی۔ منیٰ خیموں کا عالی شان شہر بنا ہوا تھا لیکن جاتے ہی پہلی خرابی یہ ہوئی کہ بس ڈرائیور نے ہمیں ہمارے کیمپ 39-B کی بجائے نمبر 39 پر اتار دیا۔ وہاں پھر پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ مبارکہ کی طبیعت بگڑنے لگی۔ وہ تھک ہار کر سڑک کے کنارے

پر ہی بیٹھ گئی۔ آخر ایک ویگن آئی اور ہمیں اصل ٹھکانے پر لے گئی۔ بس میں بیٹھے ہوئے دور سے خیموں کو دیکھ کر مجھے لگا تھا کہ ان کے اندر مجھے گھٹن ہو سکتی ہے۔ لیکن نہ صرف خیمے بے حد کشادہ تھے بلکہ ان کے اندر بڑے بڑے ائر کنڈیشنڈ لگے ہوئے تھے۔ گھٹن کی بجائے سردی لگنے لگی۔ خواتین کے خیمے الگ تھے اور مردوں کے الگ۔ تاہم رابطہ کرنے میں زیادہ دقت نہیں تھی۔ مبارکہ کو اتنی زیادہ ٹھنڈ لگ رہی تھی کہ اس کے کہنے پر میں نے خود اس کے خیمے میں جا کر اس کا ائر کنڈیشنڈ بند کیا۔ پھر بھی صبح تک مبارکہ کی حالت کافی خراب ہوگئی۔ چنانچہ ڈاکٹر کو بلانا پڑا۔ ایک ایمبولینس آئی۔ وہیں پر مبارکہ کی دیکھ بھال کی گئی اور پھر وہ لوگ دوا دے کر رخصت ہوئے۔ ۹ رفروری کا سارا دن منیٰ میں اپنے اپنے خیموں میں نمازیں، نوافل کی ادائیگی کرتے، تلاوت قرآن پاک کرتے اور دعائیں کرتے ہوئے گزارا۔

اگلے روز **۱۰ رفروری (۹ رذی الحجہ)** کو صبح سویرے ہی عرفات کے لئے روانگی ہوئی۔ وقوف عرفات حج کا رکنِ اعظم ہے۔ یہاں حج کا خطبہ ہوتا ہے اور مسجد نمرہ میں خطبہ عید ہوتا ہے اور اس سے ملحق بڑے میدان میں نماز باجماعت کے ساتھ اپنے اپنے گروپوں میں نماز باجماعت کا انتظام ہوتا ہے۔ ہم نے اپنے ہی گروپ میں نماز باجماعت پڑھی۔ (یہاں گروپ سے مراد صرف یہ ہے کہ ہم جس حصے میں مقیم تھے وہاں کے سارے لوگوں نے باجماعت نماز ادا کی) شام ہونے کے بعد یہاں سے مزدلفہ کے لئے روانگی ہوئی۔ یہ ایک کھلا میدان ہے۔ یہاں بے سروسامانی کی حالت میں کسی چھت کے بغیر اور مرد، عورت کی کسی تفریق کے بغیر جہاں جگہ ملے وہاں رہ کر پوری رات عبادت میں گزارنی ہوتی ہے۔ لاکھوں لوگوں کا ہجوم یکجا ہوا تو گرد و غبار بھی بہت زیادہ بڑھ گیا۔ روایت ہے کہ مزدلفہ میں جو کوئی ساری رات جاگ کر دعا مانگتا رہے، اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ حقیقتاً دن بھر میدانِ عرفات میں عبادت کے بعد مزدلفہ پہنچنے تک ہی انسان اتنا تھک جاتا ہے کہ اس کا رات بھر جاگنا ہی مشکل ہو جاتا ہے اور پھر انہماک کے ساتھ دعا مانگنے کی کیفیت پیدا ہونا تو اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ شاید اسی لئے اسی موقعہ پر قبولیت دعا کا چانس زیادہ کر دیا گیا کہ مانگنے والوں کو اتنا ہوش ہی کہاں ہوگا۔ مزدلفہ میں سب کچھ غیر منظّم تھا۔ کوئی سونا

چاہے تو جیسے چاہے جہاں چاہے دستیاب صورتحال کے مطابق سوسکتا تھا۔محرم اور غیر محرم کی کوئی تفریق نہ تھی۔بس کوئی اپنے طور پر احتیاط کرلے تو کرلے۔یہاں کے گرد وغبار کی وجہ سے مبارکہ کی حالت ایک دفعہ پھر بگڑ گئی۔لیکن اب صبر کے ساتھ تکلیف برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔خود مجھے بھی کھانسی کی تکلیف ہوگئی تھی اور کھانس کھانس کر برا حال ہو گیا تھا۔یہیں سے میں نے منیٰ میں شیطان کو مارنے کے لئے اپنے اور مبارکہ کے حصے کی کنکریاں جمع کر لیں۔

۱۱؍**فروری** کو ہم لوگ گرتے پڑتے منیٰ میں اپنے خیموں تک پہنچے۔مبارکہ کی علالت کے باعث اسے اس کے خیمے میں چھوڑا اور خود شیطان کو کنکریاں مارنے کے لئے چلا گیا۔

سوئے حجاز۔سفرِ حج سے اقتباس

پہلے عمرہ میں، منیٰ جانے سے پہلے ،طواف کرتے ہوئے ہم گراؤنڈ فلور سے خانہ کعبہ کے گرد تین چکر لگا پائے تھے کہ ہجوم کی وجہ سے مجھے لگا مبارکہ اس میں کچلی جا سکتی ہے۔چنانچہ باقی کے چار چکر ہم نے دوسری منزل سے جا کر پورے کئے تھے۔اس بار پہلے ہی طے کرلیا تھا کہ طواف اور سعی کے سارے مراحل اوپر والی کسی منزل پر طے کریں گے۔

چنانچہ تیسری منزل سے ہم نے خانہ کعبہ کا طواف شروع کیا۔مبارکہ کے لئے وہیل چیئر کا انتظام کر لیا تھا۔یہ ایک چکر زمین سے خانہ کعبہ کے گرد تین چکروں کے برابر لگا لیکن رش کی موجودہ حالت میں یہی بہتر لگا۔طوافِ کعبہ کے بعد سعی کے چکر شروع ہوئے۔میں سعی کے دوسرے پھیرے میں تھا جب مبارکہ مجھے ملی اور بتایا کہ اس کا چھٹا چکر ہے۔ہم نے سعی کے بعد سعی کے اختتام والے دروازے پر ملنے کا طے کیا۔جب میں نے سعی کا عمل مکمل کیا اور سعی کے اختتام والے دروازے سے باہر گیا تو مبارکہ غائب۔۔۔

صبح سویرے منیٰ جانے سے لے کر موجودہ وقت تک میں مسلسل چلنے کے عالم میں تھا۔چلنا بھی ایسا جس میں زیادہ تر پریشانی اور بے یقینی ساتھ ساتھ تھی۔ساڑھے تین گھنٹوں میں طواف اور سعی کے مکمل ہونے والے عمل کے بعد اب ایک نئی پریشانی نے گھیر لیا۔مبارکہ کو کہاں

تلاش کیا جائے؟ پہلے تو باہر والے دروازے کے آس پاس ڈھونڈتا رہا۔پھر طواف والے ایک کھلے حصے میں چلا گیا کہ وہاں عقب میں بچھی کھلی صفوں میں شاید کہیں مل جائے۔کبھی ادھر اور کبھی اُدھر۔۔۔۔لیجئے میری ذاتی سعی اب شروع ہوئی۔۔۔بی بی ہاجرہ اپنے لختِ جگر کے لئے بے چینی سے دوڑ رہی تھیں تو میں اپنے لختانِ جگر کی والدہ محترمہ کے لئے پریشان ہوا پھر رہا تھا۔کبھی سعی کے اختتام والے دروازے کی طرف تو کبھی آغاز والی طرف۔۔کبھی بالکل باہر جا کر تو کبھی سعی یا طواف والے ہجوم میں جا کر۔کبھی کسی طرف اور کبھی کسی طرف کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کروں۔تیسری منزل پر موجود سرکاری اہلکاروں کو اپنی پریشانی بتائی ،وہ ویسے بھی کچھ نہیں کر سکتے تھے اوپر سے ان کا حسبِ معمول نازیبا رویہ۔

ننگے پاؤں ہی حرم شریف سے باہر نکل آیا۔رستے میں ایک ہندستانی نوجوان مل گیا۔اس نے میری پریشانی جان کر پولیس اسٹیشن تک میری رہنمائی کی۔وہاں ترجمان کا فریضہ بھی ادا کیا۔لیکن جس پولیس نے جدہ سے لے کر منیٰ تک کسی مرحلے کی کسی پریشانی میں دھیلے کا تعاون نہیں کیا وہ اس صورتحال میں کیا مدد کرتے۔میں نے ان سے کہا کہ آپ حرم شریف کی تیسری منزل کے اہلکاروں کو موبائل پر یہ واقعہ بتا کر اتنا کہہ دیں کہ کوئی خاتون اس پریشانی میں ملیں تو آپ کو اطلاع کر دیں۔لیکن پولیس اسٹیشن نے اس رنگ کا کوئی تعاون کرنے سے بھی انکار کیا۔

پولیس اسٹیشن سے مایوس ہوکر ہندوستانی دوست کا شکریہ ادا کیا اور حرم شریف کی طرف لوٹ آیا۔میری سعی گیارہ بج کر پچاس منٹ پر مکمل ہوئی تھی اور اب رات کے دو بج رہے تھے۔میں گراؤنڈ فلور پر خانہ کعبہ کے سامنے اس طرف کھڑا ہو گیا جہاں سے حطیم شریف، مقامِ ابراہیم اور حجراسود اور ملتزم شریف والے حصے میرے سامنے تھے۔ننگے پاؤں چل چل کر ویسے ہی مت ماری گئی تھی۔اس وقت دعا کے لئے الفاظ بھی نہیں سوجھ نہیں رہے تھے۔حج پر آنے سے پہلے مجھے بلھے شاہ کی ایک کافی ریاض قادری کی آواز میں دیکھنے اور سننے کا موقعہ ملا تھا۔مجھے اس کی پیش کش اور گانے کا انداز سب بہت اچھا لگا تھا۔نئی موسیقی کے اوچھے پن کی بجائے اس میں وہی پاکیزگی ملتی تھی جو بلھے شاہ کی کافی کا خاصہ ہے۔پتہ نہیں کیسے اس کافی کا ایک بند میرے ذہن میں گونجنے لگا۔

منیٰ کے لئے صبح ساڑھے آٹھ بجے روانگی کے سفر سے لے کر اب تک میں مسلسل چل رہا تھا۔کبھی سفر کے باعث،کبھی رستہ بھول کر،کبھی طواف اور سعی کے لئے اور اب مبارکہ کو ڈھونڈنے کے لئے۔۔۔صبح ساڑھے آٹھ بجے سے اب رات کے دو بجے کا وقت تھا اور میرے پاؤں کا چکر ختم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔پاؤں میں سچ مچ چھالے سے پڑ گئے تھے۔شاعری میں چھالوں کا ذکر بڑی آسانی سے کرلیا تھا اب سچ مچ واسطہ پڑا تو پتہ چلا کہ پاؤں کے چھالے کیا ہوتے ہیں۔زخمی پیر،بے پناہ تکان اور ان سب سے بڑھ کر پریشانی اور بے بسی۔اسی حالت میں خانہ کعبہ میرے سامنے تھا۔پتہ نہیں کیسے بلھے شاہ کی کافی کا بند ذہن میں گونجنے لگا اور شاید میں اسے ہلکے ہلکے اپنے ہونٹوں سے بھی ادا کرنے لگا۔

ایس عشق دی جھنگی وچ مور بولیندا

ایس عشق دی دی جھنگی وچ مور بلیندا

ساہنوں قبلہ تے کعبہ سوہنا یار ڈسیندا

ساہنوں گھائل کر کے فر خبر نہ لئی آ۔ساہنوں گھائل کر کے فیر خبر نہ لئی آ

تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا تھیا۔۔۔۔۔۔تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا تھیا

میں کتنی دیر تک وہاں تھیا تھیا کی کیفیت میں رہا کچھ نہیں کہہ سکتا۔بس جب اس کیفیت سے باہر آیا تو ایک بار پھر حرم شریف کی تیسری منزل پر چلا گیا۔وہاں نماز گاہ والی جگہ سے ایک سرکاری اہلکار سے''زوجِ گم گشتہ''کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ سعی کے اختتامی حصے کے قریب ایک جگہ چند گم شدہ خواتین ہاتھ بلند کرکے کھڑی ہیں ان میں دیکھ لیں۔سعی کرنے والوں کے ہجوم سے گزرتا ہوا وہاں تک گیا تو دور سے چند خواتین ایک اونچی جگہ پر اپنے دائیں ہاتھ بلند کئے کھڑی تھیں۔ایک چہرے کو دیکھ کر کبھی گمان ہوتا تھا کہ یہ مبارکہ ہے اور کبھی لگتا تھا آنسوؤں سے دھلے ہوئے چہرے والی کوئی فلسطینی عورت ہے۔یہ خدشہ بھی تھا کہ اگر یہ مبارکہ نہ ہوئی اور میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تو یہیں کوئی تماشہ نہ بن جائے۔بہرحال خدا خدا کرکے مبارکہ کی نظر بھی مجھ پر پڑی اور پھر دونوں کی جان میں جان آئی۔

حرم شریف سے نکلے تو بالکل نڈھال ہونے کے باوجود محض اس وجہ سے کچھ تازہ دم ہو گئے کہ دونوں بچھڑے ہوئے مل گئے تھے۔وہاں سے نکل کر سامنے والی سڑک پر گئے تاکہ اب سیدھا منیٰ کی طرف نکل جائیں۔اڑھائی بجے سے لے کر چار بجے تک کسی بس یا ویگن کے لئے بھاگ دوڑ کرتے رہے۔اس بھاگ دوڑ کی وجہ سے کبھی سڑک پر اور کبھی سڑک کے کنارے پر رہے۔گاڑیوں کے دھوئیں نے مزید ستیاناس کر دیا۔جب رات کے (بلکہ صبح کے) چار بج گئے اور کوئی گاڑی نہیں ملی تو مجبوراً ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔گیارہ فروری سے بارہ فروری ہو چکی تھی اور میں مسلسل چل رہا تھا۔وہاں پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد مبارکہ کی حالت مزید خراب ہونے لگی۔پہلے ہوٹل کے ڈاکٹر کو بلایا۔اس نے حالت دیکھتے ہوئے ایمبولینس منگالی۔اب ہم لوگ ایمبولینس میں بیٹھ کر عبدالعزیز ہسپتال جا رہے تھے۔وہاں ضروری دیکھ بھال کے بعد دوائیں وغیرہ دے کر ہمیں چھٹی دے دی گئی۔وہاں سے نکل کر حرم شریف چلے گئے۔ظہر کی نماز ادا کی۔پھر ہوٹل واپس آئے۔یہاں مبارکہ کو چھوڑا۔کیونکہ اب اس کا منیٰ جانا زیادہ مشکل ہو گیا تھا۔دوا کھا کر اس پر غشی سی طاری ہو رہی تھی۔میں نے اسے بتا دیا کہ آج تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارنی ہیں۔آپ کے حصے کی کنکریاں آج بھی میں خود ہی مار کر آؤں گا۔ویسے سچی بات ہے کل کے تجربے کے باعث مجھ پر خوف سا طاری تھا کہ کل صرف ایک شیطان کو مارنے میں کتنا حشر ہو گیا تھا،آج تینوں شیطانوں کو پتھر مارنے ہیں۔پتہ نہیں وہاں سے زندہ واپسی ہوتی ہے یا نہیں۔

جمرات پہنچ کر شیطان کو کنکر مارنے کا سلسلہ شروع ہوا تو بے شک رش کافی تھا لیکن روانگی کے وقت مجھ پر جتنا خوف طاری تھا وہ سارا دور ہو گیا۔میں نے تھوڑی محنت اور ہمت سے کام لے کر نہ صرف تینوں مقامات پر اپنے حصے کی کنکریاں ماریں بلکہ مبارکہ کے حصے کی کنکریاں بھی مار لیں۔اس بار یہ بھی اندازہ ہوا کہ ہجوم کے باعث جو ہلاکتیں ہوتی ہیں اس میں ہجوم کی زیادتی سے زیادہ بدانتظامی کا دخل ہے۔جہاں سے لوگ پتھر مارنے کے لئے جا رہے ہیں وہیں سے واپس آرہے ہیں۔کوئی لائن یا ترتیب نہیں ہے۔بس جب ایک طرف کا چھوٹا سا ہجوم اور مخالف سمت کا چھوٹا سا ہجوم برابر کی زور آزمائی شروع کر دیتا ہے تو پھر کچلے جانے سے یا دَم گھٹنے

سے اموات ہوجاتی ہیں۔ میں انتہائی معذرت کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ اگر جرمنی کی کسی کمپنی کو اس کا انتظام سونپ دیا جائے تو یہ لوگ ایسی سیٹنگ کر دیں گے کہ لاکھوں کی تعداد کے باوجود حجاج کرام اطمینان سے اس مرحلہ سے گزر سکتے ہیں۔ جتنی اموات بھی ہوتی ہیں محض بدانتظامی کی وجہ سے۔ وہ بدانتظامی جو سارے اسلامی ملکوں کی شناخت بن چکی ہے۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تین شیطانوں سے اتنی آسانی سے گلوخلاصی ہوجائے گی۔ وہاں سے نکلا تو اطمینان سے سڑک کے کنارے لگی ہوئی عارضی دکانوں کو دیکھتا چلا۔ اپنی پسند کی چند چیزیں بھی خریدلیں۔ واپسی کے لئے ایک ویگن میں جگہ مل گئی اور میں شیطانوں کو کنکر مار کر منیٰ کی بجائے اطمینان سے واپس مکہ پہنچ گیا۔ اصولاً ہمیں یہ دن منیٰ کے خیموں میں گزارنے چاہئیں تھے۔ لیکن مبارکہ کی حالت کے پیشِ نظر ہوٹل میں قیام کرنا پڑ رہا تھا۔ منیٰ میں ہم دوراتیں ہی گزار سکے تھے جبکہ ایک رات مزدلفہ میں گزری تھی۔

شیطان کو دوسرے دن پتھر مارنے کے تجربے کے بعد مجھے کافی تسلی ہوگئی تھی اور **۱۳؍فروری (۱۲ ذی الحجہ)** کو میں ہوٹل سے نکلنے سے پہلے جوتوں کے تسمے باندھتے ہوئے ڈائیلاگ مارتے ہوئے کہہ رہا تھا او شیطانو! تیار ہوجاؤ میں آرہا ہوں۔۔۔۔ لیکن جب جمرات پہنچا تو رمی جمرات (شیطانوں کو کنکریاں مارنے کا عمل) ۱۰ ذی الحجہ سے بھی زیادہ سخت ثابت ہوئی۔ لگتا ہے شیطان میرے للکارنے کا برا مان گئے تھے۔ اس بار رش اتنا زیادہ تھا کہ ایک مرحلہ پر تو مجھے سچ مچ اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا اور لگا کہ میں گیا۔۔۔ اگرچہ شیطان کو مارنے میں بری طرح نڈھال ہوگیا لیکن پھر بھی جیسے تیسے یہ کام مکمل ہوگیا۔ جمرات سے واپسی میں بھی مشکل ہوگئی۔ آج شیطان کو کنکریاں مارنے کا آخری دن تھا اور روایات کے مطابق منیٰ میں مقیم حجاج کی اکثریت آج ہی غروبِ آفتاب سے پہلے حدودِ منیٰ سے نکل جانا چاہتی تھی۔ اسی لئے وہاں سے واپسی کے لئے کوئی گاڑی نہیں مل رہی تھی۔ پیدل چلنے والوں کے کئی کارواں رواں دواں تھے۔ مبارکہ ساتھ نہیں تھی تو مجھے لگا کہ میں اکیلا پیدل چل کر حرم شریف تک پہنچ ہی جاؤں گا۔ سڑک کے کنارے کنارے بہت سے لوگ پیدل جارہے تھے۔ میں بھی اسی طرف چلنے لگا۔ آدھے گھنٹے

کے سفر کے بعد ایک سکوٹر والا میرے قریب آکر رُک گیا۔ یہ کوئی بنگالی نوجوان تھا۔ اس سے ہوٹل تک پہنچانے یا حرم شریف تک پہنچانے کی بات ہوئی۔ ۳۰ ریال میں معاملہ طے پایا۔ یوں میں نسبتاً کم تکلیف کے ساتھ ہوٹل پہنچ گیا۔ مبارکہ کو تسلی دی۔ کچھ دیر آرام کیا۔

پھر ہم عشاء کی نماز کے لئے حرم شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ مبارکہ نے ہمت کر لی تھی کہ جیسے تیسے حرم شریف چلنا ہے۔ نماز عشاء کے بعد ساڑھے نَو بجے تک ہم صحنِ کعبہ میں بیٹھے رہے۔ اتنے بے پناہ رش کے باوجود صحنِ کعبہ میں بیٹھ کر اتنی دیر تک دیدارِ کعبہ کی سعادت مل جانا بہت بڑی بات تھی۔ پھر طواف کرنے والوں کا دائرہ وسیع ہونے لگا تو ہمیں صحنِ کعبہ سے پیچھے ہٹنا پڑا کہ طواف کرنے والوں کا حق فائق تھا۔

۱۴؍فروری (۱۳؍ذی الحجہ) جمعۃ المبارک کا دن اور مکہ شریف میں ہمارا آخری دن کہ اگلے روز ۱۵؍فروری کو ہمیں مدینہ شریف روانہ ہوجانا ہے۔ اس لحاظ سے مکہ میں یہ ہمارا آخری دن تھا۔ منیٰ سے واپس آنے والوں کے باعث کل رات سے ہی مکہ میں رش بہت بڑھ چکا تھا۔ ہمیں آج طوافِ وداع بھی کرنا ہے۔ فجر کی نماز کے بعد ہم نے حرم شریف میں ہی سورۃ یاسین اور سورۃ صافات پڑھ کر اپنی دلی مرادیں مانگیں۔ پھر وہیں بیٹھے رہے۔ دن کے دس بجنے والے تھے جب میں نے باہر آکر ایک وہیل چیئر والے سے بات کی۔ بات طے ہوگئی تو مبارکہ کو بھی باہر لے آیا۔ اس بار ہم نے کسی گمشدگی کی صورت میں اپنا میٹنگ پوائنٹ طے کر لیا تھا۔ مبارکہ نے وہیل چیئر پر بیٹھ کر تیسری منزل سے طواف شروع کیا اور میں نے صحنِ کعبہ ہی میں طواف کی سعادت حاصل کی۔ 10.20 بجے سے لے کر 11.35 بجے تک یہ طواف مکمل ہوگیا۔ مبارکہ بھی جلد ہی میٹنگ پوائنٹ پر پہنچ گئی۔ اس کے بعد ہم نے جمعہ نماز کی تیاری شروع کی۔ جمعہ نماز کی ادائیگی کے بعد میں نے ایک قریبی ہوٹل سے کھانا پیک کرایا۔ حرم شریف کے باہر والے وسیع فرش پر بیٹھ کر ہم نے وہ کھانا کھایا۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ کھانا کھانے کے بعد مبارکہ کی طبیعت خراب ہونے لگی تو اسے ہوٹل لے آیا۔ وہاں اسے دوا دینے کے ساتھ آرام کرنے کو کہا اور پھر خود حرم شریف آ گیا۔ یہاں سے عشاء کی نماز کے بعد ہوٹل سے کھانا پیک کرایا۔ مبارکہ کو کھانا

پہنچایا۔پھر شارع خالد بن ولید کی سڑک کے کنارے لگی ہوئی فرشی مارکیٹ کو دیکھتا ہوا حرم شریف پہنچ گیا۔اس بار صحنِ کعبہ تک پہنچ کر میں نے مقامِ ابراہیم اور درِ کعبہ کے کے سامنے ایک جگہ حاصل کر لی۔طوافِ کعبہ کرنے والوں کے وسیع دائرے سے ذرا ہٹ کر مجھے ایسی جگہ مل گئی جہاں سے دیدار ممکن تھا۔بیٹھ کر بھی کافی دیر تک دیدار کیا۔پھر کھڑے ہو کر الوداعی نظر ڈالنا چاہی تو جیسے پاؤں فرش سے جم گئے اور آنکھیں کعبہ شریف پر ہی گڑی رہ گئیں۔یہ الوداعی نظر خاصی طویل ہو گئی۔شاید بیٹھ کر کئے گئے دیدار سے بھی زیادہ طویل۔۔۔اس سفر کے دوران اٹھائی گئی ساری تکالیف اور پریشانیاں ایک ایک کر کے سامنے آ رہی تھیں اور اس دیدار کی لذت میں بے معنی ہوتی جا رہی تھیں جو اس الوداعی نظر سے نصیب ہو رہی تھی۔پھر میں ویسی ہی اداسی کی کیفیت کے ساتھ باہر آیا جیسی بہت ہی پیاروں سے بچھڑتے لمحوں والی اداسی ہوتی ہے۔

۱۵/**فروری** (۱۴/**ذی الحجہ**) کو ہم صبح سویرے ساڑھے پانچ بجے ہوٹل کا کمرہ چھوڑ کر اپنے متعلقہ آفس میں پہنچ گئے۔وہیں فجر کی نماز ادا کی۔وہیں سے ہمیں بس اسٹیشن تک لے جایا گیا۔مکہ سے مدینہ تک کا یہ سفر انتہائی تکلیف دہ تھا۔ہم صبح ساڑھے پانچ بجے کے نکلے ہوئے رات ساڑھے گیارہ بجے مدینہ میں اپنے ہوٹل تک پہنچے۔یہ بس کا ایک عام سا سفر تھا۔اس میں کہیں ٹریفک جام ہونے کا مسئلہ نہیں تھا۔اس کے باوجود پورا اہتمام کیا گیا تھا کہ حجاج کرام کو زیادہ سے زیادہ ثواب ملتا رہے(روایت ہے کہ سفرِ حج کے دوران جتنی تکالیف اور پریشانیاں ہوں اتنا ہی سارے سفر کا ثواب ملتا ہے)۔

سوئے حجاز۔سفرِ حج سے اقتباس

حج کرنے کے بعد حج اور عمرہ کے فرق کا اندازہ ہوا۔حج فرض ہے۔عمرہ کی حیثیت نوافل جیسی ہے۔روحانی دنیا کے اہلِ نظر بخوبی جانتے ہیں کہ فرض نماز تو صرف فرض پورا کرنے والی بات ہوتی ہے،حکم بجالانا ہوتا ہے۔محض فرض نمازیں پڑھنے سے قربِ خداوندی نہیں ملتا۔قربِ خداوندی کے لئے فرض سے آگے بڑھ کر نوافل کی منازل طے کرنا ہوتی ہیں۔یوں بھی فرض

نماز کی باجماعت ادائیگی میں وہ روحانی لطف پیدا نہیں ہو پاتا جو اکیلے میں نوافل کی ادائیگی میں ملتا ہے۔بس جیسے نمازوں میں فرض اور نوافل کا فرق ہے ویسے ہی حج اور عمرہ میں فرق ہے۔حج فرض ہے اور صاحبِ توفیق پر لازم ہے۔اس میں مشقت اور ریاضت کا پہلو نمایاں ہے۔عمرہ فرض نہیں ہے لیکن نوافل کی طرح اس کی لذت الگ ہے۔ابھی تک کے تجربوں سے تو یہی کچھ سمجھ میں آیا ہے۔زندگی رہی،مزید توفیق ملی
اور اگلے تجربوں میں اس تاثر سے ہٹ کر کوئی نیا تاثر بنا تو ''سوئے حجاز'' کے کسی اگلے ایڈیشن میں اسے بیان کر دوں گا۔ورنہ ابھی تک کا جو بھی تاثر بنا ہے وہ بیان کر دیا ہے۔خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھ گنہگار کو (میری اہلیہ سمیت) نہ صرف عمرہ کی لذت عطا کی بلکہ حج کا فریضہ ادا کرنے کی توفیق بھی بخش دی۔اسے قبول کرے نہ کرے اس کی مرضی ہے۔ہمیں توفیق ملی تو ہم نے گرتے پڑتے جیسے تیسے ممکن ہوا فرض کو ادا کر لیا۔

سوئے حجاز۔سفرِ حج سے اقتباس

انٹرویوز میں ذکر

مبارکہ کی ایک سہیلی یہیں جرمنی میں مقیم ہے۔ایک بار مبارکہ سے کہنے لگی یہاں اتنے اچھے اور سستے ریڈیو ملتے ہیں میرا جی کرتا تھا ایک دو سیٹ لے کر پاکستان بھجوا دوں لیکن پھر یہ سوچ کر رُک گئی کہ یہاں کے ریڈیو سیٹ پر جرمن زبان کے پروگرام آتے ہیں۔ پاکستان والے تو انہیں سمجھ ہی نہیں سکیں گے۔ بظاہر یہ لطیفہ سا لگتا ہے لیکن میں اسے انسانی معصومیت اور بھولپن سمجھتا ہوں۔

''سلطانہ مہر کے دس سوالوں کے جواب''۔کتاب انٹرویوز، سے اقتباس

نذر خلیق: ''میری محبتیں'' آپ کے خاکوں کا مجموعہ ہے اس کے مطالعے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے افسانہ نگار حیدر قریشی کوئی اور ہے اور خاکہ نگار حیدر قریشی کوئی اور ہے یہاں آپ کا اسلوب افسانوی اسلوب سے بالکل مختلف ہے ایسا کیوں ہے؟

حیدر قریشی: اس سوال کا جواب دو جمع دو چار کی طرح تو نہیں دے سکتا۔اس کے جواب کے کئی پہلو ہو سکتے ہیں ایسے پہلو بھی جو ایک دوسرے سے متصادم ہوں۔آپ کے سوال کے بعد غور کرتا ہوں تو مجھے یاد آتا ہے کہ میری بالکل ابتدائی کہانی مامتا اور اب تک کی آخری کہانی مسکراہٹ کا عکس، یہ دونوں کہانیاں براہِ راست ہمارے گھر کی کہانیاں ہیں۔ مامتا میں، میں نے اپنی بیوی کے دکھ کو محسوس کیا تھا اور اس کی کہانی کو خود میں محسوس کر کے لکھا تھا۔ادبی زندگی میں یہ پہلی کہانی تھی جسے لکھنے کے بعد میں سچ مچ رویا تھا۔دوسری کہانی خود میرا اپنا نفسی تجربہ تھا جو یہاں جرمنی میں مجھے پیش آیا۔اسے آپ سوتی جاگتی حالت کا تجربہ کہہ سکتے ہیں۔اس تجربہ کے دوران مجھے جو کچھ پیش آیا وہی کچھ مجھے اس کہانی کو لکھنے کے بعد پیش آیا۔یعنی میں جی بھر کر رویا۔تو میرے بھائی میری کہانیوں میں تو میری زندگی کے کئی کردار آئے ہیں۔خاکہ نگاری اور افسانے کی اپنی اپنی حدود ہیں۔لیکن مسکراہٹ کا عکس میں تو جیسے یہ حدود ایک دوسرے سے مل گئی ہیں۔

''انٹرنیٹ کے ذریعے مکالمہ''۔کتاب انٹرویوز، سے اقتباس

سوال: پہلا افسانہ کونسا تھا؟

جواب: اوراق لاہور کے خاص نمبر (اوراق کے پینتیس سال)، شمارہ جنوری، فروری ۲۰۰۰ء کے صفحہ نمبر ۲۷۲ پر میرے پہلے افسانے کی اشاعت کا تذکرہ موجود ہے۔یہ شمارہ وہاں سے کسی طرح حاصل کریں۔مزے کی کہانی درج ہے۔اوراق کا مذکورہ اقتباس یہاں درج کر رہا ہوں:

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ۱۹۷۹ء کے آخری شمارہ کے ذریعے میری ''اوراق'' میں انٹری ہوئی تھی۔میری غزل اوراق میں پہلی بار شائع ہوئی تھی۔غزل کا مطلع تھا:

جب ٹوٹتے تاروں سے کوئی جھانک رہا تھا
اک یاد کا منظر سا خلاؤں پہ لکھا تھا

پھر میرے نام سے میرا پہلا افسانہ ''مامتا'' اوراق کے ۱۹۸۰ء کے پہلے شمارہ میں شائع ہوا۔یوں یہ میرا پہلا افسانہ ہوا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے پہلے میں افسانہ ''اندھی روشنی'' لکھ چکا تھا اور یہ افسانہ ''جدید ادب'' خانپور کے ۱۹۷۸ء کے کسی شمارہ میں اپنی بیوی (مبارکہ شوکت) کے نام سے چھپ چکا تھا۔تب رشید امجد اور بعض دیگر جدید افسانہ نگاروں نے چونکتے ہوئے استفسار کیا کہ یہ مبارکہ شوکت کون ہیں؟ تو مجھے اپنے افسانہ لکھنے پر اعتماد سا ہونے لگا۔چنانچہ میں نے افسانہ ''مامتا'' تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے ساتھ ڈاکٹر انور سدید کو بھیجا۔ڈاکٹر انور سدید کے ساتھ وہ افسانہ ڈاکٹر وزیر آغا نے بھی دیکھ لیا اور وہ افسانہ میرے نام سے چھپنے والا میرا پہلا افسانہ ''اوراق'' کے ۱۹۸۰ء کے پہلے شمارہ میں شائع ہو گیا'' (تاثرات بعنوان ''اوراق اور میں'' مطبوعہ اوراق لاہور، پینتیس سالہ نمبر شمارہ جنوری، فروری ۲۰۰۰ء)

اس میں اتنا اضافہ کروں گا کہ میرے سب سے پہلے لکھے گئے افسانہ ''اندھی روشنی'' کو معیار دہلی کے پاکستانی افسانہ نگار نمبر (نیا پاکستانی افسانہ، نئے دستخط مطبوعہ ۱۹۸۲) میں میرے نام کے ساتھ شائع کیا گیا تھا جو اپنی ابتدائی عمر میں میرے لئے بڑی کامیابی تھی۔

''عبدالرب استاد کے سوال اور حیدر قریشی کے جواب''۔انٹرویوز، انٹرنیٹ ایڈیشن سے اقتباس

سوال: افسانے میں دو عورتیں موجود ہیں۔ایک تو وہ جو گھوڑی بنی ہوئی ہے، دوسری وہ جو خاندانی منصوبہ بندی میں برابر کی شریک ہے۔سوال یہ ہے کہ آپ نے عورت کا کوئی خاص نظریہ پیش کرنا چاہا ہے یا یہ افسانے کی ضرورت تھی؟

جواب: عورت کا کوئی خاص نظریہ پیش کرنا کبھی بھی میرے پیش نظر نہیں رہا۔ پہلے والے سوال کے جواب کو دہرانا پڑ رہا ہے۔گھروں کے مسائل موجود تھے۔۔۔کچھ میرے ارد گرد تھا، جس میں گھوڑی کی طرح جتی ہوئی عورت بھی تھی، اور خاندانی منصوبہ بندی میں شریک عورت بھی تھی۔ ویسے آپ کو سچی بات بتاؤں، یہ منصوبہ بندی والا حصہ میری اور میری اہلیہ کی داستان ہے۔تب سات سال کے وقفہ کے بعد چوتھی اولاد اور میرا تیسرا بیٹا پیدا ہوا تھا۔البتہ کھنڈر سے کھوپڑی ملنے والی بات کا میری ذاتی جاب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔یہ کہانی کا اپنا کیا دھرا ہے۔

سوال: آپ نے اپنے افسانوں میں خوبصورت عورت کو استعارہ بنا کر پیش کیا ہے۔کوئی خاص وجہ؟

جواب: عورت کے کئی روپ ہیں جو میرے افسانوں میں آئے ہیں۔ان میں ماں، بہن، بیوی، بیٹی تک کے رشتے موجود ہیں۔انتہائی مظلوم عورت (شناخت) کا کردار بھی موجود ہے۔گویا دیگر کئی روپ میں عورت موجود ہے۔مقدس رشتوں میں بھی یہ روپ خوبصورت ہی ہیں۔بلکہ یاد آیا مجھے کتابی چہرے اس لیے اچھے لگتے ہیں کہ میری والدہ کا چہرہ کتابی تھا اور میری اہلیہ بھی ان کی بھتیجی ہونے کی وجہ سے ان سے مشابہت رکھتی ہیں۔سو میرے لیے عورت کی خوبصورتی کا محور میری ماں اور انہیں کے حوالے سے میری بیوی ہیں۔اب اس بات کو دوسری سطح پر بھی دیکھ لیتے ہیں۔خوبصورت عورت کا ذکر خوبصورت ہی لگتا ہے۔تاہم میرے ایک افسانے (آپ بیتی) میں میری ''ایک بہت اچھی دوست'' کا ذکر ہے۔دراصل اسے کچھ تنگ کرنے کے لیے بھی میں نے ایک بار دانستہ ایک بہت خوبصورت لڑکی کا ذکر کیا تھا۔اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اُس اچھی دوست نے جب بھی اس لڑکی کا ذکر کیا ہمیشہ کچھ یوں کہا''آپ کے افسانے کی ہیروئن کا کیا حال ہے؟''۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ''اچھی دوست'' اُس ہیروئن سے زیادہ خوبصورت تھی (ہے)۔اور دونوں ہی کتابی چہرے والیاں تھیں۔

''رضینہ خان کے سوال۔حیدر قریشی کے جواب''۔انٹرویوز،انٹرنیٹ ایڈیشن سے اقتباس

منزہ یاسمین کے سوالوں کے جواب کے ساتھ

حیدر قریشی کی شریک حیات مبارکہ حیدر

سوال: حیدر قریشی کے موجود حلیے کے بارے میں رائے؟

جواب: ہاہاہا۔۔۔ہاہاہا۔۔۔

ویسے ان کی سنجیدہ تصویر ہمیشہ اچھی آتی ہے۔آپ کے سوال سے تھوڑی غیر متعلق ایک بات بتاؤں۔۔جوانی میں ان کے داڑھی تھی۔مجھے وہ داڑھی واقعی اچھی لگتی تھی۔جرمنی میں آ کر انہوں نے داڑھی صاف کر دی اور کہا کہ تم نے میری داڑھی کی تعریف کر کر کے مجھے داڑھی والا بنا دیا، اور میری ساری جوانی خراب کر دی۔اب میں ان سے کہتی ہوں کہ آپ بغیر ٹوپی کے دانشور لگتے ہیں تو کہتے ہیں جوانی خراب کرنے کے بعد اب میرا بڑھاپا بھی خراب کرنا چاہتی ہو۔

سوال: لباس کیا پہنتے ہیں؟

جواب: گھر پر عموماً سلوار قمیص اور گھر سے باہر پتلون شرٹ۔ویسے ابھی حال ہی میں ایک شیروانی تیار کرائی ہے اور ایک پگڑی بھی منگا رکھی ہے۔لیکن ابھی پہنی نہیں ہے۔میرا خیال ہے اب یہ اپنے والد صاحب کے مقام پر فائز ہونے والے ہیں۔پھوپھا جان نے بھی ایک عرصہ تک ٹوپی کے استعمال کے بعد پگڑی پہننا شروع کر دی تھی۔

سوال: خوراک کے معاملے میں کیسے ہیں؟

جواب: صابر شاکر ہیں۔جیسا بھی مل جائے، کھا پی لیتے ہیں۔کبھی کبھار ٹی وی دیکھتے ہوئے ڈرائی فروٹ کھانے میں بد پرہیزی کر جاتے ہیں۔نہاری اور پائے شوق سے کھاتے ہیں۔

سوال: حیدر قریشی کا آپ سے تعلق کیا ہے اور کیا آپ دونوں میں مکمل ہم آہنگی ہے؟

جواب: بڑا ہی جائز قسم کا تعلق ہے۔جائز تعلق میں جتنی ہم آہنگی ہو سکتی ہے وہ ہم دونوں میں

ہے۔ویسے ہمارے Taste ایک دوسرے سے بالکل متصادم ہیں مگر رشتہ بہت ہی پکا ہے۔مرنے کے بعد بھی نہ ٹوٹنے والا۔

سوال: حیدر قریشی مزاجاً کیسی طبعیت کے مالک ہیں؟

جواب: بہت میٹھے اور بہت کڑوے۔اپنے ہر رویے میں انتہا پسند۔انسان کو تھوڑا بہت مصلحت پسند ہونا چاہئے۔

سوال: حیدر قریشی کا حلقہ احباب کتنا اور کیسا ہے؟

جواب: پرانا حلقہ احباب تو وہی ہے جو ابتدا میں تھا۔سعید شباب،نذر خلیق،فرحت نواز (فرحت کے ساتھ میری دوستی ان سے زیادہ ہے)۔۔۔،ادبی احباب میں ڈاکٹر وزیر آغا سے لے کر اکبر حمیدی تک ایک لمبی فہرست ہے۔اب انٹرنیٹ پر ان کے دوستوں کا ایک اور بڑا حلقہ سامنے آیا ہے۔جن میں سب سے اہم خورشید اقبال صاحب ہیں جو اردو دوست ڈاٹ کام کے مالک ہیں۔پھر امریکہ کے اردوستان والے کاشف الہدیٰ صاحب ہیں۔اور بھی بہت سے ہیں القمر والے بھی ہیں۔۔۔مگر مجھے ان ناموں کا زیادہ علم نہیں ہے۔اس کے باوجود ان کا مزاج غیر مجلسی اور تنہائی پسندی کا ہے۔

سوال: کیا آپ حیدر قریشی کی ادبی زندگی کو پسند کرتی ہیں؟

جواب: ادبی زندگی تو خیر ٹھیک ہے لیکن اب جو انہوں نے انٹرنیٹ پر ادبی کام شروع کئے ہیں۔ان سے میں بہت تنگ ہوں۔ہر وقت کمپیوٹر میں گھسے بیٹھے ہیں۔جاب پر جانے سے پہلے انٹرنیٹ پر ہوتے ہیں۔جاب سے آتے ہی انٹرنیٹ پر بیٹھیں گے۔ڈاک دیکھیں گے،جواب لکھیں گے۔پھر کھانا کھائیں گے۔کھانے کے بعد ٹی وی پر خبریں دیکھتے ہی پھر انٹرنیٹ میں چلے جائیں گے۔۔۔۔میں کمپیوٹر والے کمرے کو اپنی سوتن کا کمرہ کہتی ہوں۔

سوال: آپ کو حیدر قریشی کس حیثیت میں زیادہ پسند ہیں؟

جواب: یہ تو آج تک کبھی سوچا ہی نہیں۔دراصل میں نے انہیں خانوں میں تقسیم کرکے دیکھا ہی نہیں۔

سوال: حیدر قریشی کی ادبی زندگی کے بارے میں آپ کے تاثرات؟

جواب: میں عموماً ان کی ادبی زندگی کی مصروفیت کی وجہ سے نالاں رہتی ہوں۔میں گھر پر ہوتی ہوں تو ان کو اپنے ادبی کاموں سے فرصت نہیں ہوتی۔ایک بار میں دو دن کے لئے اپنی بیٹی کے ہاں گئی۔واپس آئی تو کہنے لگے کہ آپ گھر پر موجود ہوں تو آپ کی موجودگی کے احساس کے باعث خود بخود ادبی کام ہوتا رہتا ہے لیکن آپ گھر پر نہیں تھیں تو کسی قسم کا کام کرنے کو جی نہیں چاہا۔یہ ان کے لئے بھی انکشاف تھا اور میرے لئے بھی۔۔لیکن یہ واقعی ایک خوشگوار حقیقت ہے۔

سوال: حیدر قریشی کو بحیثیت شوہر کیسا پایا؟

جواب: بس ٹھیک ہی ہیں۔۔۔آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے ان سوالات کے ذریعے مجھے ایک موقعہ دیا۔ (۲۴/اکتوبر ۲۰۰۲ء)

منزہ یاسمین کے سوال اور مبارکہ حیدر کے جواب۔انٹرویوز سے

منزہ یاسمین کا سوال،فرحت نواز کا جواب

سوال: پہلی ملاقات کا تاثر؟

جواب: پہلی ملاقات کا تو تعین ہی نہیں ہوا،تاثر کیا بتاؤں؟۔۔ہاں اس تعلق کے بارے میں ایک بات بتادوں کہ ہم سال کے گیارہ مہینے لڑتے رہتے تھے اور ایک مہینہ ہمارا صلح صفائی میں گزرتا تھا۔اگر کبھی سچ مچ جھگڑا زیادہ ہو گیا تو ہماری صلح کے لئے مبارکہ بیچ میں آجاتی تھیں۔اگر میں یہ کہوں کہ مبارکہ،حیدر قریشی کی بیوی سے زیادہ ان کی اچھی دوست ہیں تو غلط نہ ہوگا۔اور جتنی اُن کی دوست ہیں اتنی ہی میری دوست ہیں۔

منزہ یاسمین کے سوال اور فرحت نواز کے جواب۔انٹرویوز سے اقتباس

ماہنامہ پاکیزہ کراچی

سوالنامہ از شائستہ زرّیں (کراچی)

جواب از: مبارکہ حیدر (جرمنی)

۱:: خریداری ہُنر ہے یا جھنجٹ؟

جواب: خریداری کرنا ویسے تو ہنر ہے، لیکن کبھی کبھار جھنجھٹ بھی ہو جاتا ہے۔

۲:: آپ کی نظر میں خریداری کا بنیادی اصول کیا ہے؟

جواب: ضرورت کے مطابق چیز مناسب ہو اور قیمت بھی مناسب ہو۔

۳:: خریداری کے لیے آپ ایک ہی مارکیٹ کا انتخاب کرتی ہیں یا ایک سے زائد میں جا کر فیصلہ کرتی ہیں؟

جواب: یہاں جرمنی میں مارکیٹوں کا سسٹم پاکستان سے کافی مختلف ہے۔ کسی ایک مارکیٹ میں چلے جائیں تو عام طور پر ضرورت کا سارا سامان وہیں سے ہی مل جاتا ہے۔ اس لئے ایک بار کی شاپنگ تو ایک ہی مارکیٹ میں کر لیتی ہوں۔ لیکن اگلی شاپنگ کے لئے دوسری مارکیٹیں بھی دیکھ لیتی ہوں۔ اس طرح مختلف مارکیٹوں میں نرخوں کے اتار چڑھاؤ کا اندازہ ہوتا رہتا ہے۔ ویسے فرق بہت معمولی سا ہی ہوتا ہے۔

۴:: جیولری، ملبوسات، کاسمیٹکس، آرائشی اشیاء، گھریلو استعمال کی اشیاء، ادویات، بچوں کی خریداری۔ خریداری کے وقت ترجیحات کے لحاظ سے کیسے نمبر ترتیب دیں گی؟

جواب: گھریلو استعمال کی اشیاء، بچوں کی خریداری، ملبوسات، کاسمیٹکس، آرائشی اشیاء اور جیولری۔

۔۔۔ادویات کا واضح کر دوں کہ ہمیں یہاں میڈیکل چیک اپ سے لے کر ادویات تک سب سہولیات فری میسر ہیں۔

۵:: دکاندار کی بتائی ہوئی قیمت پر خرید لیتی ہیں یا دام کم کرواتی ہیں؟ اندازاً کتنے فیصد کم کرواتی ہیں؟

جواب: یہاں قیمتیں فکس ہوتی ہیں۔ ان میں کمی بیشی نہیں ہوتی ہاں کبھی پاکستانی، افغانی اور ترکی دوکانداروں تک جانا پڑے تو وہاں دام کروانے کی صورت بن جاتی ہے۔ یہاں کی بڑی مارکیٹیں سال میں دو بار خاص سیل لگاتی ہیں۔ میں ان تاریخوں سے باخبر رہتی ہوں۔ اس سیل میں ۴۰ سے ۵۰ فی صد تک قیمتیں کم ہو جاتی ہیں۔ میں اس سہولت سے بروقت فائدہ اٹھا لیتی ہوں۔

مطبوعہ ماہنامہ **پاکیزہ** کراچی۔ عید نمبر۔ نومبر ۲۰۰۷ء

نظم

پھاگن کی سفّاک ہوا

ہوا سفّاک لہروں کی طرح
یخ بستہ تیروں سے مسلسل حملہ آور ہے
میں اپنے بند کمرے میں مسہری پر
رضائی لے کے بیٹھا ہوں
مِری بیوی مِرے پہلو میں بیٹھی ہے
شعیب،عثمان، ٹیپو، مانو، رضوانہؔ
ہمارے سامنے
پہلو بہ پہلو دائرے کی شکل میں بیٹھے
ہماری مُورتیں ہم کو دکھاتے ہیں
ہمارا گمشدہ بچپن ہمارے سامنے
ان پانچ رنگوں میں چہکتا ہے
ہوا سفاک لہروں کی طرح
یخ بستہ تیروں سے مسلسل حملہ آور ہے
کبھی تیروں کی اک بوچھار سی
جب بند دروازے پہ پڑتی ہے تو بچے

ایک لحظے کے لئے خوف اور حیرت سے
ہمارے منہ کو تکتے ہیں
اور اپنے آپ ہی پھر کھلکھلا کر ہنس بھی پڑتے ہیں

اگر اس وقت پھاگن کی ہوا سفّاک نہ ہوتی
تو میں اس بند کمرے میں
حَسیں بچپن کے ایسے جگمگاتے
اور سہانے دن کہاں پاتا
جہاں گردی کے چکر میں
ہمیشہ کی طرح کھویا ہوا ہوتا
یہ پھاگن کی ہوا سفاک بھی ہے مہرباں بھی ہے!

ماہیا

بیوی

اک رُوح کا قصہ ہے
میرے بدن ہی کا
جو گم شدہ حصہ ہے

نظم

نصف سلور جوبلی

شبِ اوّل کی وہ محجوب سی
اک اوّلیں ساعت
تبسّم زیرِ لب
جب گنگناتی خامشی
اک گیت بن کر جسم میں اتری!

پھر اک مدھم ہنسی، مدہوش سرگوشی
مجسم گیت بن کر وہ چہکتا
گیت گاتا اک پرندہ
پھول اور کلیاں
خزاں ناآشنا کھِلتی بہاریں، زندگی!

زندگی
پھر زندگی کی رُوح سے لبریز چہکاریں
جو گاہے کھلکھلاتیں، شور ہنگامہ بپا کرتیں
جو گاہے جھینپ بھی جاتیں
جواں، سرسبز جسموں کی مہک

شادابیاں
وہ روح کی پاتال تک سیرابیاں!

سرشاریاں
شاداب اور سیراب جسم و جان سے چھلکیں
تو آنگن میں بہاریں اور چہکاریں
دمک اٹھیں
ستارے، پھول، کلیاں
خوشبوئیں اور روشنی......روشن
شرارت، کھیل، جھگڑا اور
صلح و آشتی، پھر آشتی کے ساتھ ہی جھگڑا
کتابیں، کاپیاں، پنسل، قلم اور ہوم ورک
اتنے شرارت سے بھرے چہروں پہ ایسا نُور
یہ معصومیت، پاکیزگی
گنگناتے، کھنکھناتے، جگمگاتے قہقہے
زندگی ہی زندگی

بارہ برس اور چھ مہینے
آج پورے ہوگئے ہیں اپنی شادی کو!

ڈاکٹر انوار احمد کا کالم ''وعدہ خلافی''

اور بیویوں کے ذکر کا مسئلہ

adabi group <urdu_writers@yahoogroups.com>
Sent: Tuesday, January 29, 2013 10:52 AM

ڈاکٹر انوار احمد کے کالم ''وعدہ خلافی'' کی آج کی تحریر کا ذیلی عنوان ہے ''یہ بازی عشق کی بازی ہے''، اس کالم کا لنک یہاں پیش کر رہا ہوں۔ شہرت بخاری مرحوم اور ان کی اہلیہ فرخندہ بخاری کے حوالے سے یہ ایک سبق آموز کالم ہے۔ اس میں ڈاکٹر انوار احمد نے ایک انتہاہی جملہ لکھا ہے:

'' انسان کو آپ بیتی میں رفیقِ حیات کو خراجِ تحسین پیش کرتے وقت محتاط ہونا چاہیئے۔ شاید کہ پلنگ خفتہ باشد''

ہر چند دنیا کی طرح زندگی کے حالات بھی کب کیا رُخ اختیار کر لیں، کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم میرا خیال ہے کہ بیوی کے بارے میں لکھتے وقت نمائشی اور جھوٹ لکھنے سے گریز کرنا چاہیئے ورنہ بندے کا شہرت بخاری مرحوم جیسا حال ہو جاتا ہے۔ بے شک پورا سچ نہ لکھیں لیکن جتنا بھی لکھیں سچ لکھیں۔ بعد میں زندگی کے کسی موڑ پر شرمندگی نہیں ہوگی۔

میں نے اپنی اہلیہ کا خاکہ ''پسلی کی ٹیڑھ'' سال ۱۹۹۰ء کے آس پاس لکھا تھا۔ تب ہی یہ خاکہ ''اوراق'' میں شائع ہو گیا تھا۔ اس خاکہ کے بعد بھی میں نے اپنی یادوں کے ابواب میں اور متعدد دیگر تحریروں میں اپنی اہلیہ کا ذکرِ فراواں کیا ہے۔ سو ادبی زبان میں اہلیہ کو خراجِ تحسین پیش کرتے کرتے رُبع صدی ہونے کو آرہی ہے۔ نہ کبھی غیر ضروری احتیاط کی ہے، نہ ہی قلم کو غیر محتاط ہونے دیا ہے۔ اہلیہ کا جتنا ذکر کر چکا ہوں اس سب کے باوجود خود کو اہلیہ کی محبت کا مقروض سمجھتا ہوں۔ یہ تحریر اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ دوسرے ادیب حضرات اپنی اہلیہ کے ذکر میں بخیل نہ ہو جائیں۔ حیدر قریشی

لنک

ڈاکٹر انوار احمد کا کالم ''وعدہ خلافی''۔۔ یہ بازی عشق کی بازی ہے

http://dunya.com.pk/index.php/author/dr.-anwar-ahmad/
2013-01-29/1735/34217038#.UQeWXuSHy6U

اردو رائٹرز ایٹ یاہو گروپس ڈاٹ کام سے تحریر ریلیز کرنے کے بعد ایسے متعدد ادیبوں کو بھی بھیجی گئی جو اس گروپ کے ممبر نہیں تھے۔ ڈاکٹر انوار احمد صاحب کو بھی یہ ای میل بھیجی گئی۔ اُسی روز ان کی طرف سے اس تحریر کی رسید کے طور پر یہ ای میل موصول ہوئی۔

ahmadanwaar49@yahoo.com
To
me
Jan 29, 2013
How lucky you are
Regards,
Anwaar
Sent: 29/01/2013, 2:55 pm

ڈاکٹر عبدالرب استاد، ہردئے بھانو پرتاپ،

رضینہ خان، منزہ یاسمین اور عامر سہیل کے

پی ایچ ڈی، ایم فل اور ایم اے کے مقالات میں ذکر

ان کے گھر جتنے بھی افراد رہتے ہیں وہ سب اردو لکھتے، پڑھتے اور بولتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔آفرین صد آفرین کہنا پڑتا ہے حیدر قریشی اور آپ کے خاندانی افراد کو۔ کیونکہ انہوں نے اتنا تو کیا۔ان کے افرادِ خانہ جن میں ان کی اہلیہ مبارکہ بھی قابلِ مبارکباد ہیں کیونکہ انہوں نے ایک مشرقی عورت، مشرقی ماں، مشرقی نانی، اور مشرقی دادی ہونے کا پورا پورا حق ادا کیا اور باقاعدہ ادا کرتی جارہی ہیں۔

عبدالرب استاد کے پی ایچ ڈی کے مقالہ ''حیدر قریشی شخصیت اور ادبی جہات'' سے اقتباس

لیکن جب Internet پر ان کے دوستوں کا حلقہ بڑھنے لگا تو ان کی بیگم مبارکہ صاحبہ کو اس سے تھوڑی بہت پریشانیاں بھی ہوئیں یہاں تک کہ مبارکہ صاحبہ نے کمپیوٹر کو اپنی سوتن تک بنا ڈالا۔لیکن انٹرنیٹ پر مصروف رہنے کے باوجود حیدر قریشی اپنی اہلیہ مبارکہ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔اس کا انکشاف اس وقت ہوا جب وہ دو روز کے لئے اپنی بیٹی کے یہاں چلی گئی تھیں اور حیدر صاحب کوئی بھی کام نہ کر سکے۔ بلآخر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حیدر قریشی ایک اچھے شاعر و ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے شوہر اور والد بھی ہیں۔

ہردئے بھانو پرتاپ کے ایم فل کے مقالہ ''حیدر قریشی کی شاعری کا مطالعہ'' سے اقتباس

ماں کا نرم و نازک لہجہ جب بھی ان کی آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو حیدر قریشی کا شاعر دل بھر آتا ہے اور آنکھیں چھلک پڑتی ہیں اور ایسا ہونے سے ماں کی ممتا پھر سے تازی ہو جاتی ہے۔ لیکن حیدر قریشی جب اپنی بیوی کا ذکر کرتے ہیں تو یہی محبت ایک نئے رخ کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہے۔پھر ان کا تخلیقی قلم ایک نیا شعر لکھتا ہے ۔

(بیوی)

اک روح کا قصہ ہے

میرے بدن ہی کا

جو گم شدہ حصہ ہے

حیدر قریشی نے اس شعر میں بیوی کو اپنے جسم کا گم شدہ حصہ قرار دیا ہے۔ یہ بات فلمی نغموں سے لے کر ادبی تصنیفات اور مذہبی کتابوں میں بھی بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاتی ہے۔اس کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ ہر مذہبی کتاب اس بات کو اپنے اپنے طریقے سے بیان کرتی ہے۔شاعر نے یہاں پر اس دنیا کی ایک ایسی سچائی کا بیان کیا ہے جس کی بنیاد اس دنیا کے وجود میں آنے سے جا کر ملتی ہے۔ یہاں پر حیدر قریشی کا نظریہ بالکل واضح ہو جاتا ہے اور ماں اور بیوی دونوں کی کیا اہمیت ہے یہ بھی صاف صاف سمجھ میں آ جاتا ہے۔ ویسے تو بچہ جس ماں کی کوکھ سے جنم لیتا ہے اس سے اس کا اٹوٹ رشتہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ ماں کی بہت سی خصوصیات بھی بچوں میں چلی آتی ہیں۔لیکن حیدر قریشی اس بچے کو ماں کے جسم کا حصہ قرار نہیں دیتے ہیں اور یہی اصل سچائی بھی ہے۔ مرد کی دنیا ایک عورت (بیوی) کے ملنے کے بعد ہی مکمل ہوتی ہے اور عورت کی دنیا ایک مرد (شوہر) کے ملنے کے بعد ہی مکمل ہوتی ہے۔اس فلسفے کو حیدر قریشی بہت ہی آسان الفاظ میں ماہیے کے محض تین مصرعے میں بہت ہی کامیابی سے پیش کرتے ہیں۔ان دونوں ماہیوں کو پڑھنے سے ماں اور بیوی دونوں کا بنیادی فرق واضح ہو جاتا ہے۔

ہردئے بھانو پرتاپ کے ایم فل کے مقالہ ''حیدر قریشی کی شاعری کا مطالعہ'' سے اقتباس

''پسلی کی ٹیڑھ'' کتاب میں شامل آٹھواں خاکہ ہے جو حیدر قریشی نے اپنی بیوی کا لکھا ہے۔خاکے کی ابتدا نہایت ہی خوبصورت شعر سے کی گئی ہے۔شعر ملاحظہ ہو۔

پھول تھا وہ تو میں خوشبو بن کے اس میں جذب تھا
وہ بنا خوشبو تو میں بادِ صبا ہوتا گیا

اس خاکہ کو لکھنے سے پہلے حیدر قریشی اس کشمکش میں مبتلا تھے کہ کہیں ان سے کوئی زیادتی نہ ہو جائے۔شاید اسی وجہ سے انہوں خاکے کی ابتدا سے پہلے ہی سچ لکھنے کا اقرار کر لینا مناسب سمجھا۔ لکھتے ہیں۔

''بیوی۔۔۔۔بالخصوص زندہ بیوی کا خاکہ لکھنا اپنی خیریت کو داؤ پر لگانے اور شیر بلکہ شیرنی کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے۔بہر حال میں اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ لکھوں گا سچ لکھوں گا۔سچ کے سوا کچھ نہ لکھوں گا۔اللہ میری حفاظت فرمائے۔(آمین)''(۲۹)

زیرِ نظر خاکے میں حیدر قریشی نے اپنی اہلیہ (مبارکہ) کی شخصیت سے قاری کو بخوبی متعاف کرایا ہے۔لکھتے ہیں ''مبارکہ صاف دل اور صاف گو عورت ہے۔محبتی بیوی اور بے تکلف ماں ہے۔'' (۳۰)

یہ خاکہ حیدر قریشی اور ان کی بیوی کے درمیان محبت، سمجھ، اور رشتہ پہ اعتماد کی کھلی وضاحت کرتا ہے۔حیدر قریشی کا یہ خاکہ میاں بیوی کے درمیان ایک صحت مند رشتہ کی تصویر پیش کرتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو۔

میں نے کہیں پڑھا تھا کہ میاں بیوی میں محبت بہت زیادہ ہو تو دونوں میں شباہت یکساں ہو جاتی ہے۔فیض اور ایلس کی تصویریں دیکھ کر یہ بات سچ معلوم ہونے لگتی ہے۔میری اور مبارکہ کی شکلوں میں بھی کچھ ایسا تغیر رونما ہو رہا ہے۔''من تو شدم تو من شدی'' کی حد تک تو محبت ٹھیک تھی لیکن جب اس مقام سے آگے بڑھی تو پھر دونوں کی شکلیں بگڑنے لگیں اور بگڑتے بگڑتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ ''تم رہے نہ تم ہم رہے نہ ہم''۔۔۔اچھی بھلی شکلیں بگڑ گئیں مگر ہماری محبت کی شدت تو ثابت ہو گئی۔(۳۱)

حیدر قریشی اور ان کی بیوی مبارکہ کے درمیان کس حد بے تکلفی اور اعتماد کا رشتہ قائم ہے یہ بات اس خاکہ میں مکمل طور پر نظر آتی ہے۔بالآخر حیدر قریشی لکھتے ہیں ''اس سے زیادہ مبارکہ کے بارے میں لکھنے کی جرات نہیں۔اس خاکے کا دوسرا حصہ مبارکہ کی وفات کے بعد لکھوں یا میری وفات کے بعد وہ لکھے گی۔

رضینہ خان کے ایم فل کے مقالہ ''حیدر قریشی کی افسانہ نگاری کا مطالعہ'' سے اقتباس

حیدر قریشی نے اپنی پڑھائی کے سلسلے کو جاری رکھا۔انہوں نے ۱۹۷۰ء میں پرائیویٹ امیدوار کے طور پر ایف۔اے کا امتحان پاس کیا۔۱۹۷۱ء میں اٹھارہ سال کی عمر میں ان کی شادی ان کے ماموں کی بیٹی ''مبارکہ'' سے ہوگئی۔حیدر قریشی نے نوکری اور شادی شدہ زندگی کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ طور پر اپنا سلسلہ تعلیم بھی جاری رکھا۔

منزہ یاسمین کے ایم اے کے مقالہ ''حیدر قریشی شخصیت اور فن'' سے اقتباس

'سلگتے خواب' کا انتساب حیدر قریشی نے اپنی شریک حیات ''مبارکہ'' کے نام کیا ہے۔انتساب یوں ہے۔

مبارکہ کے نام

استعارے سے تو کجا سامنے اس کے حیدرؔ
شاعری ایک طرف اپنی دھری رہتی ہے

منزہ یاسمین کے ایم اے کے مقالہ ''حیدر قریشی شخصیت اور فن'' سے اقتباس

نظم ''پھاگن کی سفاک ہوا'' میں حیدر قریشی کے شائستہ اور مہذب لب ولہجہ میں ایک نرم ولطیف محبت کا احساس ملتا ہے۔اس نظم میں شاعر کی شریک حیات بھی متحرک نظر آتی ہے اور اس کے بچے بھی۔اس کی امیدیں بھی ہیں اور آنے والے سہانے دنوں کا تصور بھی۔اس کی نظم

میں ماضی بھی ہے، حال بھی اور مستقبل بھی۔

منزہ یاسمین کے ایم اے کے مقالہ ''حیدر قریشی شخصیت اور فن'' سے اقتباس

ہماری شاعری میں عموماً بیوی کا ذکر کم ملتا ہے لیکن حیدر قریشی نے اپنی ازدواجی زندگی کے ساڑھے بارہ سال مکمل ہونے پر ''نصف سلور جوبلی'' کے نام سے جو نظم کہی ہے وہ اُن کے جذبات کی شگفتگی اور محبت کی انتہا کی آئینہ دار ہے۔انہوں نے اپنی اس نظم میں اپنے بچوں کو بھی جزوِ حیات بنالیا ہے۔۔۔۔۔اس نظم کی مسرتوں اور اطمینان سے بھرپور سطریں دل میں ایک عجیب خوش گوار احساس پیدا کرتی ہیں۔ان نظموں میں حیدر قریشی محبت کے رشتوں کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھتا نظر آتا ہے۔

منزہ یاسمین کے ایم اے کے مقالہ ''حیدر قریشی شخصیت اور فن'' سے اقتباس

زوجہ مبارکہ کا خاکہ

اُردو ادب میں خاکہ نگاری کی روایت اور ذخیرے پر نظر کی جائے تو علم ہوتا ہے کہ لکھنے والوں نے تقریباً ہر قسم کی شخصیت پر دل کھول کر لکھا ہے لیکن ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کسی ادیب نے اپنی بیوی پر خاکہ لکھ کر محبت کا ثبوت فراہم کیا ہو۔حیدر قریشی کا تخلیقی قلم جہاں تمام اہلِ خانہ کے ذکر پر روانی اور جولانی کا مظاہرہ کرتا ہے وہاں اہلیہ کا ذکرِ خیر بھی فراخ دلی سے صفحہء قرطاس کی زینت بنتا ہے۔اس موضوع میں اُن کی خاص دل چسپی نظر آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ نظم ونثر کی اہم اصناف میں وہ اپنے دل پسند موضوع کو حد درجہ سلیقے اور قرینے سے نبھاتے ہیں۔اس دل چسپ اور شگفتہ خاکے کا آغاز ایک حسبِ روایت طبع زاد شعر سے ہوتا ہے:

ع پھول تھا وہ تو میں خوشبو بن کے اس میں جذب تھا

وہ بنا خوشبو تو میں بادِ صبا ہوتا گیا

حیدر قریشی نے خاکے کا عنوان بھی بہت منفرد رکھا ہے۔۔۔''پسلی کی ٹیڑھ'' (مبارکہ)۔خاکے

کی ابتدائی سطور قاری کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔انداز ملاحظہ ہو:

'' بیوی۔۔بالخصوص زندہ بیوی کا خاکہ لکھنا اپنی خیریت کو داؤ پر لگانے اور شیر بلکہ شیرنی کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے۔بہر حال میں اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ لکھوں گا سچ سچ لکھوں گا۔۔سچ کے سوا کچھ نہ لکھوں گا۔(کلیات:ص۳۱۱)

''پسلی کی ٹیڑھ'' میں خاکہ نگاری کے ممکنہ اہم نکات اور وسائل یکجا صورت میں ملتے ہیں۔بچپن کا تذکرہ نہایت میٹھے انداز میں سامنے آتا ہے اور قاری کو پتا چلتا ہے کہ حیدر قریشی نے بچپن کی معصومیت میں ماموں کی بیٹی سے شادی کرنے کی جس خواہش کا اظہار کیا تھا وہ بالآخر پوری ہو گئی تھی۔وہ خود بھی کہتے ہیں:

'' بچپن میں غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر کہی ہوئی مذاق کی ایک بات اتنی سنجیدگی اختیار کر گئی کہ اب وہ سارا مذاق وجدانی معلوم ہوتا ہے۔'' (کلیات:ص۳۱۱)

یہ خاکہ اپنائیت اور محبت کی ملی جلی کیفیات کا عکاس ہے،اور اگر اسے ''میری محبتیں'' کا کلیدی اور نمائندہ خاکہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔اُردو ادب میں ایسے خاکے کم ملتے ہیں جس میں اپنی اہلیہ کو اتنے ادبی رکھ رکھاؤ کے ساتھ پیش کیا گیا ہو۔ہمارے ہاں بیویوں کا تمسخر اُڑانا عام سی بات اور اگر کبھی تعریف بھی کرنا پڑ جائے تو اُس میں سے بھی ایسے پہلو لازماً تلاش کر لیتے ہیں ہیں جس میں طنز پوشیدہ ہوتا ہے۔حیدر قریشی کے ہاں یہ رویہ کسی سطح پر نہیں پایا جاتا۔اس کے برعکس توازن اور شائستگی نظر آتی ہے۔یہ توازن اوصاف نگاری کے دوران بھی برقرار رہتا ہے۔چند مثالیں دیکھئے:

'' مبارکہ صاف دل اور صاف گو عورت ہے۔محبتی بیوی اور بے تکلف ماں ہے۔ ماں والی دھونس نہیں جماتی البتہ دوستانہ دھونس ضرور جماتی ہے۔'' (کلیات:ص۳۱۳)

حیدر قریشی کو جہاں اپنی کوتاہی کا اعتراف کرنا ہوتا ہے وہ بھی برملا کر دیتے ہیں۔

''میں اپنی فکری آزادہ روی کے باعث مبارکہ کے لیے بہت تکلیف کا سامان کر بیٹھا'' (کلیات:ص۳۱۳)

اس ادبی خاکے میں ہر طرح کے رنگ موجود ہیں۔کہیں ممدوح کی شخصیت نمایاں کرنے کی خاطر گہرے شوخ رنگ برتے گئے ہیں اور کہیں کہیں ہلکے رنگ شخصیت کی پرتیں کھولتے چلے جاتے ہیں۔خاکہ نگار نےبے جالفاظی اور طوالت سے اپنا دامن بچایا ہے۔مختصر اشارے کنائے اس تحریر کا خاص حسن ہے جس کی وجہ سے شخصیت کا ناک نقشہ اور عادات واطوار کا بیانیہ فطری اُسلوب متاثر کرتا ہے۔حیدرقریشی جانتے ہیں کہ خاکہ نگاری ایک ایسی ظالم صنف ہے جس میں ایجاز واختصار کا جادو اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے۔

عامر سہیل کے ایم فل کے مقالہ ''حیدرقریشی کی ادبی خدمات'' سے اقتباس

ایم فل کے وائیوا میں ذکر

ایک اطلاع کے مطابق ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ میں جب عامر سہیل صاحب کے مقالہ کا وائیوا ہوا تب ان سے ڈاکٹر عابد سیال صاحب نے دوسوال ایسے پوچھے جو براہِ راست امی سے متعلق تھے۔

پہلا سوال: حیدرقریشی کی اہلیہ کا کیا نام ہے؟

دوسرا سوال: حیدرقریشی نے اپنی اہلیہ کا جو خاکہ لکھا ہے اس کا عنوان کیا ہے؟

عامر سہیل صاحب نے دونوں سوالوں کے درست اور دلچسپ جواب دیئے۔

(نوٹ از مرتب شعیب حیدر)

مختلف ادیبوں کے مضامین رخطوط میں ذکر

ہماری شاعری میں بیوی سے محبت کا اظہار کم کم ہی ہوا ہے۔کمار پاشی نے اپنی بیوی کے تعلق سے لکھی ہوئی نظموں کا ایک پورا مجموعہ ''اردھانگنی کے نام'' سے شائع کیا تھا۔حیدرقریشی نے اپنی ازدواجی زندگی کے ساڑھے بارہ سال مکمل ہونے پر ''نصف سلور جوبلی'' کے نام سے جو نظم کہی ہے وہ ان کے جذبات کی شیفتگی کی آئینہ داری کرتی ہے۔انہوں نے ''اردھانگنی'' کے ساتھ اپنے بچوں کو بھی جزوحیات بنادیا ہے۔**مظہرامام کے مضمون ''عمرِ گریزاں کی شاعری'' سے اقتباس**

بیوی کا خاکہ، جسے ''رسماً'' بڑی آسانی سے "اڑایا" جا سکتا تھا۔حیدرقریشی وہاں بھی مودب اور بیوی کی محبت میں ڈوبا دکھائی دیتا ہے۔حالانکہ کوئی بھی خاکہ نگار دل کی بھڑاس نکالنے کا ایسا سنہری موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔حیدرقریشی نے اپنے عزیزوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش تو کیا، ایسا خیال بھی اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا۔

قاضی اعجاز محور کے مضمون ''میری محبتیں'' سے اقتباس

خود حیدرقریشی اور ان کی بیوی مبارکہ کے درمیان لوگوں نے دیوار اٹھانے کی کوشش کی مگر صراحتاً یہ نہیں لکھا گیا کہ اسباب کیا تھے جن کی روشنی میں مذہبی ملاؤں نے جدائی کا اعلان کیا۔بہرحال حیدر صاحب نے کامیاب ازدواجی زندگی میں رخنہ پڑنے نہیں دیا۔

رؤف خیر کے مضمون ''میری محبتیں'' سے اقتباس

حیدر نے دیگر احباب کے ساتھ ان یادوں میں اپنے والدین، اپنی شریک حیات مبارکہ اور اپنے حقیقی دوست (خداتعالیٰ) کا ذکر بہت عمدگی سے کیا ہے۔

کرشن مہیشوری کے مضمون ''کھٹی میٹھی یادیں۔ایک مطالعہ'' سے اقتباس

''پسلی کی ٹیڑھ'' میں آپ نے اپنی شریکِ حیات کا جس انداز میں تذکرہ کیا ہے اس سے بے انتہا مسرت ہوئی۔ ورنہ عموماً ہمارے معاشرے میں والدین کے انتخاب کردہ شوہر بیوی میں زیادہ تر ساری عمر ''سرد جنگ'' سی جاری رہتی ہے۔ وہ شریک سفر تو ہوتے ہیں' شریکِ زندگی نہیں۔

صفیہ صدیقی کے مکتوب سے اقتباس

حیدر قریشی نے ۱۹۷۸ء کے آخر میں ''جدید ادب'' کتابی سلسلے کے اجراء کا پروگرام بنایا۔(میری محبتیں ،ص ۴۸)۔ کتابی سلسلہ جاری ہوا،اس میں ان کی تمناؤں کا لہو شامل ہوا۔ ہر شمارے کے ساتھ ان کا ایک آدھ زیور بِک جاتا۔اس اللہ کی بندی نے ایک دفعہ بھی تکرار نہیں کی۔ جب تک ان کے زیور نے ساتھ دیا'جدید ادب' جاری رہا۔ زیور ختم ،'جدید ادب' بند۔(میری محبتیں ص ۸۳)

ڈاکٹر وسیم انجم کی کتاب ''حیدر قریشی فکر و فن'' کے ایک مضمون سے اقتباس

جرمنی اپنی فراخدلی کی وجہ سے مشہور ہے۔ آپ اگر کسی Skin Head کے ہتھے نہ چڑھے تو آپ زندگی کا بقیہ حصہ (جسکے نہایت لمبا ہونے کا قومی امکان موجود ہے) نہایت عافیت سے گذاریں گے۔ ہم سب یہاں خیریت سے ہیں۔ بھابی مبارکہ کو میری اور ریحانہ کی طرف سے سلام اور مبارکباد بھی کہیں کہ آپ کو دوبارہ پا لیا ہے۔ خواہ چھ ماہ بعد مجھے اس مبارکباد دینے پر کوسنے دیں۔ آپ کا مخلص اظہر علی (میجر اظہر صاحب کے مکتوب سے اقتباس)

جہاں تک ان کی بیگم صاحبہ کے انٹرویو کا تعلق ہے۔ اس سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ ایک اہلِ قلم کی مصروفیات کس طرح ان کی بیویوں کے لئے سوکن کا کام دیتی ہیں۔ اس انٹرویو سے ہمیں حیدر قریشی کی بے پناہ ادبی مصروفیات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اس کام کے لئے وقت کی کتنی

قربانی دیتے ہیں۔ اسلم رسولپوری کے مضمون ''حیدر قریشی کے انٹرویوز'' سے اقتباس

حیدر بھائی کی زندگی میں انٹرنیٹ کا ، بلکہ خود انٹرنیٹ کی زندگی میں حیدر بھائی کا اتنا عمل دخل ہو گیا ہے کہ جس اردو سائٹ پر جائیے وہاں وہ کسی نہ کسی روپ میں مل جائیں گے۔ سنا ہے گھر میں ان کا زیادہ تر وقت کمپیوٹر کے ساتھ ہی گزرتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی بیگم نے اسے اپنی سوت مان لیا ہے، اور بے چاری ہر دم بس کمپیوٹر کو ان سے خلع دلانے کی شرعی تدبیریں سوچتی رہتی ہیں۔

نصرت ظہیر کے مضمون ''حیدر بھائی پر ایک ادھورا مضمون'' سے اقتباس

حیدر قریشی احساس کمتری کا شکار نہیں ہیں۔ کیونکہ انھوں نے جرمنی پہنچنے پر اپنے جن تاثرات اظہار کیا ہے۔ ان سے بیوی کی برتری ثابت ہوتی ہے، اور یہ ان کی روشن خیالی و وسیع النظری ہے۔

ڈاکٹر لئیق صلاح کے مضمون ''کھٹی میٹھی یادیں کے تناظر میں'' سے اقتباس

جب حیدر قریشی صاحب کا فون ملا تو آواز اسی طرح ہشاش بشاش اور حوصلے جوانوں کی طرح بلند۔ انہوں نے کہا رسالہ پڑھا ہے میں نے ہاں ہوں کر دی' انہوں نے اپنی گزشتہ سال دو سال کی بیماری قلب اور اپنی اہلیہ مبارکہ کی زندگی و موت سے کشمکش کی جو روداد سنائی تو میں نے سوچا ہر آدمی دکھ درد میں مبتلا ہے' کس کس کی داستان سنی جائے۔ انہوں نے کہا میرے رسالے کے صفحات 225 تا 238 پڑھ لیں آپ اپنی بیماری بھول جائیں گے۔ میں نے فون بند کر کے بادل ناخواستہ کتاب کا وہ حصہ پڑھا تو واقعی اپنی بیماری بھول گیا' بعد ایک مدت کے میرے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر میرے گھر والے خوش اور حیران ہوئے' میں نے سب سے وہ مضمون پڑھوایا' اس دوران میں اپنی بیماری بھول گیا۔ حیدر قریشی کے گھرانے پر بجلی کی طرح گرنے والی بیماریوں کا حال پڑھا تو یقین نہ آیا۔ ۔۔۔خوش قسمتی سے وہ مہذب و مالدار ملک جرمنی میں تھا' جہاں اس کا اور گھر والوں کا ایسا علاج ہوا کہ حیدر پھر اٹھ کے چل پڑا' ان کی اہلیہ 13 برس سے بیمار ہے اور علاج کروا رہی ہے۔ ان کے

گردے تقریباً فیل ہیں مگر شاباش ہے جرمنی کی فلاحی مملکت پر کہ انہوں نے مریض کو اپنی گاڑی بھیج کر روزانہ لانے لے جانے کا ذمہ بھی لے رکھا ہے، زیادہ ضرورت پڑے تو ہیلی کاپٹر بلا کر کسی اور بڑے ہسپتال پہنچا دیتے ہیں۔

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان کے کالم دل پشوری سے اقتباس۔ روزنامہ ’’آج‘‘ پشاور ۲۵؍جولائی ۲۰۱۰ء

حیدر قریشی کی تحریریں ہمہ جہت حیثیت رکھتی ہیں ان میں جہاں تحقیق و تنقید کے محاکے قاری کو دعوتِ فکر دیتے ہیں وہاں تخلیقی رنگ و آہنگ بھی اپنا جادو جگاتا نظر آتا ہے۔اُن کی تخلیقی سرگرمیوں کا دائرہ خاصا وسیع ہے جس پر پاک و ہند کے علاوہ دیگر یورپی ممالک کے ادبا نے دل کھول کر داد دی ہے۔قریشی صاحب نے اپنی تخلیقی نثر میں جہاں متنوع موضوعات پر خامہ فرسائی کی وہاں اہل خانہ کو بھی خاص اہمیت دی ہے یہی وجہ ہے کہ اُن کی ادبی کہکشاں میں ہر رنگ کا ستارہ جھلملا رہا ہے۔زیرِنظر مضمون میں صرف اُن تحریروں کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے جن کا تعلق اُن کی اہلیہ (مبارکہ) کے ساتھ ہے۔اس حوالے سے اُن کی نمائندہ تحریر وہ خاکہ ہے جو اُنھوں نے ایک خاص کیفیت میں ڈوب کر لکھا ہے۔۔۔۔۔

حیدر قریشی نے زوجہ مبارکہ کا ذکر جہاں بھی کیا کمال محبت اور لگاؤ سے کیا ہے، ’’کھٹی میٹھی یادیں‘‘ کا آخری حصہ جہاں تمام اہم احباب کا تذکرہ روانی سے آگے بڑھتا ہے وہاں ایک بار پھر بہانے بہانے سے اہلیہ کی باتیں ہونے لگتی ہیں۔ان باتوں میں مبارکہ کی بیماری کا احوال سامنے آتا ہے اور دوطرفہ محبت اور احترام کی کیفیات بھی لہریں مارتی نظر آتی ہیں۔

حیدر قریشی نے جب اپنا کلیات ’’عمر لاحاصل کا حاصل‘‘ مرتب کیا تو اس کا انتساب لکھتے ہوئے ایک بار پھر ’’اظہارِ تشکر‘‘ کا آغاز اپنی اہلیہ سے کیا ہے:

’’اپنی اہلیہ مبارکہ کا شکریہ جس نے مجھے میری ساری خامیوں سمیت نہ صرف قبول کر رکھا ہے بلکہ مجھے ادبی کاموں میں ہر طرح کی سہولت بھی فراہم کرتی رہتی ہے۔‘‘

یہ محبت کی کہانی مزید آگے بڑھتی ہے اور ’’محبت کے پھول‘‘ میں ایک پھول ادائے خاص سے

مبارکہ کی نذر کرتے ہیں:

اک روح کا قصہ ہے / میرے بدن ہی کا / جو گم شدہ حصہ ہے

(عمرِ لاحاصل کا حاصل: ص ۱۳۹)

ایک عام قاری کو بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حیدر قریشی کا رویہ اپنی اہلیہ کی جانب حد درجہ ہمدردانہ اور مشفقانہ ہے۔اس حوالے سے ان کی ہر تحریر دردمندی اور احسان مندی کی کیفیت میں ڈوبی نظر آتی ہے۔حق سچ کی بات تو یہ ہے کہ بیوی کے حوالے سے یہ عمومی رویہ نہیں ہے۔یہ ایسا خاص الخاص رویہ ہے جو ہر کسی کو ارزانی نہیں ہوسکتا،اور کہیں نظر آجائے تو حیرت ضرور ہوتی ہے۔اس نوع کی کیفیات کا صرف وہی شخص مکلّف ہوسکتا ہے جو ذہنی آسودگی سے مالا مال ہو،اپنی شریکِ حیات کو زندگی کی مسرتوں اور ازلی خوشیوں کا محرکِ اول مانتا ہو۔حیدر قریشی کے فکری نظام میں اہلیہ کی علامت خوش بختی اور بے لوث محبت کا بلیغ اشاریہ ہے،اُنھوں نے اپنی تحریروں سے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے اور یہ عورت بیوی بھی ہوسکتی ہے۔حیدر قریشی کے اس خوب صورت ماہیے کے ساتھ بات تمام کرتا ہوں۔۔۔۔۔۔

اظہار ضروری ہے / پیارا گر ہو تو / اقرار ضروری ہے

عامر سہیل کے مضمون ’’حیدر قریشی کی تحریروں میں زوجہ مبارکہ کا ذکر‘‘ سے اقتباس

اِن ادبی احباب کی جانب سے خطوط اور ای میلز کے ذریعے امی کی خیریت پوچھی جاتی رہی اور ذکر ہوتا رہا۔بعض شخصیات نے فون پر براہِ راست امی سے باتیں کیں،اور کرتی رہتی ہیں۔

عبداللہ جاوید (کینیڈا)،شہناز خانم عابدی (کینیڈا)،ترنم ریاض (دہلی)،عامر سہیل (ایبٹ آباد)،حسن آتش (کلکتہ)،نسیم انجم (کراچی)،ڈاکٹر رضیہ اسماعیل (انگلینڈ)،ارشد خالد (اسلام آباد)،سعید شباب (خانپور)،ڈاکٹر رضیہ حامد (بھوپال)،فرحت نواز (رحیم یار خان)، نصرت بخاری (اٹک)،مسز اینڈ ڈاکٹر عبدالرب استاد (گلبرگہ)،ڈاکٹر نذر خلیق (راولپنڈی)۔

امی کے نام ابو کی

کتابوں کے انتساب

ابو کی مندرجہ ذیل کتابوں کا انتساب امی کے نام کیا گیا ہے۔

۱۔**سلگتے خواب** (پہلا شعری مجموعہ۔مطبوعہ۱۹۹۱ء۔اسلام آباد۔ص۱۴۴)

انتساب مبارکہ کے نام

اور نیچے یہ شعر درج ہے

استعارے تو کجا سامنے اس کے حیدر
شاعری ایک طرف اپنی دھری رہتی ہے

۲۔**And I Wait** افسانوں کا انگریزی ترجمہ (مطبوعہ۲۰۰۸ء۔دہلی۔ص۱۵۸)

Dedicated to
Life Partner
MUBARIKA

۳۔**اردو ماہیا تحقیق وتنقید** (مطبوعہ۲۰۱۰ء۔لاہور۔ص۵۵۶)

انتساب مبارکہ کے نام

اور نیچے یہ ماہیا درج ہے۔

اس حال فقیری میں
عمریں بیت گئیں
زلفوں کی اسیری میں

انٹرنیٹ کی دنیا

اس کتاب میں ابو کی جن کتابوں کے اقتباس دیئے گئے ہیں
وہ سب انٹرنیٹ پر دستیاب ہیں۔دو مربوط بلاگس جہاں سے
ان کتابوں کو آسانی سے ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے، یہ ہیں۔

ابو کی ہر کتاب الگ الگ

http://my27books.blogspot.de/

ابو کی کتابیں کلیات کی صورت میں

http://kuliat-library.blogspot.de/

ابو کے بارے میں لکھی گئی یا مرتب کی گئی کتابیں، ان کے انٹرویوز
اور یونیورسٹیوں میں لکھے گئے مقالات اس بلاگ پر موجود ہیں۔

http://work-on-haiderqureshi.blogspot.de/

ضروری وضاحت: اس کتاب کے ابتدائی سولہ صفحات، انتساب، فہرست اور پیش لفظ پر مشتمل ہیں انہیں i سے xvi تک رومن ہندسوں میں لکھا گیا ہے۔ان کے بعد کتاب ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' کو صفحات کی نمبرنگ سمیت اس کے پہلے ایڈیشن کے مطابق شامل کرلیا گیا ہے۔ یہ کتاب صفحہ نمبر 1 سے شروع ہو کر صفحہ 96 تک محیط ہے۔صفحہ 96 کے بعد اب اس صفحہ کا نمبر 97 لکھنے کی بجائے یہاں ابتدائی 16 رومن ہندسوں کو گنتی میں شامل کرلیا گیا ہے اور اس صفحہ کا نمبر 113 درج کیا جا رہا ہے۔آگے آخر تک یہی ترتیب قائم رہے گی۔امید ہے قارئین اس وضاحت کے بعد کسی الجھن میں نہیں رہیں گے۔آپ سب کا شکریہ۔(حیدر قریشی)

''ہماری امی مبارکہ حیدر''

کے حوالے سے لکھے گئے تبصرے، تاثرات اور مضامین

ڈاکٹر انور سدید (لاہور)

ہماری امی مبارکہ حیدر

(مرتب: شعیب حیدر)

معروف شاعر، نقاد، افسانہ نگار اور ادبی صحافی حیدر قریشی کے پانچ بیٹے بیٹیوں نے جوان کے ساتھ جرمنی میں آباد ہیں، ایک انوکھا کتابی کارنامہ انجام دیا ہے اور خود انکشاف کیا ہے کہ ''یہ کتاب جو ہماری امی کے ذکر پر مشتمل ہے، ہم پانچ بھائی بہنوں کی جانب سے امی کے ساتھ اظہار محبت کی ایک صورت ہے۔'' انوکھی بات یہ بھی ہے کہ ان بچوں میں سے کسی نے اپنی امی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان بچوں میں سے کوئی ایک بھی ادیب نہیں بنا حالانکہ حیدر قریشی اور ان کی بیگم مبارکہ حیدر نے ان کے ذوقی مشاغل پر کبھی قدغن نہیں لگائی اور ان کی تعلیم کے دوران اپنی لائبریری ان کی دسترس میں رکھی۔لیکن اتفاق کچھ یوں ہوا کہ سب بچوں نے ادبی زندگی اختیار کرنے کی بجائے فعال عملی زندگی کو ترجیح دی۔وہ اچھے ادب کی پہچان بھی رکھتے ہیں، اس کا ثبوت زیرِ نظر کتاب ہے جو ان پانچ بچوں نے حیدر قریشی کی مختلف کتابوں کے اقتباسات سے مرتب کی ہے۔جرمنی کی آزاد فضا میں جب انہیں احساس ہوا کہ مبارکہ بیگم نے کیسی کیسی مشکلات میں حیدر قریشی کا ساتھ دیا اور اپنی تمام تر مادری محبت ان پر نچھاور کر دی تو ایک بیٹا شعیب حیدر کہہ اُٹھا:

''امی نے ساری زندگی ابو کے ہر دکھ سکھ میں ساتھ نبھایا ہے۔اگر ابو کی زندگی کو پورے پس منظر کے ساتھ دیکھیں تو ہمارے سماج نے ان کے ساتھ شدید ناانصافیاں کی ہیں جن کے نتیجہ میں انہوں نے بے شمار دکھ جھیلے ہیں۔امی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ہر دکھ میں مکمل طور پر ابو کا ساتھ نبھایا ہے۔''

ایک مشرقی عورت ہونے کے ناتے مبارکہ بیگم کے بے لوث محبت کے عمل نے حیدر قریشی کو سرشار رکھا اور انہوں نے جب بھی قلم اُٹھایا تو موقع اور محل کے مطابق اپنی بیگم کا ذکر اس سلیقے سے کیا کہ مبارکہ بیگم کا کردار مثبت خطوط پر ابھرتا چلا گیا اور حیدر قریشی بھی اس الزام کی زد میں نہ آسکے کہ وہ جورو کے غلام ہیں۔اس کی مثال ان کا خاکہ ''پسلی کی ٹیڑھ'' ہے جو ڈاکٹر وزیر آغا کے رسالہ ''اوراق'' میں شائع ہوا تھا تو حیدر قریشی نے اسے اپنی اہلیہ کی یادوں سے ہی سجایا تھا اور انہیں بیوی کی بجائے ایسے مخلص ترین دوست کا درجہ دیا تھا جو بدخواہوں سے ورغلایا نہیں جا سکتا۔
اب یہ بتانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب حیدر قریشی کی تحریروں سے مرصع کی گئی ہے اور وہی اس کے بنیادی اور اولین مصنف ہیں۔میں کہہ سکتا ہوں کہ ''ہماری امی'' اپنی نوعیت کی اولین کتاب ہے جس کی ترتیب و تدوین پر حیدر قریشی کے بچے مبارک باد کے مستحق ہیں۔سرورق پر مبارکہ حیدر کی تصویر ہے۔یہ تصویر ان کی اپنی ہے لیکن سر پر ٹوپی حیدر قریشی کی ہے جو ان کے ''سرتاج'' ہیں۔اعلیٰ کاغذ پر چھپی ہوئی یہ کتاب 96 صفحات پر مشتمل ہے۔قیمت 150 روپے۔
ملنے کا پتہ عکاس انٹرنیشنل پبلی کیشنز، مکان نمبر 1164، گلی نمبر 2، بلاک سی، اسلام آباد

مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت لاہور۔سنڈے میگزین۔14 جون 2015ء

کتاب پر اور کتاب پر لکھے گئے بعض تبصروں پر موصولہ چند تاثرات

ای میلز اور میسجز بنام حیدر قریشی

گلزار (بمبئی):

Thank you for the book "Hamari Ammi". A very affectionate effort.

ترنم ریاض (دہلی):

Great! Long live Shueb Hyder and the family!

واہ۔۔۔اس سے بڑا اخراجِ عقیدت اور کیا ہوسکتا ہے۔اللہ محبتوں کی زبان بولنے والے ان بچوں کو کامرانی عطا کرے۔دودھ کا حق ادا کر دیا۔

نسیم انجم (کراچی): انور سدید صاحب کا مضمون پڑھا، بہت اچھا لگا۔انہوں نے سچائی کے ساتھ تبصرہ کیا ہے۔

ناصر علی سید (پشاور): بہت عمدہ تبصرہ ہے۔کتاب ہے ہی بہت خوبصورت۔عقیدت، محبت اور احترام میں گندھی ہوئی۔

صادق باجوہ (امریکہ):

Shoab along with his brothers/sister deserves congratulation.
I could read only introduction. I read column of Anwar Sadeed that is brief but wonderful
covearge that comes out only from a reputed and sincere writer like Anwar Sadeed.

ڈاکٹر انوار احمد (ملتان):

Piyaray Haider! You are quite young and energetic,I must confess that I can not match your speed.However I enjoy reading you.Recently I was amused by seeing your cap upon the head of the mother of your children and review upon the book.

زکریا ورک (کینیڈا):

hearty congratulations on the publication of book 'hamari ammie'
wunderbar Zakaria Virk, Toronto Canada

ڈاکٹر رضیہ اسماعیل (برمنگھم):

Thanks for sending the link, interesting tabsara as usual. well done.

خالد ملک ساحل (جرمنی): بہت بہت مبارکباد! منفرد سوچ، منفرد انداز۔

سلمیٰ بانو (بنگلور): اس انوکھی کتاب پر انور سدید صاحب نے تبصرہ بہت عمدہ انداز میں کیا ہے جس سے کتاب کی افادیت پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تصویر مبارکہ کی ہے اور ٹوپی آپ کی۔ بہت یونیق سی پیش کش ہے جس سے شعیب کی ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔۔۔ایک مثالی بیوی، ایک قدر شناس شوہر اور ایک پریم کہانی۔ اللہ نظرِ بد سے بچائے، یہ ساتھ، یہ محبت سدا رہے، آمین۔

شہناز خانم عابدی: (کینیڈا) سنڈے میگزین میں چھپنے والے تبصرے کا لنک پڑھا۔ رونا آ گیا۔ بھابی بے حد یاد آئیں۔ ماں کی محبت تو دل میں ہوتی ہے لیکن بچوں کا ماں سے محبت کا اظہار، خدمت کا اعتراف، اور زندگی کے ہر نشیب و فراز میں ان کا ساتھ دینا، آپ کا اور آپ کے بچوں کا ان تمام چیزوں کے اظہار کا انداز بہت پیارا ہے، سچا ہے، محبت سے بھرا ہوا ہے۔

سید نصرت بخاری (راولپنڈی)

انوکھی محبت

ہماری امی مبارکہ حیدر کو شعیب حیدر نے مرتب کیا ہے۔ شعیب حیدر معروف ادیب حیدر قریشی کے فرزند ہیں۔ لکھتے ہیں:

’’کیا یہ ضروری ہے کہ پہلے ماں کے مرنے کا انتظار کیا جائے اور پھر ماں کو یاد کرتے ہوئے کوئی کتاب ترتیب دی جائے‘‘(۱)

زندہ ماں پر کتاب مرتب کر کے اس نوجوان نے واقعی اردو میں ایک انوکھی روایت کا آغاز کیا ہے۔ کتاب کا مواد حیدر قریشی کی کتب سے اخذ کیا گیا ہے۔ کتاب کا نام ہے تو ہماری امی مبارکہ حیدر لیکن یہ کتاب حیدر قریشی کے لامتناہی عشق کا اظہار ہے جس کا آغاز اس عمر میں ہوا جب انسان جھوٹ نہیں بولتا۔

حیدر قریشی لکھتے ہیں: میں غالباً چھے سال کا تھا۔۔۔ بڑی ممانی نے لاڈ سے پوچھا: فلاں سے شادی کرو گے؟۔ میں نے صاف انکار کر دیا۔ پھر پوچھا گیا: کس سے کرو گے؟ میں نے بڑے اعتماد کے ساتھ مبارکہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: اس سے کروں گا۔۔۔اگر آپ مبارکہ سے شادی نہیں کرو گے تو جب یہ روٹیاں پکا رہی ہو گی، جیپ لے کر آؤں گا اور اس کو بٹھا کر لے جاؤں گا۔(۲)

۔میں نے اس عشق کی جڑیں تلاش کرنے کی کوشش کی تو وہ مجھے اس روایت میں ملی جو حیدر قریشی نے بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں: ماموں ناصر کے ساتھ میری محبت دراصل بچپن کی محبت ہے۔(۳) ماموں ناصر کی محبت حیدر قریشی کے دل و دماغ میں رچی بسی ہوئی تھی۔ اسی محبت کی روشنی نے اسے مبارکہ کے قریب تو کر دیا لیکن ابھی محبت کی تکمیل باقی تھی۔ محبت کی تکمیل کا دوسرا مرحلہ ہمیں ایک

اور جگہ دکھائی دیتا ہے۔حیدر قریشی لکھتے ہیں:۔میری پہلی محبت بھی میری امی جی ہیں اور آخری محبت بھی امی جی ہیں۔(۴)

ماموں ناصر اور حیدر قریشی کی والدہ کے مابین بھی بہت پیار تھا۔یہی پیار حیدر قریشی کے مزاج کا حصہ بنتا گیا۔آخر کار تین مقدس ہستیوں والدہ ،ماموں ،مبارکہ کی محبت کا مرکب حیدر قریشی کی محبت کی تکمیل کا سبب بنا۔جب محبت کی جڑیں اتنی گہری ہوں تو حیدر قریشی کی مبارکہ مرحومہ سے شدید محبت قدرتی امر تھا۔

جیسا کہ پہلے کہ چکا ہوں کہ زیرِ تبصرہ کتاب کا مواد حیدر قریشی کی مختلف اصناف کی کتب سے لے کر یک جا کیا گیا ہے؛ان کتب میں خاکہ ہے،انشائیہ ہے،سفر نامہ ہے،انٹرویو ہیں،ان سب کے مطالعے سے یہ دل چسپ انکشاف بھی رونما ہوتا ہے کہ حیدر قریشی کہیں بھی مبارکہ کی تعریف سے غافل نہیں ہوئے بلکہ نہ صرف حیلے بہانے سے انھیں یاد کرتے ہیں بلکہ انھیں یاد کرنے کا جواز پیش کرتے نظر آتے ہیں۔مثلا

لڑکپن کے دو سال ہم نے اکٹھے گزارے تھے۔۔۔ہم دونوں ایک دوسرے کے مزاج شناس بن گئے۔پھر بات مزاج شناسی سے بڑھ کر محبت اور دوستی تک جا پہنچی۔اور وہاں سے بھی آگے بڑھی تو اس مقام کے بیان کے لیے کوئی لفظ نہ ملا۔بیوی،دوستی اور محبت۔یہ سارے رشتے مبارکہ کے سامنے چھوٹے پڑ گئے ہیں۔(۵)

میں نے کہیں پڑھا تھا کہ میاں بیوی میں محبت زیادہ ہو تو دونوں کی شباہت یک ساں ہو جاتی ہیں۔۔۔میرا خیال ہے میری اور مبارکہ کی شکلوں میں کچھ ایسا تغیر رونما ہوا ہے۔(٦)

۔میری پہلی محبت بھی میری امی جی ہیں اور آخری محبت بھی امی جی ہیں۔۔۔اپنی بیوی سے میری گہری دوستی کی وجہ شاید یہی ہے کہ۔۔۔امی جی سے کافی مشابہت بھی رکھتی ہے۔(۷)

مبارکہ سے حیدر قریشی کا عشق جذباتی ہے،وہ جذبات میں اسے کبھی بالواسطہ پیاری دیوی،کبھی بلا واسطہ سبز پری اور کبوتری کہتے ہیں لیکن ایک مقام پر پہنچ کر انھوں نے اپنے عشق کو ایسا پاکیزہ بنا دیا کہ مبارکہ جنت کی حور نظر آنے لگتی ہے۔اس منظر کو آپ بھی دیکھیے :ایک بار حضرت عائشہ نے

حضور ﷺ کی خدمت میں خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا چاہتی ہیں،تب حضور ﷺ نے حضرت عائشہ کا ہاتھ پکڑا اور انھیں حطیم میں لاتے ہوئے ارشاد فرمایا، یہاں نماز پڑھ لیں۔۔۔میں نے سنت رسول کی پیروی میں مبارکہ کا ہاتھ پکڑا اور اسی طرح اسے لے کر حطیم میں داخل ہوا۔(۸)

آخر میں ایک تجویز پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں ایک اس کتاب میں بچوں کے انٹرویو شامل کرنا بہت ضروری تھا،تاہم اب جوان سارے بچوں کی طرف سے اپنی امی کی یادوں پر مشتمل مضامین سامنے آرہے ہیں تو ان سے اس کمی کی تلافی ہو رہی ہے۔غالباً یہ سارے مضامین حیدر قریشی کی کتاب ''حیاتِ مبارکہ حیدر'' میں شامل کیے جا رہے ہیں جو اچھی بات ہوگی۔

حوالے:

(۱)ہماری امی مبارکہ حیدر،مرتب شعیب حیدر،عکاس انٹرنیشنل،پبلی کیشنز،اسلام آباد،ص۔۸

(۲)ایضاً،ص۔۱۱

(۳)ایضاً،ص۔۱۸

(۴)ایضاً،ص۔۱۹

(۵)ایضاً،ص۔۱۲

(٦)ایضاً،ص۔۱۳

(۷)ایضاً،ص۔۱۹

(۸)ایضاً،ص۔۵۴

عظیم انصاری (کولکاتہ)

شعیب حیدر کی کتاب ''ہماری امی مبارکہ حیدر''

لفظ محبت کی انسانی زندگی میں بڑی اہمیت ہے۔ انسانی زندگی کا رجحان تصور اس کے بغیر بے معنی ہے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ رشتوں کو برقرار رکھنے میں محبت کا زبردست ہاتھ ہوتا ہے۔ جس گھر میں محبت براجمان ہو تو سمجھ لیجئے وہ گھر تمام تر دشواریوں کے باوجود اپنی راہ پر گامزن رہتا ہے کیونکہ اس کے افراد ہر حال میں ایک رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے خوشی اور غم میں یکساں جذبات رکھتے ہیں۔ ایسا ہی خوبصورت گھر اردو کے معروف شاعر و ادیب حیدر قریشی صاحب کا ہے۔ گذشتہ ماہ مبارکہ حیدر کے انتقال سے اس گھر کی خوشی میں کمی آئی ہے لیکن محبت میں شدت پہلے جیسی ہے۔ ان کے انتقال کے بعد حیدر قریشی صاحب کے بیٹوں عثمان حیدر اور طارق محمود حیدر (ٹیپو) بڑی بیٹی رضوانہ کوثر اور چھوٹی بیٹی درثمین انور نے ان کی یادوں پر مشتمل مضمون لکھے جو بیٹوں، بیٹیوں کی طرف سے محبت کا عمدہ اظہار ہیں۔ یہ تحریریں دل کو چھو لینے والی ہیں۔

اس سلسلے کی ایک اور کڑی شعیب حیدر کی مرتب کردہ کتاب ''ہماری امی؍ مبارکہ حیدر'' ہے جو ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب اس لئے اہم ہے کہ اس میں نہ صرف مبارکہ حیدر کی شخصیت ابھر کر سامنے آئی ہے بلکہ خاندان کے دیگر افراد کی شخصیت بھی ابھر آئی ہے۔ اس میں سب سے نمایاں حیدر قریشی کی شخصیت ہے۔ حیدر قریشی ایسے قلمکار ہیں جنھوں نے اپنی ڈھیر ساری کتابوں میں اپنی بیوی کا ذکر کیا ہے۔ انھیں تحریروں کو بنیاد بنا کر شعیب حیدر نے اپنی امی کا خاکہ تیار کیا ہے جو اس قدر دلچسپ ہے کہ قاری اس میں کھو جاتا ہے۔ شعیب حیدر کا کمال یہ ہے کہ تانے بانے کو پروتے وقت کتاب کی روانی کو مجروح نہیں ہونے دیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ حیدر قریشی کے بچوں میں والدین کی محبت کا عکس نمایاں ہے۔

حیرت اور خوشی اس بات کی ہوتی ہے کہ غیر ملک میں رہتے ہوئے بھی وہ اپنی بنیاد سے جڑے ہوئے ہیں۔ شعیب اپنی امی ابو کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب میں یوں رقمطراز ہیں

''پہلا کمال امی کا ہے کہ انھوں نے اپنی محبت اور وفا سے ابو کے دل میں اس حد تک گھر کر لیا کہ وہ اتنی سرشاری کے ساتھ ان کا ذکر کرتے چلے گئے دوسرا کمال ابو کا ہے کہ انھوں نے ادبی دنیا کے رائج شدہ طریقوں کے برعکس اپنے خاکوں میں، یادوں میں، افسانوں میں، انشائیوں میں، انٹرویوز میں اور دوسری کتابوں میں امی کا ذکر بڑی محبت سے کیا اور کرتے چلے گئے۔''

اس کتاب پر ڈاکٹر انور سدید نے بہت عمدہ تبصرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''میں کہہ سکتا ہوں کہ ''ہماری امی'' اپنی نوعیت کی اولین کتاب ہے جس کی ترتیب و تدوین پر حیدر قریشی کے بچے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ سرورق پر مبارکہ حیدر کی تصویر ہے۔ یہ تصویر ان کی اپنی ہے لیکن سر پر ٹوپی حیدر قریشی کی ہے جو ان کے ''سرتاج'' ہیں۔''

گلزار، بمبئی سے اس کتاب کی رسید بھیجتے ہوئے لکھتے ہیں۔

Thank you for the book "Hamari Ammi". A very affectionate effort

ترنم ریاض نے ایک ماں کی حیثیت سے اس کاوش کو دیکھا اور لکھا۔

''واہ۔۔۔اس سے بڑا اخراجِ عقیدت اور کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ محبتوں کی زبان بولنے والے ان بچوں کو کامرانی عطا کرے۔ دودھ کا حق ادا کر دیا۔''

مذکورہ کتاب میں کل سترہ ابواب ہیں جن کے سہارے شعیب حیدر نے اپنی امی کی شخصیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جو حیدر قریشی کی تحریروں کی دین ہیں۔ مرتب کی خوبی یہ ہے کہ اس نے بڑی فنکاری کے ساتھ اس کی کڑیوں کو کامیابی کے ساتھ جوڑا ہے بلکہ اس کی روانی اور تسلسل کو بھی برقرار رکھا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ مبارکہ حیدر کی محبت میں لکھی گئی ہے لیکن اس میں حیدر قریشی اور ان کے بچوں کی تصاویر بھی ابھر آئی ہیں نیز ان کے درمیان محبت سے لبریز رشتے کا بھی پتا چلتا ہے۔

پروفیسر عبدالرب استاد (گلبرگہ)

''ہماری امی......مبارکہ حیدر''۔۔ ایک جائزہ

جرمنی میں مقیم ادیب وشاعر محقق ونقاد اور مدیر جدید ادب اردو حیدر قریشی کے فرزند نے اپنی والدہ کو ان کی حیات میں بطور تحفہ کتاب ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' ترتیب دے کر ان کی خدمت میں پیش کی تھی۔ انہیں یہ خیال دراصل اس لئے آیا کہ ادب میں اس طرح کے کام سرانجام پائے ہیں۔ جس کی مثالیں بھی انہوں نے اس کتاب کے پیش لفظ میں دی ہیں۔ کہ چودھری ظفر اللہ خان صاحب نے ''میری والدہ''، قدرت اللہ شہاب نے (خاکہ) ''ماں جی'' اور حمایت علی شاعر کی دختر جاوداں میر نے ''معراج نسیم'' کے عنوان سے کتابیں ترتیب دیں یا تحریر کیں۔ یہ تمام کتب بعد از وفات منظر عام پر آئیں۔ اس بابت حیدر قریشی کے گھر میں بحث چھڑ گئی جس میں ان کی تمام بیٹیوں اور بیٹوں نے یہ سوچا کہ کیوں نا ہم بھی اس طرح کی کوئی کتاب ترتیب دیں۔ پھر یہ سوال خود ہی کھڑا کیا کہ کیا اس قسم کی کتاب ترتیب دینے کیلئے والدہ کا گذر جانا ضروری ہے یا اس لمحے کا انتظار کرنا ہوگا۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس طرح کے کام کیلئے نہ تو ان کی وفات کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اور نہ ہی ان کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا۔ ان تمام بچوں نے اپنے والد محترم سے اس کا تذکرہ کیا کہ آگے کی کارروائی کس طرح انجام دی جائے اس پر محترم حیدر قریشی نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ

> ''بجائے اس کے کہ خود بھی لکھو اور دوسرے عزیز واقارب سے بھی لکھوانے کا جتن کرو، بہتر ہے کہ میری مختلف تحریروں میں آپ لوگوں کی امی کا جو ذکر موجود ہے اسی کو یکجا کرلو۔ میری تحریروں میں ان کا اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ لوگ اسی کو مرتب کر کے اپنی ماں کو مزید خوش کرسکتے ہو'' صفحہ ۸

اس طرح ان بچوں نے پروگرام بنایا اور اس کی ذمہ داری فرزند ارجمند شعیب نے لے لی۔ انہوں نے نہ صرف حیدر قریشی کی مختلف تحریروں کو کھنگالا بلکہ اس کے علاوہ حیدر قریشی کے حوالے سے ادب میں جو کام ہوا ہے اس کو بھی انہوں نے سمیٹا جن میں ایم اے، ایم فل، اور پی ایچ ڈی کے مقالوں میں جہاں جہاں مبارکہ حیدر کا ذکر ہوا اور مختلف انٹرویوز میں جہاں کہیں وہ نظر آئیں اس کو بھی جمع کرلیا اس طرح ایک مہینے کی مختصر سی مدت میں یہ کتاب مرتب کی گئی۔ یعنی یکم مارچ 2015 کو اس بابت گفتگو کا آغاز ہوا اور چوتھی اپریل 2015 کو یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی حسن اتفاق کہ یہ تاریخ والدین کی شادی کی چوالیس ویں سالگرہ تھی اس مناسبت سے بچوں نے اپنی ماں کو یہ کتاب تحفتاً عنایت کی۔ اس وقت تو بس کسی حد تک وہ خوش بھی ہوئیں کہ ایک ادیب کی بیوی کو ان کے بچوں کی جانب سے علمی وادبی تحفہ میسر آ گیا یہ ایک انوکھا تحفہ ہونے کے ساتھ ساتھ یادگار تحفہ بھی ثابت ہوا۔

اس کتاب کو شائع ہوئے چار سال کے بعد اب جبکہ مبارکہ حیدر ہمارے درمیان نہیں رہیں اس کتاب کی اہمیت اور بڑھ گئی اب رہ رہ کر یاد آتی ہے جو ان کے قریب رہے ہیں ان میں خواہ ان کے رفیق حیات حیدر قریشی ہوں کہ ان کے لڑکے اور لڑکیاں (بہوئیں اور داماد بھی) اس طرح جن کے قریبی تعلق اس خاندان سے رہے انہیں بھی اور ادب سے وابستہ افراد کو بھی یک گونہ صدمے سے گذرنا پڑا۔ شعیب حیدر کی مرتبہ کتاب کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ گئی کہ اس میں مرحومہ کے تعلق سے مکمل مواد ایک جگہ دستیاب ہوا۔ اور انہیں پڑھ کر اپنی یادوں کو تازہ کرنے اور مبارکہ حیدر کو دعائے مغفرت دینے کا ایک ذریعہ بن گیا۔ اس کتاب میں مبارکہ حیدر کے حالات، واقعات، ان کی سادگی، ان کی محبتیں، ان کی دوستی، ان کے جذبات غرض وہ سارے حالات ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ وہ ایک اہلیہ، ماں، ساس، دادی، نانی ان سب سے کہیں زیادہ

اس خاندان کی ایک مربی کی حیثیت سے ہماری سامنے آتی ہیں۔ان کی شفقتیں ان کا پیار اوران کے من جملہ جذبات ہمارے علم میں آجاتے ہیں۔غرض ان کی پیدائش سے لے کرآخری عمر تک کے حالات اس کتاب میں یکجا مل جاتے ہیں۔اس کے بعد والا حصہ خود حیدرقریشی نے ''پسلی کی ٹیڑھ'' کا دوسرا حصہ (بعداز وفات) تحریر کردیا ہے۔جوان کی اگلی کتاب ''حیاتِ مبارکہ حیدر'' میں آرہا ہے۔

اس کتاب کے مشمولات کو دیکھنے سے حیدرقریشی کی دوراندیشی اور بصیرت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔وہ ایک ادیب وشاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے دوست اور رفیق حیات بھی رہے کہ انہوں نے اپنی شریک حیات کو کبھی اپنے افسانوں میں جگہ دی تو کبھی خاکوں میں، کبھی نشائیوں میں یاد کیا تو کبھی اپنی یادداشت نگاری میں، غرض انہیں ادبی دنیا میں اپنے ساتھ ساتھ لئے پھرے۔حیدرقریشی نے اپنی مختلف کتابوں میں اپنے محبوب، اپنی رفیق حیات کوسمودیا۔ جسے ان کے فرزندارجمند شعیب حیدر نے یکجا کر کے زندہ جاوید کردیا۔اور وہ مواد یا کتاب مبارکہ حیدر کی وفات کے بعد بہت اہمیت کی حامل بن گئی۔اوراب تو اسی کتاب سے آگے بڑھ کر حیدرقریشی اپنی کتاب ''حیاتِ مبارکہ حیدر'' جلد شائع کرنے جارہے ہیں۔جسے وہ بجاطور پر اپنا ''قلمی تاج محل'' قراردے رہے ہیں۔ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مبارکہ حیدر کو جنت الفردوس میں علی علیین مرتبہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرتے ہوئے مرحومہ کیلئے مغفرت کی دعا کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

نسیم انجم (کراچی)

ایک اہم کتاب

جرمنی سے ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' کے عنوان سے کتاب موصول ہوئی۔اس کے مرتب شعیب حیدر ہیں، جومبارکہ حیدرقریشی کے صاحبزادے ہیں۔اگر فہرست پر نگاہ ڈالیں تو انتساب اور خطوط کو ملاکر 17 مضامین شامل کتاب ہیں۔حیدرقریشی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، ان کا خاص حوالہ علم وادب ہے، ادب کی تمام تقریبات پر انھوں نے قلم اٹھایا اور کامیاب ہوئے۔ان کی تحریروں کے قارئین ونقاد انھیں سکہ بند ادیب تسلیم کرنے میں قطعی طور پر عار محسوس نہیں کرتے ہیں۔اپنی زندگی کے گزرے برسوں میں وہ تخلیقی سفر پر برہنہ پا نکلے اور تجربات ومشاہدات کے گوہر نایاب سے اپنا دامن بھرلیا۔مذکورہ کتاب ایک تخلیق کار کی اپنی ہم سفر سے محبت کے نتیجے میں اشاعت کے مرحلے سے گزری ہے۔کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں میاں بیوی محبت کے بے مثال و بےلوث رشتے سے ازل سے ہی منسلک ہیں۔حیدرقریشی جن آزمائشوں سے گزرے ہیں ان کی بیگم مبارکہ حیدران کے شانہ بہ شانہ چلی ہیں۔حیدرقریشی نے ان کا تذکرہ اپنی تحریروں میں بے حد چاہت اور قدردانی کے ساتھ کیا ہے۔انھوں نے خاکے بھی لکھے ہیں اور افسانے اور نظمیں بھی۔حیدرقریشی کی تحریروں میں ماضی کے دھندلکے اور حال کی روشن باتیں بھی شامل ہیں، بچپن کے دنوں اور سوئے حجاز اور سفر حجاز کے مواقعوں پر بھی وہ اپنی بیگم سے بچھڑنے کا ذکر اس قدر دردمندی سے کرتے ہیں کہ قاری ان کی آنکھوں کی نمی بھی محسوس کرسکتا ہے اور فراق کی کیفیت بھی۔

اس کتاب کی اشاعت سے قبل میں نے بھی مبارکہ حیدر کے حوالے سے پاکیزہ ڈائجسٹ کو تلاش کرنے کی کوشش کی اور جب لیاقت لائبریری اور صفیہ ملک صاحبہ رابطہ کیا اوران

سے تعاون کی درخواست کی تو انھوں نے دونوں میاں بیوی کی والہانہ محبت کے قصے سے سرشار ہوکر مکمل طور پر مدد کرنے کی کوشش کی۔ میں صفیہ ملک کی بے حد شکر گزار ہوں، یقیناً وہ بے حد مخلص اور نیک اطوار کی مالک ہیں۔ لیاقت لائبریری کی خواتین جن کا اتفاق سے مجھے نام یاد نہیں رہا، وہ خود بھی پاکیزہ 1991 شمارہ مئی یا جون کو تلاش کرانے میں ساتھ ساتھ رہیں۔ لیکن تلاش بسیار کے بعد بھی مطلوبہ پرچہ نہ مل سکا۔ بہرحال ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' یقیناً پڑھی جانے والی کتاب ایک محبت کرنیوالے شوہر کا اپنی چہیتی بیوی کو خراجِ تحسین بھی ہے اور نئے لیلیٰ و مجنوں کا قصہ بھی۔ بے شک مبارکہ صاحبہ ان گنت ایسی خوبیوں کی مالک ہیں کہ انھیں چاہا جائے اور قدر کی جائے۔

ڈیلی ایکسپریس کراچی۔اتوار۔16اگست2015

ڈاکٹر رضینہ خان (دہلی)

''ہماری امّی مبارکہ حیدر''

یکم مارچ ۲۰۱۵ کو حیدر قریشی کے گھر پر ہونے والی تقریب میں میکسم گورکی کے ناول 'ماں' سے بات شروع ہوکر 'ہماری امّی مبارکہ حیدر' پر ختم ہوتی ہے۔ بعض کتابیں ایسی ہوتی ہیں جو نہایت سادہ انداز میں لکھی جاتی ہیں مگر ان کا مطالعہ کرنے سے ان کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے۔ ''ہماری امّی مبارکہ حیدر'' نامی کتاب کا شمار اسی قسم کی کتابوں میں ہوتا ہے۔ یہ کتاب احساسات اور جذبات کی ترجمان ہے۔ یہ کتاب دراصل معروف شاعر اور ادیب حیدر قریشی کی اہلیہ مبارکہ حیدر سے متعلق ہے۔ اگر چہ یہ پانچوں بچوں کی مشترکہ کاوشوں کا نتیجہ ہے تاہم شعیب حیدر جوان کے بڑے بیٹے ہیں اس کتاب کے مرتب ہیں۔ کتاب کا تانا بانا محبت سے تیار کیا گیا ہے۔ گر چہ ماں کی محبت، عظمت اور شفقت کا قرض ادا کرنا ناممکن ہے لیکن ماں سے اپنی محبت کے اظہار کے لیے وقت اور لفظوں کی کوئی قید نہیں۔ 'ہماری امّی مبارکہ حیدر' بھی اسی محبت کا اظہار ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں حیدر قریشی کی وہ تحریریں شامل ہیں جن میں مبارکہ حیدر کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے لکھے ہوئے خاکے، افسانے، انشائیوں، شاعری اور انٹرویوز سبھی میں ان کی اہلیہ کا عکس موجود ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے ان کی زندگی میں مبارکہ حیدر کی کیا اہمیت رہی اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ خاکہ 'پسلی کی ٹیڑھ' میں حیدر قریشی لکھتے ہیں:

'بیوی بالخصوص زندہ بیوی کا خاکہ لکھنا اپنی خیریت کو داؤ پر لگانے اور شیر بلکہ شیرنی کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے۔ بہر حال میں اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ لکھوں گا سچ لکھوں گا۔ سچ کے سوا کچھ نہیں لکھوں گا۔ اللہ میرحفاظت فرمائے۔'

حیدر قریشی اور ان کی اہلیہ کے درمیان کس قدر بے تکلفی اور اپنائیت کا رشتہ تھا اس کا

انداز ہ مذکورہ بالا سطور سے لگایا جا سکتا ہے۔مبارکہ ایک محبت کرنے والی خاتون تھیں ان کا دل بہت صاف تھا۔انہوں نے زندگی کے ہر دُکھ سکھ میں اپنے شوہر کا ساتھ دیا۔ان دونوں نے اپنی زندگی کے کینوس پر ہر رنگ مل کر بکھیرے۔یہی وجہ ہے کہ جب حیدر قریشی نے قلم اٹھایا تو لاشعوری طور پر ان کی تحریروں میں مبارکہ حیدر چلتی پھرتی نظر آئیں۔کہیں وفادار بیوی تو کہیں ایک محبت کرنے والی ماں ،کبھی ایک مخلص دوست اور کبھی مکمل عورت کی صورت میں مبارکہ موجود رہیں۔
حیدر قریشی لکھتے ہیں:

اک روح کا قصہ ہے
میرے بدن ہی کا
جو گم شدہ حصہ ہے

آج مبارکہ حیدر ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن روح کا وہ قصہ آج بھی اپنے جسم کے ساتھ ہے۔
میری ملاقات ان سے حیدر قریشی کی تحریروں کے ذریعہ ہوئی۔جب اپنا ایم۔فل کا مقالہ لکھتے وقت میں نے حیدر قریشی سے یہ سوال کیا کہ انہوں نے اپنے افسانوں میں خوبصورت عورت کو استعارہ بنا کر پیش کیا ہے کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔میرے اس سوال کے جواب میں وہ لکھتے ہیں کہ:

’عورت کے کئی روپ ہیں جو میرے افسانوں میں آئے ہیں۔ان میں ماں، بہن، بیوی، بیٹی تک کے رشتے موجود ہیں۔انتہائی مظلوم عورت (شناخت) کا کردار بھی موجود ہے۔گویا دیگر کئی روپ میں عورت موجود ہے۔مقدس رشتوں میں بھی یہ روپ خوبصورت ہی ہے۔بلکہ یاد آیا مجھے کتابی چہرے اس لیے اچھے لگتے ہیں کہ میری والدہ کا چہرہ کتابی تھا اور میری اہلیہ بھی ان کی بھتیجی ہونے کی وجہ سے ان سے مشابہت رکھتی ہیں۔سو میرے لیے عورت کی خوبصورتی کا محور میری ماں اور انہیں کے حوالے سے میری بیوی ہیں۔‘

لگ بھگ انتیس سال بعد حیدر قریشی نے ایک بار پھر اپنی اہلیہ کا خاکہ لکھا ہے۔یہ خاکہ ’پسلی کی ٹیڑھ‘ کا دوسرا حصہ ہے جو ۲۸ جولائی ۲۰۱۹ کو روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہوا۔یہ

دراصل وہ وعدہ تھا جو انہوں نے پہلا خاکہ لکھتے وقت خود سے کیا تھا۔خاکے کے پہلے حصہ میں انہوں نے لکھا تھا کہ:’اس خاکہ کا دوسرا حصہ مبارکہ کی وفات کے بعد لکھوں گا یا میری وفات کے بعد وہ لکھے گی۔‘

زیر تبصرہ کتاب حیدر قریشی کا افسانہ’میں انتظار کرتا ہوں‘ اور روشنی کی بشارت‘ سے بھی معاملہ کرتی ہے۔اس کے علاوہ افسانہ’ آپ بیتی، گھٹن کا احساس، بھید، اپنے وقت سے تھوڑا پہلے وغیرہ میں بھی مبارکہ حیدر کا ذکر موجود ہے۔افسانوں کے علاوہ وہ نظمیں بھی شامل ہیں جن میں ان کی اہلیہ کو مرکزیت حاصل ہے۔اس کتاب میں زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی یادوں کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔مبارکہ حیدر کے بچوں کی کاوشوں کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ان کی امّی مبارکہ حیدا پنے شوہر کی تحریروں میں زندہ ہیں۔

ڈاکٹر قمر النساء (گلبرگہ)

''ہماری امی مبارکہ حیدر''۔۔۔ایک جائزہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ماں کے پاؤں تلے جنت ہے''۔
شیخ سعدی نے کہا: ''محبت کی ترجمانی کرنے والی کوئی چیز ہے تو وہ صرف ماں ہے''۔
مشہور مفکر اور شاعر علامہ اقبال:
''سخت سے سخت دل کو ماں کی پرنم آنکھوں سے موم کیا جاسکتا ہے۔''
الطاف حسین حالی: ''ماں کی حقیقت محبت کی آئینہ دار ہوتی ہے''۔
مغربی دانشور ملٹن نے کہا: ''آسمان کا بہترین اور آخری تحفہ عورت ہے۔''
شیلے نے کہا: ''دنیا کا کوئی رشتہ ماں سے پیارا نہیں۔''
ارسطو کے مطابق:
''ماں سے ہمدردی کی توقع رکھنے کے بجائے ماں کا ہمدرد ہونا چاہئے۔''
شیکسپئیر کا کہنا ہے: بچے کے لئے سب سے اچھی جگہ ماں کا دل ہے۔''

ماں کے متعلق مختلف آراء پیش کی جاتی رہی ہیں۔اور اسکی عظمت کا اعتراف دانشور، ادیب، مفکر اور شاعر نے اپنے اپنے طریقے سے کیا ہے جہاں فن کاروں نے اپنے فن سے عورت کی عظمت کا اعتراف کیا ہے وہیں عام انسان نے بھی اپنے طریقے سے، محبت سے، اپنائیت سے، خلوص سے، عاجزی سے، انکساری سے اپنی ماں کا احترام کیا ہے۔اسی محبت واپنائیت اور عزت و احترام کی عمدہ مثال شعیب حیدر اور ان کے باقی چار بھائی بہنوں کی ترتیب دی ہوئی کتاب ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' ہے۔شعیب حیدر کے والد محترم حیدر قریشی ادبی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں اور مبارکہ حیدر انکی اہلیہ ہیں۔مبارکہ حیدر کی بکھری تصویریں حیدر قریشی کی تحریروں میں

جا بجا نظر آتی ہیں جن کو ان کے بچوں نے یکجا کر کے ایک قلمی البم بنا دیا ہے اور یہ البم ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' کے نام سے عکاس انٹرنیشنل پبلی کیشنز اسلام آباد پاکستان سے ۲۰۱۵ میں شائع ہوا اور یہ خوبصورت قلمی البم مبارکہ حیدر کی تصویر سے شروع ہوتا ہے۔
زیر نظر کتاب کو شعیب حیدر نے ترتیب دیا ہے اور اسکا انتساب بھی مبارکہ حیدر کے نام ہے اور حیدر قریشی کے اس ماہئے سے یہ قلمی البم اپنے قلم کو روشنائی عطا کرتا ہے۔

پھولوں کی ہے نرمی بھی
اسکی محبت میں
صحراؤں کی گرمی بھی

اس سے حیدر قریشی کے دل میں مبارکہ حیدر کے مقام اور محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔
شعیب حیدر نے پیش لفظ کے عنوان سے اس کتاب کی غرض وغایت کے ساتھ اپنا مختصر سا تعارف بھی پیش کر دیا ہے کہ گھر کی کسی تقریب میں جب سبھی افراد خانہ موجود تھے اس وقت ماں پر لکھے گئے کتابوں اور خاکوں پر تبصرے ہو رہے تھے کہ کس طرح حمایت علی شاعر کی دختر نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد ایک کتاب ترتیب دی اور اسی سے تحریک پا کر شعیب حیدر اور انکے بھائی بہن کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ ہم بھی اپنی والدہ کے لئے کچھ ایسا کریں کہ انھیں بھی خوشی ہو۔
اس سلسلے میں شعیب حیدر کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

''جب ماں سے محبت کا کوئی قلمی
اظہار کرنا ہے تو کیا ضروری ہے کہ پہلے ماں کے
مرنے کا انتظار کیا جائے اور پھر ماں کو یاد کرتے
ہوئے کوئی کتاب ترتیب دی جائے۔۔۔۔۔۔
ایسا کام ماں کی زندگی میں ہی کرلیا جائے۔ماں
کی روح کو خوش کرنے کے بجائے کیوں نہ جیتی
جاگتی ماں کو اسکی روح سمیت خوش کیا جائے۔''

کتاب کے مرتب کے والد خود اردو دنیا کے نامی گرامی ادیب وشاعر ہیں جب انہوں نے اپنے بچوں کی باتیں سنیں تو کہا کہ:

''بجائے اسکے کہ خود بھی لکھو اور
دوسرے عزیز واقارب سے بھی لکھوانے کا جتن
کرو بہتر ہے کہ میری مختلف تحریروں میں آپ
لوگوں کی امی کا جو ذکر ہے اسی کو یک جا
کرلو۔۔۔۔۔۔میری تحریروں میں انکا اتنا ذکر
کیا گیا ہے کہ آپ لوگ اسی کو مرتب کر کے اپنی
ماں کو مزید خوش کر سکتے ہیں۔''

اس کتاب میں حیدر قریشی کی ادبی نگارشات کے تحت مبارکہ حیدر کو تلاشا گیا ہے یہ ۱۷ مختلف موضوعات پر محیط ہے۔اس کا پہلا مضمون ''پسلی کی ٹیڑھ'' (خاکہ) ہے اس خاکہ میں حیدر قریشی نے اپنی شادی شدہ زندگی کے نشیب وفراز کو بیان کیا ہے اپنے اور مبارکہ حیدر کے تعلق کو بہت ہی دلنشین پیرائے میں بیان کیا ہے۔یہ خاکہ حیدر قریشی کے خاکوں کے مجموعے ''میری محبتیں'' سے لیا گیا ہے اور اس خاکہ کے مطالعہ سے انکی محبت،قربت، ذہنی ہم آہنگی کا انداز ہ ہوتا ہے۔حیدر قریشی رقمطراز ہیں۔

''میں نے کتابی سلسلہ جدید ادب
جاری کیا اس میں مبارکہ کی تمناؤں کا لہو شامل
تھا۔ ہر شمارے کے ساتھ اس کا ایک آدھ زیور
بک جاتا۔اس اللہ کی بندی نے ایک دفعہ بھی
تکرار نہیں کی۔جب تک اس کا زیور ساتھ دیتا رہا
جدید ادب جاری رہا۔زیور ختم ہوگئے تو جدید
ادب بھی بند ہوگیا۔''

اس اقتباس سے دونوں کی ایک دوسرے کے لئے محبت،احساس اور فکر کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح مشکل حالات میں بھی دونوں نے ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ساتھ چھوڑنا تو درکنار ادب اور اردو کی ترویج واشاعت کی خاطر اپنی پونجی لٹانے سے بھی گریز نہیں کیا۔

مختلف خاکوں جیسے ''رانجھے کے ماموں''، ''مائے نی میں کنوں آکھاں''، یادوں کے مجموعے ''کھٹی میٹھی یادیں'' میں شامل مضامین ''بزم جاں''، ''دعائیں اور قسمت''، ''شوخیاں بچپنا''، ''علتیں علالتیں''، ''روح اور جسم''، ''لبیک الھم لبیک''، ''زندگی در زندگی''، ''زندگی کا یادگار سفر''، انشائیوں کے مجموعے ''فاصلے اور قربتیں'' کے اقتباسات اور افسانوں میں ''میں انتظار کرتا ہوں''، ''روشنی کی بشارت'' میں مبارکہ حیدر اپنی پوری شخصیت کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔اسکے علاوہ جزوی طور پر شامل افسانوں میں ''آپ بیتی''، ''گھٹن کا احساس''، ''بھید''، ''اپنے وقت سے تھوڑا پہلے''، ''مامتا'' میں بھی ان کا جزوی ذکر ہے۔سفر ناموں میں ''سوئے حجاز'' کے عمرہ والے حصہ میں بھی مبارکہ حیدر اپنے شوہر کے ہم رکاب ہیں اور حج کے سفر میں بھی ساتھ ساتھ ہیں۔ چنانچہ ''سوئے حجاز'' کے دونوں حصوں (عمرہ اور حج) میں مبارکہ حیدر کا مسلسل ذکر ملتا ہے۔

''پھاگن کی سفاک ہوا''، ''نصف سلور جوبلی'' دونوں نظمیں بیوی،بچوں سے متعلق ہیں۔اور تو اور حیدر قریشی کے مختلف ادبی انٹرویوز میں بھی جا بجا مبارکہ حیدر کا تذکرہ ملتا ہے انکی محبت کی مثال یہ ماہیا دیکھئے۔

بیوی

اک روح کا قصہ ہے
میرے بدن ہی کا
جو گم شدہ حصہ ہے

حیدر قریشی کی شخصیت پر مختلف ممالک کی یونیورسٹیز میں پی ایچ ڈی اور ایم فل کا کام ہوا ہے اور ان مقالوں میں بھی مبارکہ حیدر کا ذکر ملتا ہے۔ مجھے اس کتاب کو اس وقت دیکھنے اور پڑھنے کا موقع ملا جبکہ وہ اس دنیا میں نہیں رہیں۔

مبارکہ آنٹی واقعی خوش قسمت تھیں انھیں حیدر سر کی محبتیں ،قربتیں نصیب ہوئیں۔
اس قلمی البم میں حیدر قریشی کی تخلیقی تصویروں میں مبارکہ حیدر کا وجود جابجا موجود ہے انہیں صرف شوہر نے محبت ،عزت اور وقار عطانہیں کیا بلکہ انکے بچوں نے اس کتاب کو ترتیب دے کراپنے والدین کی شادی کی ۴۴ ویں سالگرہ کے موقع پر ایسا قیمتی اور انمول تحفہ دے کر ایک نئی مثال قائم کی ہے۔

گوکہ آج مبارکہ آنٹی اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن وہ حیدر سر اور انکے بچوں کے دلوں میں،یادوں میں اور تحریروں میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

(مطبوعہ روزنامہ ''اودھ نامہ''لکھنو۔یکم جولائی،۲۰۱۹ء۔ادب زندگی)

خالد یزدانی (لاہور)

ہماری امی مبارکہ حیدر

''یہ کتاب جو ہماری امی کے ذکر پر مشتمل ہے۔ہم پانچوں بھائی بہنوں کی جانب سے امی کے ساتھ محبت کے اظہار کی ایک صورت ہے۔

ایک شاعر اور ادیب کی بیوی کی حیثیت سے درحقیقت یہ امی کا کمال ہے کہ ان کے شوہر شاعر اور ادیب نے ان کے بارے اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ ایک چھوٹی سی کتاب بن گئی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ امی نے ساری زندگی ابو کے ہر دکھ سکھ میں ساتھ نبھایا ہے۔

اگر ابو کی زندگی کو پورے پس منظر کے ساتھ دیکھیں تو ہمارے سماج نے ان کے ساتھ شدید ناانصافیاں کی ہیں جن کے نتیجہ میں انہوں نے بے شمار دکھ جھیلے ہیں ۔امی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ہر دکھ میں مکمل طور پر ابو کا ساتھ نبھایا ہے۔زندہ رہنے کے لیے اور ایک شاعر اور ادیب کی حیثیت سے کام کرتے رہنے کے لیے ہمیشہ ابو کو حوصلہ دیا ہے۔

پہلا کمال امی کا ہے کہ انہوں نے اپنی محبت اور وفا سے ابو کے دل میں اس حد تک گھر کر لیا کہ وہ اتنی سرشاری کے ساتھ امی کا ذکر کرتے چلے گئے ۔دوسرا کمال ابو کا ہے کہ انہوں نے ادبی دنیا کے رائج شدہ طور طریقوں کے برعکس اپنے خاکوں میں،یادوں میں،افسانوں میں،انشائیوں میں،انٹرویوز میں،اور دوسری کتابوں میں امی کا ذکر بڑی محبت سے کیا اور کرتے ہی گئے۔''

مندرجہ بالا سطور زیرِنظر کتاب ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' میں ان کے صاحبزادے شعیب حیدر نے لکھیں۔جب یہ کتاب شائع ہوئی اس وقت ان کی والدہ حیات تھیں۔گزشتہ ماہ طویل علالت کے بعد وہ وفات پا گئیں۔زیرِنظر کتاب کی خوبی یہ ہے کہ مرحومہ کے بچوں نے اپنے والد حیدر قریشی جو اردو کے معروف شاعر،ادیب اور نقاد ہیں،کی تحریروں سے ہی اس کو مکمل کیا۔اس

میں حیدر صاحب کا اپنی اہلیہ کا خاکہ بھی بڑا اہم ہے۔اس کتاب کو عکاس انٹرنیشنل پبلی کیشنز اسلام آباد نے بڑے اہتمام سے شائع کیا۔

(مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت،سنڈے میگزین،۱۶جون ۲۰۱۹ء۔زیرِ''تبصرہ کتب'')

حمیرا حیات (دہلی)

ہماری امی مبارکہ حیدر

زیرتبصرہ کتاب ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' اردو دنیا کی مشہور ومعروف شخصیت حیدر قریشی کے بڑے بیٹے شعیب حیدر کی مختصر مگر جامع تحقیقی کاوش ہے۔کتاب میں شعیب حیدر نے اپنی والدہ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔یہ کتاب شعیب حیدر اوران کے سبھی بھائی بہنوں کو جانب سے اپنی والدہ مبارکہ حیدر کے لیے اظہار محبت کی صورت میں ایک نایاب تحفہ ہے۔جو نہ صرف مبارکہ حیدر کے لیے بلکہ اردو ادب کے لیے بھی کسی تحفے سے کم نہیں۔یہ کتاب اس لیے بھی اہم ہے کہ یہ نہ صرف ایک مشہور ادیب کی اہلیہ کے ذکر پر مبنی ہے بلکہ مبارکہ حیدر بہ حیثیت عورت بھی خواتین کی زندگی کے نشیب وفراز میں پیش آنے والے ہر امتحان کو ہمت وحوصلے سے پاس کرتے ہوئی خواتین کی نمائندگی کرتی نظر آتی ہیں۔ایک عورت خاص طور پر کسی ادیب کی بیوی، ماں، دوست کی حیثیت سے سبھی رشتے نبھاتے ہوئے کس قدر اپنا مقام اونچا کر لیتی ہے یہ کتاب ہمیں بتاتی ہے۔

کتاب میں کل ۱۷ مضامین شامل ہیں جس میں دو افسانے 'میں انتظار کرتا ہوں' اور 'روشنی کی بشارت' ایک خاکہ 'پسلی کی ٹیڑھ' دو نظمیں 'پھاگن کی سفاک ہوا' 'نصف سلور جوبلی' کے علاوہ انٹرویوز، مختلف ادیبوں کے مضامین وخطوط اور یونیورسٹیز کے تحقیقی مقالات میں تذکرے اور دیگر مختصر مضامین کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں مبارکہ حیدر کے حوالے سے ان کی شخصیت کے کئی پہلو ابھرتے ہیں۔خاکہ ''پسلی کی ٹیڑھ'' نہایت دلچسپ ہے جس میں مبارکہ حیدر کی شخصیت کے مختلف رنگ سامنے آتے ہیں۔مثلاً حیدر قریشی بچپن کے ایک واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''بچپن کی معمولی غلطی کی کتنی بڑی سزا ملی ہے'' تو مبارکہ حیدر کا جواباً یہ کہنا کہ ''غلطی آپ نے کی

تھی سزا میں بھگت رہی ہوں‘‘ ان کے بے باکانہ انداز اور حوصلہ کو ظاہر کرتا ہے۔ایک اور واقعہ ذاتی زندگی سے متعلق مبارکہ حیدر کی حوصلہ مندی، صبر واستحکام کی نشاندہی کرتا ہے۔شوہر کا ایک کتابی سلسلہ ’جدید ادب‘ کے شائع ہونے میں آنے والی سبھی دشواریوں میں شوہر کے ساتھ قدم بہ قدم ملا کر چلنا اور ہر مشکل وقت میں ساتھ نبھانا وفا شعار عورت کی نشانی ہے۔جو نہ صرف بیوی کا رول بخوبی ادا کرتی ہے بلکہ ایک اچھی دوست بن کر ہر پل ساتھ نبھاتی ہے۔لہٰذا حیدر قریشی کے اس خاکے سے شوہر اور بیوی کے بے تکلفانہ، صحت مند رشتے کی وضاحت بخوبی ہو جاتی ہے۔

کتاب میں شامل افسانہ ’’میں انتظار کرتا ہوں‘‘ حیدر قریشی کے افسانوی مجموعے ’’روشنی کی بشارت‘‘ سے اخذ کیا گیا ہے۔وحدت تاثر پیدا کرتا ہوا یہ افسانہ آدمی کی زندگی کے مختلف حالات و کیفیات، خاندان، رشتہ داروں کے رویوں سے ملنے والے زخم، غم وغصہ، نفرتیں، ذلتیں، تہمتیں، بدکاریوں سے پیدا ہونے والے احساسات بیان کرتا ہے۔جب افسانہ نگار اپنے غم ودکھ کے صحرا میں بھٹک جاتا ہے تو اس وقت صحرا میں قدم بہ قدم ملا کر قربانیاں دے کر آگے بڑھتی ہوئی اس کی وفا شعار پاکدامن بیوی ہوتی ہے۔صحرا میں بھٹک جانے والے اس شخص پر جب الفاظ وحی کی طرح نازل ہوتے ہیں تو خیالات خود بخود بنتے چلے جاتے ہیں لیکن ان خیالات کو حقیقت کا رنگ دینے کے لیے ہوشمند طریقے سے الفاظ کے موتیوں میں سمیٹنا پڑتا ہے۔مگر وہ اکیلا یہ نہیں کر سکتا اسے صحرا سے نکالنے کے لیے ایک مضبوط ہاتھ کی ضرورت ہوتی ہے جس کی گرفت اتنی مضبوط ہو کہ بھٹکا ہوا مسافر ہوش میں آجائے۔اس افسانے میں مبارکہ حیدر کی شخصیت ایک چراغ کے مانند روشن ہوتی ہے جب وہ اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑ کر الزامات وتہمات سے رہائی کراتی ہوئی اس کے کرب کو الفاظ کے سانچے میں ڈھالنے کا حوصلہ دیتی ہیں۔مشعل راہ بن کر شوہر کو ہر اندھیرے سے اجالے کی طرف لاتی ہیں۔بلاشبہ یہ افسانہ ایک جاندار تخلیق ہے۔

’’سوئے حجاز‘‘ میں مبارکہ حیدر ایک ماں کی ممتا رکھنے والی بھابھی کی صورت میں ابھرتی ہیں۔عمرہ کرنے کی خواہش کے لیے جمع کی گئی پونجی کو جب وہ اپنے ضرورت مند دیور پر قربان کر دیتی ہیں تو یہاں وہ اللہ سبحان تعالیٰ پر توکل رکھنے والی، پراعتماد، فراخ دل عورت کی حیثیت سے سامنے آتی

ہیں۔انٹرویو ’منزہ یاسمین کے سوالوں کے جواب کے ساتھ مبارکہ حیدر‘‘ میں مبارکہ حیدر کی شخصیت کے نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔وہ ایک خوش مزاج، دوست انسان، خوب سیرت، مخلص عورت تھیں جو اپنے فکر وخیال میں صاف گو ہیں۔سچی، کھری اور دوٹوک انداز میں بات کہنے والی شخصیت ہیں۔علاوہ ازیں حیدر قریشی کی تین لائینوں میں بیان کیا گیا سراپا بعنوان ’’بیوی‘‘ بہت ہی دلکش اور عام فہم ہے۔

اک روح کا قصہ ہے
میرے بدن کا ہی
جو گم شدہ حصہ ہے

بیوی اور شوہر کے رشتے کی گہرائی وگیرائی، ابتدا وانتہا کو بیان کرتا ہوا فلسفہ ہے۔جس میں سادہ و آسان الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ عورت مرد کے بغیر اور مرد عورت کے بغیر ادھورے ہیں۔نظم ’’پھاگن کی سفاک ہوا‘‘ میں مبارکہ حیدر متحرک کردار نظر آتی ہیں۔جو اپنے وجود میں حال، ماضی اور مستقبل کو لپیٹے ہوئے اس دنیائے فانی کو باوقار جی رہی ہیں۔

مختصر یہ کہ ماں دنیا کی عظیم ہستی ہے اگر اولاد نیک اور صالح ہو تو والدین کے لیے نعمت ورحمت ثابت ہوتی ہے۔شعیب حیدر کی یہ کوشش آنے والی نسلوں کے لیے تو قابل فخر ہے ہی ہر اس شخص کے لیے بھی مشعل راہ ہے جو قلم کا سپاہی ہے۔ادیب ہو یا شاعر اسے دنیا میں لانے والی ماں ہی ہوتی ہے۔لہٰذا ہر اولاد جس نے قلم سنبھالا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے قلم کو ماں جیسی ہستی کے لیے بھی اسی طرح استعمال کرے جس طرح باقی موضوعات کے لیے کرتا ہے اور اس کتاب کو مشعل راہ بنا کر اپنی والدہ کے ایثار وقربانی کو نت نئے طریقے سے تخلیق کر کے ادبی دنیا کا دامن وسیع کرے۔

امید کرتی ہوں کہ شعیب حیدر کی یہ کوشش کامیاب ہوگی، قاری اس کتاب سے لطف اندوز تو ہوگا ہی ساتھ ہی یہ کتاب نئی نسل کے لیے بھی فکر وخیال کی نئی راہیں ہموار کرے گی۔

بذریعہ تصاویر ہوئی جو حیدر سر نے مجھے بھجوائی تھیں۔جب کہ حیدر سر کی تحریروں میں مبارکہ حیدر کا رنگ اتنا گہرا ہے کہ وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں رہیں۔وفاداری، شگفتگی،لحاظ داری،خلوص،ان کی شخصیت کے وہ اوصاف ہیں مبارکہ حیدر کو دوسروں سے نمایاں کرتے ہیں اوراس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اگر شریک حیات باوفا اور پرخلوص ہو تو پھر خوش حالی ہو یا تنگ دستی،زندگی ہر صورت میں خوبصورت ہے۔

استعارے تو کجا سامنے اس کے حیدر
شاعری ایک طرف اپنی دھری رہتی ہے

''فاصلہ اور قربت ایک دوسرے کے لیے اسی طرح لازم وملزوم ہیں جس طرح ایٹم کا ہر پارٹیکل اور اینٹی پارٹیکل،رات اور دن''(''فاصلے اور قربتیں'' سے اقتباس۔)مذکورہ شعر اور نثری الفاظ حیدر قریشی کے ان جذبات کی ہلکی سی عکاسی کرتے ہیں جو ان کے دل میں مبارکہ حیدر کے لیے تھے۔ محبت کی ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں اور بہت ہی کم مرد ادیب،دانشور ہوں گے جنھوں نے اپنی شریک حیات سے محبت کا اعتراف یوں کھلے لفظوں میں کیا ہو..خداونداس محبت کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے --آج مبارکہ حیدر ہمارے درمیان نہیں رہیں مگر دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گی :.....

"میری امی مبارکہ حیدر" ایک نایاب تحفہ ہے جو حیدر قریشی اور ان کے خاندان کی مبارکہ حیدر سے محبت کا امین ہے اور ایک ماں کو اسکی محبت کے بدلے میں دیا جانے والا تحفہ ہے۔بے شک ماں کو اس کی محبت کا بدلہ کبھی نہیں دیا جا سکتا ہاں مگر ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے ماں کو خوشی دی جا سکتی ہے .ویسے یہ کتاب اتنی چھوٹی خوشی بھی نہیں ہے-.. حیدر قریشی کے بچوں نے یہ نیک کام کیا ہے اور دوسروں کے لیے ایک مثال قائم کی ہے۔

''پسلی کی ٹیڑھ'' کے عنوان سے مبارکہ حیدر کا جاندار خاکہ لکھنے والے حیدر قریشی نے مبارکہ کے بارے میں اسی حوالے سے کیا ہی عمدہ ماہیا کہا ہے۔

اک روح کا قصہ ہے
میرے بدن کا ہی
جو گم شدہ حصہ ہے

زارا حیدر (بدین،سندھ)

''ہماری امی مبارکہ حیدر''

ایک تاثر،ایک احساس

ماں ایک ایسا رشتہ ہے جو اپنے اندر محبت کا سمندر سمیٹے ہوئے ہے،اور بلاشبہ ماں کی محبت دنیا کی سب سے پرخلوص اور بے لوث اور انمول شے ہے جسکا کوئی نعم البدل نہیں ہے ۔

'' ہماری امی مبارکہ حیدر'' اسی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے جو مشہور شاعر اور ادیب حیدر قریشی کے پانچوں بچوں کے اشتراک سے ان کے بڑے بیٹے شعیب حیدر کی مرتب کردہ کتاب ہے۔ اس کتاب میں حیدر قریشی کے مختلف افسانوں،خاکوں،یادوں،سفرناموں،انشائیوں اور انٹرویوز سے مبارکہ حیدر کے متعلق مواد نکال کراسے کتابی شکل دی گئی ہے ۔عام طور پر ہمارے دانشوروں، ادیبوں اور شاعروں کے ہاں ماں کی عظمت کا اعتراف تو نظر آجاتا ہے مگر بیوی کا نہیں ذکر نہیں ملتا۔حیدر قریشی کے ہاں بھی ماں کی محبت کا بہت ذکر ملتا ہے۔لیکن ماں،بہن کے ذکر کے ساتھ حیدر قریشی نے اپنی شریک حیات مبارکہ حیدر کو اپنی تحریروں میں شامل کر کے ایک اچھی روایت قائم کی ہے۔

کہتے ہیں کہ محبت کسی اظہار کی محتاج نہیں ہوتی مگر میں اس بات پر بھی یقین رکھتی ہوں کہ اگر اسی محبت کو لفظوں کے ہار میں پرو دیا جائے تو یہ آپ کے تن بدن کو ہمیشہ مہکائے رکھتی ہے اور یہی خوبصورت کام حیدر قریشی نے کیا ہے۔مبارکہ حیدر کی محبت کو اپنی تحریروں میں ہمیشہ کے لیے امر کر دیا ہے... کیوں کہ انسان رہے نہ رہے لفظ ہمیشہ زندہ رہتے ھیں اور زندہ رکھنے کا ہنر بھی جانتے ہیں اور یہی لفظ اگر دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوں تو سونے پہ سہاگہ ہو جاتا ہے...

حیدر قریشی سر سے میرا رابطہ مارچ 2016 میں ہوا تھا جب میں ایم اے کے مقالے کے لیے ''ماہیا'' پر کام کر رہی تھی اور تب ہی ٹیلیفونک رابطے کے ذریعے میری مبارکہ حیدر سے ملاقات

بچوں کی ترتیب اور تدوین ہے جس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ یہ کتاب مختلف تحریروں اور ان کی اقتباسات کا انتخاب ہے۔یعنی ان کی جانب سے یہ معمولات سے ایک اورانحراف ہوگیا۔

کتاب دلچسپ ہے اور یہ حیدر قریشی صاحب کی اپنی بیگم سے محبت، مطابقت اور ہر معاملے اور ہر قدم پر ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے قابلِ رشک عروج کا نشان ہے بلکہ اس ہمالیہ کی چوٹی پر لگا پھریرا ہے۔ان کے بیٹے شعیب حیدر کا پیش لفظ پڑھ کر ایک خیال یہ آیا کہ اتنا عرصہ جرمنی میں گزارنے والے بچوں کا اپنی تہذیب سے رشتہ جڑے رہنا، والدین کی تربیت اور محنت ظاہر کرتا ہے جو قابلِ ستائش وتقلید ہے۔ہم ادیبوں کے ہاں جو رکھ رکھاؤ،لوازم، احتیاط، معاملات اور تحریر میں تقدیم وتاخیر کا عنصر ہوتا ہے وہ لاکھ بے تکلفی سے لکھا جائے، صاف پہچان لیا جاتا ہے۔ مگر جب کوئی ان سب تکلفات سے واقعی مبرا ہوکر لکھے تو وہ جو معصومیت نظر آتی ہے وہ مجھے کتاب پر لکھے بعض تاثرات میں نظر آئی جو گاہے گاہے ان کے بچوں کی طرف سے بعد کو لکھے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض میں بیساختگی ہے تو دوسروں میں محبت بھری احتیاط ہے۔

سچ پوچھیے تو یہ کتاب اچھا خاصہ سفرنامے کا اقتباس معلوم ہوتی ہے بلکہ سوانح حیات کا خاصہ اہم باب معلوم ہوتی ہے۔حیدر صاحب اور ان کی اہلیہ، مبارکہ حیدر صاحبہ کی زندگی کا سفر گویا پوری فلمی کہانی ہے، اس پر چٹکلے اور حیدر قریشی صاحب کے مزیدار جملے مثلاً اتوار کی کہانی، کہ اتوار ہی کے دن میاں، بیوی، پہلی بیٹی اور پہلے بیٹے کی پیدائش، اتوار کو ہی نکاح اور پھر آخر کار حکومتِ پاکستان نے تنگ آکر اتوار کی سرکاری چھٹی ختم کردی۔ یا چائے بنانے کے معاملے میں دونوں کا پہل کرنا اور پھر یہ جملہ کہ ہم دونوں کا جذبہ دیکھ کر چائے کہتی ہے آپ دونوں آرام سے بیٹھیں میں خود ہی تیار ہوکر آجاتی ہوں۔

یہاں میاں بیوی کے تعلقات کے حوالے سے اتنی بے تکلفی سے اور براہِ راست لکھا گیا ہے کہ سگمنڈ فرائیڈ کو بھی سہولت سے یاد کر کے آگے بڑھ گئے اور ازدواجی زندگی کی ارتقائی منازل کا ذکر یوں کر گزرے کہ اسے پڑھ کر کوئی بھی اس میں اپنی زندگی کا عکس آسانی سے دیکھ سکتا ہے اور اس بارے میں کھول کر بولنے اور لکھنے کا حوصلہ بھی کرسکتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان

فیصل عظیم (کینیڈا)

''ہماری امی، مبارکہ حیدر''، مرتب: شعیب حیدر

کچھ تاثرات

حیدر قریشی صاحب نے ''پسلی کی ٹیڑھ'' لکھ کر کیا یوں کہ ہم لوگوں کو بالکل اس طرح کسی اور طرف لگا دیا جیسے کوئی ماہر، واردات کے وقت کچھ جعلی ثبوت جان بوجھ کر چھوڑ جاتا ہے اور کھوجی ان ثبوتوں کے پیچھے بھٹک جاتے ہیں اور یوں جرم کا سرا ان کے ہاتھ نہیں آپاتا۔اب آپ ٹیڑھ کو پسلی میں تلاش کیجیے اور باقی کی ہڈیاں بھول جائیے۔ بات یہ ہے کہ حیدر قریشی صاحب نے طے کیا ہوا ہے کہ سیدھا کام نہیں کرنا، ٹیڑھ ضروری ہے۔ کوئی منزل صراطِ مستقیم سے نہیں پانی، جب تک راستہ ٹیڑھا میڑھا نہ ہو یا کم سے کم سامنے کی روش سے بغاوت نہ کرلیں، تب تک بات نہیں بنتی۔

شاعری کے کھیت پر پہنچے تو ماہیے کی پگڈنڈی چن لی، رسالہ نکالا تو جرمنی اور پاکستان کے بجائے زیورات کی تجوری سے نکالا، وہ بھی بیگم کی تجوری سے۔ افسانہ لکھا تو علامتوں میں بھی بیگم کو کھڑکی سے جھانک کر دیکھے بنا نہیں رہے۔ بیگم کا خاکہ کیا لکھا، بیگم نامہ لکھا اور لکھتے چلے گئے۔ بلکہ ایسا لگ رہا ہے کہ وہ سب ادیب اور شعرا جو نازنینوں پر مر مٹنے پر تلے رہتے ہوں، یہ انہیں بتا رہے ہیں کہ گویا یہ لوگ گھر کی مرغی دال برابر کا محاورہ کبھی سمجھ ہی نہیں سکے۔ سو حیدر صاحب نے ان سب کو (مطلب ہم سب کو) شرمندہ کرنے کی ٹھان لی ہے۔ اور تو اور لوگوں کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ میاں اِس کی ٹوپی اس کے سر کرنے والو، کبھی اپنی ٹوپی بیگم کو پہنا کر تو دکھا، سو اس کتاب کا سرورق دیکھ لیجیے۔ یہ کتاب ہماری امی، مبارکہ حیدر دراصل اسی ٹیڑھ کی ایک مثال ہے جو انھوں نے اپنی مرحوم بیوی کے لیے شائع کی ہے، جو ان کی محبوبہ، دوست اور ہر جرم میں شریک تھیں، مگر اتنا سیدھا کام وہ کیسے کر لیتے، سو خاصی تحریریں خود انہی کی ہونے کے باوجود، یہ کتاب اصل میں حیدر صاحب کے

گھریلو معاملات کے علاوہ بھی، کام کاج اور ادبی زندگی کے حوالے سے اتنا اشتراک رہا کہ حیدر صاحب بیگم پر کچھ لکھتے ہیں تو وہ بھی خودنوشت معلوم ہوتی ہے اور خودنوشت لکھیں گے تو یقیناً بیگم کے حالاتِ زندگی سامنے آ جائیں گے۔ اس پر طرہ ان کی یادداشت کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا اتنا جامع اندراج، گویا سب کچھ باقاعدگی سے داخلِ دفتر ہوتا رہا ہو، وہ بھی مع تاریخوں کے۔

اس کتاب میں ان افسانوں اور نظموں کا بھی ذکر ہے جن میں انھوں نے اپنی اہلیہ کو کردار کے طور پہ شامل کیا ہے یا انہی کے حوالے سے نظمیں اور افسانے لکھے ہیں۔ ویسے میری رائے میں کسی افسانے کا پس منظر یوں کھول کر بیان کر دینا افسانے کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے مگر کیا کریں، پھر وہی سیدھی پگڈنڈی سے اترنے کا مسلہ، سو بہت خوب، اس پر الگ سے داد۔ نظمیں بھی کیا خوب ہیں، مجھے تو بہت لطف آیا پڑھ کر، خصوصاً نصف سلور جوبلی کا پیرایہ اظہار بہت بھرپور ہے۔

بات نہ تو صرف ہمارے دیسی معاشرے کی ہے اور نہ محض شاعروں اور ادیبوں کی، ہر طرح کے اور ہر قوم کے لوگوں میں یہ عام ہے کہ بیوی پر لطیفے بنا کر ایسے مذاق اڑاتے ہیں کہ گویا شوہروں کا مسخرا پن کوئی انہونی بات ہو۔ کبھی کبھار کی بات اور ہے لیکن سوشل میڈیا نے تو عجیب ماحول بنا دیا ہے کہ بیویوں پر لطیفے پڑھ پڑھ کر اور سن سن کر اب بعض اوقات کوفت ہوتی ہے۔ مگر یہ کتاب اس ماحول کے بالکل الٹی سمت میں چلتی ہے، وہ بھی آئینہ اٹھائے ہوئے۔ آخری حصے میں انٹرویو بھی دلچسپ ہیں اور پھر جو مختلف مقالوں کے اقتباسات ہیں، وہ بجائے خود اسی کتاب کے خلاصے بلکہ کتاب پہ تبصرے معلوم ہوتے ہیں۔ پڑھ کر ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے کتاب پر اچھا خاصہ تبصرہ، کتاب مرتب ہونے سے بہت پہلے ہی لکھ دیا گیا ہو۔[۱] ان مقالوں میں حیدر صاحب اور مبارکہ صاحبہ کی زندگی کے مشترکہ پہلوؤں کو بہت خوبی سے سمیٹا گیا ہے، سو میں ان باتوں کو دہرانے سے گریز کرتے ہوئے حیدر قریشی صاحب کو بہت سی داد دے کر اجازت چاہوں گا۔

----

۱ **نوٹ از مرتب:** فیصل عظیم صاحب نے کتاب کو بہت سرسری طور پر دیکھ کر مزاحیہ پیرائے میں

تبصرہ کیا ہے۔ وگرنہ وہ جن مقالوں کا ذکر کر رہے ہیں وہ مختلف یونیورسٹیوں کے تحقیقی مقالات ہیں۔ میری مختلف کتابوں میں مبارکہ کا جو ذکر ہے اسی حوالے سے مقالات میں ان کا سنجیدگی سے ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' میں ایسے بیشتر اقتباسات یک جا کیے گئے ہیں۔ فیصل صاحب نے سنجیدگی کے ساتھ پورا مطالعہ کرتے ہوئے تبصرہ لکھا ہوتا تو یونیورسٹیوں کے تحقیقی مقالات میں ذکر کو ان الفاظ میں بیان نہ کرتے: ''پڑھ کر ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے کتاب پر اچھا خاصہ تبصرہ، کتاب مرتب ہونے سے بہت پہلے ہی لکھ دیا گیا ہو۔''

واٹس ایپ سے 22.07.2019

حیدر قریشی: ''ٹیڑھ والی بات پر جوگندر پال کا مضمون یاد آ گیا۔

''میں نے مندرجہ بالا سطور میں لکھا ہے کہ حیدر قریشی کو اپنی ساری وارداتیں اپنے جادۂ مستقیم پر پیش آئی ہیں۔ ایسا نہیں کہ سیدھے راستوں پر کوئی موڑ واقع نہ ہوں۔ اس مجموعے کی کئی کہانیوں میں راستے کہیں تمثیلی باریکی اختیار کر کے اور کہیں اچانک داستانوی پھیلاؤ میں بے ساختہ بل کھاتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور انہیں اس طرح مڑتی ہوئی سیدھ میں دیکھ کر دھیان بے اختیار دلوں کی گزرگاہوں کی طرف ہو لیتا ہے۔'' **(''روشنی کی بشارت'' کے افسانے از جوگندر پال)**

اور میرا اپنا موقف یہ رہا:

''میں بھی صراطِ مستقیمی بننے کی کوشش کرتا ہوں مگر زگ زیگ چلتا ہوں کیونکہ مجھے احساس رہتا ہے کہ لکیریں اپنے فقیروں کو کھا جاتی ہیں۔'' **(خاکہ ''برگد کا پیڑ'' سے)**

فیصل عظیم صاحب: ''واہ، دونوں خیالات سے متفق ہوں کسی نہ کسی سطح پر۔ ویسے اگر میں یہ بات سنجیدہ پیرائے میں لکھتا تو وہ آپ دونوں کے خیالات کے بین بین ہوتی''

حیدرقریشی کی اہلیہ کے انتقال پر اظہارِ افسوس

جرمنی میں مقیم شاعراور نقاد حیدرقریشی کی اہلیہ مبارکہ ستائیس مئی کوانتقال کرگئی تھیں۔ان کی وفات پرانجمن عوامی ادب پاکستان اور رائٹ فاؤنڈیشن آزادکشمیر کے عہدیداروں نے ایک اجلاس میں لواحقین سے تعزیت اور مرحومہ کے بلند درجات کی دعا کی۔

مبارکہ صاحبہ کی وفات پر

پروفیسرعبدالرب استاد(گلبرگہ) کے منظوم تاثرات

حیدر کے گھر میں ایک مبارک وجود تھا
ہر سمت جس سے نورِ وِلا کا ورود تھا
اپنے ہوں یا کہ غیر، سبھی کے قریب تھا
وہ اک وجود سب کے لیے باسعود تھا
رشتوں کے سارے تار یہاں جھنجھناتے تھے
ان سب کو باندھ رکھے وہ ایسا سرود تھا
حیدر تو اپنی ذات میں بے مثل ہے مگر
بچھڑے ہوئے وجود میں گویا قیود تھا
ماہِ صیام، عشرۂ آخر کی پہلی رات
جنت کے در پہ جا کے وہ گویا شہود تھا

مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت لاہور۔۳۱رمئی ۲۰۱۹ء۔اوورسیز پاکستانیز ایڈیشن

وقاص سعید(آسٹریلیا)

حیدرقریشی کی اہلیہ مبارکہ حیدر وفات پاگئیں

پیدائش: یکم جنوری 1956ء۔۔۔۔۔وفات:27 مئی 2019ء

اردو کی ادبی دنیا کی معروف وممتاز ادبی شخصیت حیدرقریشی کی اہلیہ مبارکہ حیدر وفات پاگئی ہیں۔مبارکہ حیدر گزشتہ 28 برسوں سے اپنی پوری فیملی کے ساتھ جرمنی کے شہر ہاٹرس ہائم میں مقیم تھیں۔آپ پروفیسر ناصر احمد صاحب آف پشاور کی صاحبزادی تھیں۔گزشتہ کئی برسوں سے ''روئے ما'' اور دل کے عارضے کے ساتھ گردوں کی تکلیف میں بھی مبتلا تھیں۔ہفتہ میں تین بار ڈایلیسز کی مشقت سے گزرنا پڑتا تھا۔لیکن تمام بیماریوں کا بہادری کے ساتھ سامنا کرتی رہیں۔وفات سے لگ بھگ چھ گھنٹے پہلے ان کی ساری فیملی ان کے گھر پر جمع تھی۔سارا دن خوشی کے ساتھ گزرا۔بچوں کے روکنے کے باوجود سارے پکوان خود تیار کیے۔افطاری کے بعد بچے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔اور 27 مئی کو فجر کے وقت تقریباً ساڑھے چار بجے قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔ان کی تدفین 29 مئی کو مقامی قبرستان میں کی گئی۔

آپ کی شادی پندرہ سال کی عمر میں ہوگئی تھی اور اپنے شوہر حیدرقریشی کے ساتھ 48 سال سے زائد عرصہ تک خوشگوار رشتۂ ازدواج قائم رہا۔آپ کے پسماندگان میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔سب شادی شدہ ہیں اور جرمنی میں آباد ہیں۔

مبارکہ حیدر کسی ادیب کی وہ خوش نصیب بیوی ہیں جن پر ان کے شوہر نے جی جان سے لکھا اور مسلسل لکھا۔حیدرقریشی کی ان بکھری ہوئی تحریروں کو ان کے بچوں نے مرتب کر کے سال

۲۰۱۵ء میں ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ یہ کتاب پنجند پر بھی موجود ہے۔ادارہ پنجند مبارکہ حیدر کی وفات پر حیدر قریشی اوران کے سارے بچوں کے ساتھ تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔

پنجند ڈاٹ کام

https://www.punjnud.com/Aarticles_detail.aspx?ArticleID=6754&ArticleTitle=Maroof%20Shair%20Haider%20Qureshi%20Ki%20Ahlia%20Mubarka%20Haider%20Wafat%20Pa%20Gain

----

حیدر قریشی کی اہلیہ کا انتقال

مشہور شاعروادیب جناب حیدر قریشی کی اہلیہ کا
جرمنی میں اچانک انتقال ہوگیا ہے۔ادارہ دعا گو
ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرما کرانہیں
جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات سے نوازے
اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا کرے۔آمین۔

ماہنامہ ''صبحِ اردو'' دہلی۔شمارہ جولائی ۲۰۱۹ء
مدیرِ اعلیٰ: شاہد ماہلی

پیاری باجی مبارکہ صاحبہ کے وصال پر

طاہر عدیم صاحبؔ (جرمنی)

صحن ویران ہے، خاموش ہے در تیرے بعد
گھر کسی طور بھی لگتا نہیں گھر تیرے بعد

شورشِ شعر نہ شعلہ نہ شرر تیرے بعد
سُونی سُونی ہے ہر اک راہ گزر تیرے بعد

اے شفق رنگ شمعِ فکر مہِ خوب بتا!
زیست کس طرح کرے خود کو بسر تیرے بعد

کون اب کِھلے گا اے میرے مسیحا یہ بتا!!
دل کے اس درد کا اُٹھتا ہوا سَر تیرے بعد

وہ گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے کہ چھٹتا ہی نہیں
دل کے افلاک ہیں محرومِ سحر تیرے بعد

روز دفناتا ہوں دے کر انہیں یادوں کا کفن
دل دریدہ تو بریدہ ہے جگر تیرے بعد

تکتا رہتا ہے کتابوں میں رکھے پھولوں کو
دل کے جزدان سے اک مور کا پر تیرے بعد

سج گیا گو تیرے جانے سے اُدھر کو ہے ''اُدھر''
پر اِدھر رہ نہیں پایا ہے اِدھر تیرے بعد

جس کو طوفان گزرتے ہوئے دیتے تھے خراج
ہے ہواؤں کے کرم پر وہ شجر تیرے بعد

چاند ڈوبا ہے تو رہ رہ کے ستارے صاحبؔ
سوچتے اب ہیں کہ جائیں گے کدھر تیرے بعد

----

https://www.punjnud.com/Aarticles_detail.aspx?ArticleID=6954&ArticleTitle=Tere%20Baad

ای میلز، واٹس ایپ اور دوسرے سوشل میڈیا سے موصولہ متفرق تاثرات

ڈاکٹر ریاض اکبر: (آسٹریلیا)

دوستو! حیدر قریشی کی اہلیہ مبارکہ وفات پا گئیں۔
(واٹس ایپ گروپ ''سوال پوچھنا مشکل کیوں ہے'' میں دی گئی خبر)

اللہ آپ پر، آپ کے خاندان پر صبر انڈیل دے۔ آپ کا صدمہ اس لیے بھی گہرا ہے کہ مبارکہ کے والدین آپ کے عزیز تھے۔ سب ملیں گے ہم، ایک روز۔

میری بھانجی مبارکہ دیکھو
ابو، امی سے جا ملی اپنے

پروفیسر عبدالرب استاد: (گلبرگہ)

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ   گروپ میں گشت کر رہی خبر اگر درست ہے تو بڑی ہی افسوس ناک ہے۔ پتا نہیں، دل نہیں مان رہا ہے۔ خیر اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور آپ سمیت سبھی افرادِ خانہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے ۔ آمین۔ ماہِ صیام کے ان بابرکت ایام میں مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین مرتبہ عطا ہو۔ آمین یارب العالمین۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر خورشید اقبال: (کلکتہ)   اومائی گاڈ

یہ صبح صبح بڑی افسوس ناک خبر سنائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور حیدر بھائی اور بچوں کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ آمین

حیدر علی ظفر: (جرمنی)

Please accept my heartfelt condolence on the sad demise of your wife.Inna Lillahe wa Inna Ilaihe Rajeoon.
May Allah forgive her and give her a higher place in paradise.Amin
I came to know about her death on the same day but due to any reason I was unable to join her Janaza Prayer.

راجہ محمد یوسف خان: (جرمنی)   یہ افسوسناک اطلاع ملی ہے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ انتقال فرما گئی ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مرحومہ کو غریقِ رحمت کرے اور جملہ پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ میری طرف سے ان کے بچوں اور دیگر عزیز واقارب سے بھی اظہارِ تعزیت کر دیں۔

مجھے علم ہے کہ مرحومہ نے ہر مشکل میں استقامت سے آپ کا ساتھ نبھایا اور آپ نے بھی ان کی طویل علالت میں ان کا کما حقہ خیال رکھا۔ بلاشبہ یہ آپ کے لیے ایک بڑا صدمہ ہے لیکن ''راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہے'' پر عمل کرنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین معلوم ہوا ہے کہ آج بیت السبوح میں نماز جنازہ ہے۔ ان شاء اللہ ملاقات ہوگی۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔

ہانی السعید: (مصر)   اناللہ وانا الیہ راجعون   البقاء اللہ۔۔

اللہ انہیں بخش دے۔ مجھے بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر لدمیلا وسیلیوا: (ماسکو، روس) آپ کی شریکِ حیات مبارکہ حیدر صاحبہ کی وفات پر آپ اور آپ کے خاندان کے ساتھ تعزیت کا اظہار کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ میں نے کمپیوٹر کھولا آپ کو عید کی مبارکباد دینے کے لیے لیکن اس کی جگہ تعزیت کا اظہار کرنا پڑا۔ بری خبر پڑھ کر مجھ پر تو سکتہ سا طاری ہو گیا ہے۔ آپ صبر کریں۔ دعاؤں کے ساتھ۔۔۔

انصر بلال انور: (جرمنی)   اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت کرے۔ آمین۔

شاہد ماہلی: (دہلی)   آپ کی اہلیہ کے انتقال کا سخت افسوس ہے امید ہے آپ اس حصار سے جلد ہی نکل آئینگے۔ اللہ صبر دے گا۔۔۔۔ آپکا تاثراتی مضمون (ماہنامہ ''صبح اردو'' دہلی کے) ستمبر

کے شمارے میں شائع ہوگا۔

ڈاکٹر شیو یہ ترپاٹھی: (بریلی، انڈیا)

Very sorry to hear about your loss sir....My sincere condolences to you and Family.

نوشی گیلانی: (آسٹریلیا) آپ کی شریکِ حیات کی رحلت کے بارے میں پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔اللہ پاک مرحومہ کے درجات بلند فرمائیں اور آپ تمام اہلِ خانہ کو صبر واستقامت سے نوازیں۔آمین۔

صادق باجوہ: (امریکہ) انالللہ وانا الیہ راجعون

May Allah shower His blessing upon her, elevate her status in paradise and grant patient to you her children and all of us. It is Really sad and shocking news.

محمود قریشی: (خان پور) بہت افسوس ہوا۔اللہ حیدر صاحب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

حسن اقبال: (نواب شاہ) انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔

پروفیسر مظہر مہدی: (دہلی) انا للہ وانا الیہ راجعون۔۔۔یہ کیا؟ میں تو سکتے میں آ گیا۔وہ بہت بہادر خاتون تھیں۔صبر کیجیے اور اپنا خیال رکھیے۔آپ کے غم میں شریک آپ کا بھائی۔

ڈاکٹر حنا آفریں (دہلی) آپ کی اہلیہ کے انتقال کا سن کر افسوس ہوا۔انالِللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین۔

ڈاکٹر روبینہ شاہین: (پشاور) بہت افسوس ہوا۔اللہ آپ کو صبر اور ان کو جنت میں مقام عطا فرمائے

ڈاکٹر رضینہ خان: (دہلی) بہت برا لگ رہا ہے مجھے یہ خبر سن کے۔غیر متوقع، نا قابلِ یقین۔ میں نے تو جب سے آپ کو پڑھا ہے آپ کو اور آنٹی کو ایک دوسرے کے بنا سوچا ہی نہیں۔یہ بہت افسوسناک خبر ہے۔اللہ آپ کو ہمت اور صبر دے۔محبت حوصلہ بھی دیتی ہے اور کمزور بھی بناتی ہے۔دعا ہے کہ آپ کی محبت آپ کے حوصلے کو کبھی بھی کمزور نہ کر سکے۔

محمد اکرم: (امریکہ) بالکل غیر رسمی طور پر عرض کرتا ہوں کہ مجھے ان کی وفات کا بہت صدمہ

ہوا۔اور ان کی وفات سے آپ کو جو نا قابلِ تلافی نقصان ہوا ہے اس کا بھی مجھے کسی قدر اندازہ ہے کیونکہ میں نے ان کے بارے میں آپ کا ایک مضمون پڑھ رکھا ہے۔انہوں نے برے وقتوں میں آپ کا ساتھ دیا اور خاندان کے افراد بھی جب منہ بسور لیں تو ساتھ کھڑے ہونے کی ہمت بہت کم عورتوں میں ہوتی ہے۔۔۔سو جانے والے تو چلے گئے، اللہ ان کے ساتھ بہترین سلوک کرے اور جو پیچھے رہ گئے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں مرحومہ کے بغیر زندہ رہنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔حیدر بھائی! کوئی انسان ایسے موقعوں پر کیا کر سکتا ہے، سوائے اپنے دکھ کا اظہار کرنے کے۔اللہ ہمیشہ آپ کے ساتھ ہو۔

ڈاکٹر رضیہ حامد: (بھوپال) یہ اندوہناک خبر میں نے دیر سے دیکھی۔بہت افسوس ہوا۔مبارکہ بہن سے میں غائبانہ آپ کی تحریروں کے ذریعے واقف ہوئی تھی۔وہ آپ کی ماموں زاد بھی تھیں۔زندگی کے سفر میں آپ کی ہم سفر اور ہمنوا خاتون کی جدائی، اللہ آپ سب کو صبر دے اور مرحومہ کی مغفرت کرے، جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔میری اور حامد صاحب کی دعائیں آپ کے اہلِ خانہ کے لیے اللہ قبول کرے، آمین۔آپ کے غم میں شریک۔۔۔

سید ظفر ہاشمی: (لکھنو) آپ کی اہلیہ کے انتقال کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔اللہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور آپ تمام متعلقین کو صبرِ جمیل عطا کرے۔آمین۔

ف۔س۔اعجاز: (کلکتہ) اِنالِلہ وانا الیہ راجعون

اچانک اس خبر سے مجھے بہت دکھ ہوا۔اللہ سے دعا ہے مرحومہ کے درجات بلند کرے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔اپنا خیال رکھیں۔۔۔آپ کا غم گسار

عظیم انصاری: (کلکتہ) اللہ مرحومہ کی مغفرت کرے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔آپ اور بچوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

پروفیسر شہناز نبی: (کلکتہ) بہت غم ہوا۔اللہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔

ڈاکٹر ساجدہ پروین: (ساہیوال) اِنالِلہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دیں۔آمین

ڈاکٹر محمد عبدالخالق: (قاہرہ، مصر) اِنالِلہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

: **کنول رعنا نوشی (ملائیشیا)** انالِلہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ میری پیاری باجی کے درجات بلند فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آپ سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔۔۔حیدر بھائی! مجھے کرن نے بتایا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کہوں۔

اکبر قریشی: (لندن)

I heared about Bhabi Mubarka, its very sad and great loss for all of you.please except my condolences.God bless her.

انالِلہ وانا الیہ راجعون۔۔۔اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

مرزا حبیب (خان پور) انالِلہ وانا الیہ راجعون

بہت ہی افسوس ہوا۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر عطا فرمائے۔آمین۔

عظیم خاتون تھیں۔آپ کی ان پر لکھی گئی تحاریر اور ان کا خاکہ سامنے آ گیا۔ مجھے یہ خبر سن کر ایسے لگا کہ جیسے ماں دوبارا مر گئی ہو۔

ارشد خالد: (اسلام آباد) بھابی مبارکہ کے انتقال کی خبر ملی، بہت دکھ ہوا۔اللہ پاک ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ سب فیملی کو صبرِ جمیل عطا کرے۔آمین۔

لیاقت علی: (دہلی) انا للہ وانا الیہ راجعون۔۔نہایت ہی افسوسناک خبر۔۔اللہ پاک مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، اور اہلِ خانہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔اللہ پاک تمام اہلِ خانہ کے ساتھ صبر کا معاملہ فرمائے۔

نند کشور وکرم: (دہلی) یہ خبر پڑھ کر بے حد افسوس ہوا کہ آپ کی اہلیہ محترمہ مبارکہ حیدر کا انتقال ہو گیا ہے۔یہ آپ کی زندگی کا بہت بڑا سانحہ ہے۔ہم لوگ صرف اظہارِ افسوس ہی کر سکتے ہیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔یہ آپ کے لیے بڑی دکھ کی گھڑی ہے۔لیکن صبر کے سوا کوئی علاج نہیں۔دعا کرتا ہوں کہ اس گہرے صدمے کی گھڑی میں آپ کو صبرِ جمیل عطا ہو۔۔غم میں شریک۔

بشیر احمد شاہد: (کراچی) عزیزی مبارکہ کی وفات کا معلوم ہوا۔اللہ پاک انہیں اپنے

جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔آپ لوگوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

اویس باجوہ: (امریکہ)

Me,Baji Zubaida and Naveed will be arriving at Frankfurt (terminal 1) on Wednesday at 9.10 AM.Please have someone pick us up.thanks.
United Flight 960

اعظم اسماعیل: (برمنگھم)

Qureshi Sahib!

Razia told me about the sad demise of your Mrs. I extend my heartedly condolences to you and your family.Its a loss of immense magnitude.There are no words that can describe its intensity.You have to be brave to bear as a life long companionship came to its end.I wish you highest level of patience and acceptance.

فرحت نواز: (رحیم یار خان) انالِلہ وانا الیہ راجعون

اللہ پاک آپ سب کو حوصلہ دے یہ بہت بڑا صدمہ برداشت کرنے کا۔

ہمت نہیں ہو رہی فون کرنے کی۔نیک خاتون کو اللہ پاک نے رمضان میں بلایا۔

ڈاکٹر وسیم انجم: (اسلام آباد) اللہ تعالیٰ آپ کی اہلیہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آپ کی کتاب ''میری محبتیں'' میں خاکہ بھی شامل ہے۔ان پر ایک کتاب بھی پڑھی ہے۔آپ کی ساتھی اور غم گسار جن کے ساتھ طویل رفاقت رہی، آپ صحیح معنوں میں اکیلا محسوس کر رہے ہوں گے۔اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی اولاد کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔آمین۔

نازیہ خلیل عباسی: (ایبٹ آباد) انتہائی افسوس ناک خبر ہے۔اللہ پاک مبارکہ آنٹی کی مغفرت فرمائے اور سر حیدر کو اور ان کے خاندان کو اس مشکل وقت میں صبر اور حوصلہ عطا فرمائے۔آمین

ترنم ریاض: (دہلی) اُن کی پُرخلوص سی آواز ذہن میں ابھی بھی محفوظ ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمائے۔آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔صبر وسکون کی بے شمار دعائیں، ہم دونوں کی طرف سے۔

اسامہ تنویر: (امریکہ) انالِلہ وانا الیہ راجعون۔

بہت دکھ ہوا۔اللہ آپ کو صبر عطا کرے اور ممانی کو جنت عطا کرے۔آمین

وقاص سعید:(آسٹریلیا)

AOA Haider Sb... Sir I am really upset to hear the tragedy you had to bear today. May God rest her in peace. My wife had a similar line for 3 month during her cancer treatment. It is an unfortunate incident but we have no control over God's will...

ڈاکٹر محمد عباس:(پشاور) اِنالِلہ وانا الیہ راجعون

اللہ انہیں مغفرت نصیب فرمائے اور آپ کو ان کی رفاقت سے محرومی پر صبرِ جمیل عطا فرمائے،آمین

عامر سہیل:(ایبٹ آباد) اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے۔میں گھر پہنچ کر آپ کو کال کرتا ہوں۔بہت افسوس ناک خبر ہے۔

فرزانہ یاسمین:(رحیم یار خان) ابھی آپ کی اہلیہ کی وفات کی خبر سنی،بہت زیادہ افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کو اور آپ کے تمام اہلِ خانہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔انالللہ وانا الیہ راجعون۔

عنبرین فاطمہ:(بیدر) سن کر بہت افسوس ہوا۔اللہ آپ کو اور گھر والوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔آپ کے غم میں ہم بھی برابر کے شریک ہیں۔اللہ مبارکہ میم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔آمین۔

قمرالنساء:(گلبرگہ) سر! ابھی گروپ میں یہ افسوسناک خبر سنی۔اللہ آپ کو اور تمام گھر والوں کو صبر وہمت عطا کرے اور آنٹی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین۔

نصرت بخاری:(اسلام آباد) اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے آمین آپ کے لیے یقیناً یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ان کے جانے سے آپ کی زندگی میں جو خلا پیدا ہوا، اس کا میں انداہ کرسکتا ہوں۔کہا جاتا ہے کہ اس عمر میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور یہ بات سو فی صد درست ہے۔اللہ سے ان کی مغفرت کی دعا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

راحیلہ(ایبٹ آباد) سر ابھی افسوس ناک خبر سنی۔اللہ پاک آپ کی اہلیہ کو جنت الفردوس میں

اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین۔اللہ آپ کو صبر وہمت عطا فرمائے۔

فسرارا ہین:(بلاری،کرناٹک) سر! سن کر بہت افسوس ہوا۔اللہ آپ کی اہلیہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ کو صبر۔۔۔اپنا خیال رکھیے گا۔

راحت نوید:(امریکہ) دل انتہائی اداس اور غم زدہ ہے۔آپ کی دکھ سکھ کی ساتھی اور شریکِ حیات ہماری پیاری مبارکہ بھابی اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئی ہیں۔انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے اور ان کے درجات بلند کرے،آمین۔جتنا آپ کی تحریروں سے اور چند دن آپ لوگوں کے ساتھ گزارنے سے میں جان پائی ہوں وہ یہ کہ بھابی مبارکہ انتہائی صابر،خوش مزاج اور ہمدرد خاتون تھیں۔ایک لمبے عرصے سے اپنی بیماری کے ساتھ جنگ کر رہی تھیں اور انہیں حالات میں اپنے گھر کو،مہمانوں کو،اپنے بچوں نیز ان کے بچوں کو خوب سنبھالا ہوا تھا۔ان کی جدائی سے جو خلا آپ کی زندگی میں پیدا ہو چکا ہے اسے پُر کرنا بلا شبہ دشوار ہوگا۔اللہ تعالیٰ آپ کو صبر عطا فرمائے اور آپ سب کا حامی وناصر ہو۔آمین

تنویر اشرف:(مالے گاؤں) انالللہ وانا الیہ راجعون

اللہ رب العزت مرحومہ کی مغفرت فرمائے۔پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

یعقوب نظامی:(بریڈفورڈ) بھابی جان کے اس جہان سے رخصتی کی خبر سنتے ہی مجھے آپ کا سفرِ حج اور بھابی صاحبہ کی باتیں یاد آنے لگیں۔کتنی پرہیزگار اور نیک خاتون تھیں آپ کی شریکِ حیات۔آپ کے لیے یقیناً یہ بہت بڑے دکھ کی بات ہے۔رفیقِ زندگی کے چلے جانے سے انسانی زندگی میں بہت خلا پیدا ہو جاتا ہے،اللہ تعالیٰ آپ کو یہ غم برداشت کرنے کی ہمت دے اور مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

نعیم الرحمٰن:(کراچی) بہت ہی افسوس ہوا آپ کی اہلیہ کے انتقال پر۔طویل رفاقت کے بعد جیون ساتھی کا انتقال بہت بڑا سانحہ ہوتا ہے۔میں اس دور سے گزر چکا ہوں۔اللہ آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور مرحوامہ کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔آمین

بلال قادر:(خان پور) انالللہ وانا الیہ راجعون اللہ پاک مرحومہ کو اپنی رحمت کے سایۂ

اقدس میں جگہ دے اور لواحقین کو صبر کی توفیق عطا کرے۔آمین۔

محمد یوسف وحید:(خان پور) اللہ کریم انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے،آمین
اللہ کریم آپ کو اور پوری فیملی کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔آمین۔نہایت دکھ ہوا۔

کنول تبسم:(اسلام آباد) اناللہ وانا الیہ راجعون۔سر جی بہت زیادہ افسوس ہوا۔اللہ پاک ان
کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کریں اور آپ سب کو صبر دیں۔آمین۔

افتخار شفیع:(ساہیول) آج مجھے ارشد خالد صاحب کا فون آیا۔انہوں نے آپ کی اہلیہ محترمہ
کی وفات کی خبر دی۔واللہ میں اس سانحے سے بے خبر تھا۔معذرت قبول فرمائیں۔ان دنوں میں
ان کے حوالے سے مرتب کردہ کتاب پڑھ رہا ہوں۔اس سے سالوں پہلے آپ کا تحریر کردہ خاکہ
پڑھا تھا۔ایک باشعور اور سلیقہ شعار بیوی انسان کی حقیقی قوت ہوتی ہے۔وہ آپ کی ماموں زاد بھی
تھیں۔آپ کی زندگی میں ان کی کمی کبھی بھی پوری نہیں ہو سکتی۔قانون قدرت ہے کہ جو بالائے
زمیں آتا ہے،اس کو زیرِ زمیں جانا پڑتا ہے۔موت برحق ہے۔۔۔میری اور میرے اہلِ خانہ کی
طرف سے تعزیت قبول فرمائیں۔

ڈاکٹر نذر خلیق:(راولپنڈی) مجھے معلوم نہیں تھا کہ بھابی فوت ہو گئی ہیں۔اللہ پاک
انہیں جنت میں جگہ عطا فرمائے۔آمین۔میں دو مرتبہ کال کر چکا ہوں۔آپ شاید بہت مصروف
ہیں۔اللہ پاک آپ کو اور بچوں کو صبر دے۔

پرویز مظفر:(برمنگھم) اِناللہ وانا الیہ راجعون۔۔۔دلی افسوس ہوا۔

حسن چشتی:(شکاگو) میں اور میری وائف آپ کے دکھ میں شریک ہیں میرے بھائی۔

ندیم صدیقی:(ممبئی) اللہ مبارکہ حیدر کی مغفرت کرے۔آمین

ڈاکٹر پنہاں:(امریکہ) بہت افسوس ہوا۔خدا انہیں غریقِ رحمت کرے اور آپ اور تمام
اہلِ خانہ وعزیز واقربا کو صبر عطا کرے۔آمین۔

سفیر رامہ:(کینیڈا) اناللہ وانا الیہ راجعون
اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند کرے اور آپ کو اور اہل وعیال کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔آمین۔

محمد مدثر:(گلبرگہ) اناللہ وانا الیہ راجعون
اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے،جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔

ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو:(اسلام آباد) اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے اور لواحقین
کو صبر۔ God Bless you all there.

زارا حیدر:(بدین) اناللہ وانا الیہ راجعون
اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

سعید شباب:(خان پور) اللہ پاک بھابی صاحبہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا
فرمائے۔مزید درجات بلند فرمائے۔اور حیدر بھائی جان اللہ آپ کو اتنا بڑا صدمہ برداشت کرنے
کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

بشریٰ ملک:(بون،جرمنی) نہیں اُف۔یہ تو بہت ہی افسوس ناک خبر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔
۔۔۔مجھے تو مبارکہ کے جانے کا سن کر شاک سا لگا تھا جیسے کوئی قریبی رشتہ دار چلا گیا ہو۔حالانکہ ان
سے کم ملاقات اور تعلق رہا تھا۔کچھ لوگ ایک بار ملنے سے ہی دل میں بس جاتے ہیں۔اللہ ان کو
جنت اور آپ کو سکون وحوصلہ دے۔آمین۔

ڈاکٹر نواز کاوش:(بہاول پور) بہت افسوس ناک خبر ہے۔اللہ بھابی کی مغفرت فرمائے۔آمین

ڈاکٹر پرویز شہریار:(دہلی)

May Allah rest her soul in peace and bestow her high place in heaven.

سہیل اقبال:(کینیڈا) اناللہ وانا الیہ راجعون
اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے،جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور حیدر قریشی
صاحب کو صدمہ برداشت کرنے کی توفیق دے۔آمین۔

کاشف حباب:(اوکاڑہ) اناللہ وانا الیہ راجعون
اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے،جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔

احمد حسین مجاہد:(ایبٹ آباد) اناللہ وانا الیہ راجعون

بہت دکھ ہوا یہ افسوس ناک خبر سن کر۔۔۔اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند کرے۔آمین

ڈاکٹر محمد عمر:(آسٹریلیا) اناللہ واناالیہ راجعون

Very sad to hear.May Allah bless her soul and have mercy on her.

ندیم اکرم:(آسٹریلیا) حیدر بھائی!ابھی خبر دیکھی،بہت افسوس ہوا۔
اللہ ان کو جنت میں جگہ دے۔آمین۔

نصرت جہاں:(خان پور) بہت افسوس ہوا لیکن اللہ کی مرضی۔دعا ہے کہ اللہ پاک بھابی مبارکہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔

She was precious partner of your struggle full life.

ڈاکٹر عزیز الرحمٰن:(آسٹریلیا) حق مغفرت فرمائے۔بہترین وجود جو حیدر قریشی سے الوداع ہو گیا۔مبارک وجود جو جنت الفردوس کو روانہ ہو گیا۔

ڈاکٹر الطاف یوسفزئی:(ایبٹ آباد) آپ کی شریکِ حیات کی وفات کا سن کر افسوس ہوا۔اللہ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دیں اور آپ لوگوں کو صبرِ جمیل عطا کریں۔

زبیر جہانگیر:(خان پور) اللہ پاک مرحومہ کی مغفرت فرمائے،آپ کو صبرِ جمیل عطا کرے۔آمین

فیصل عظیم:(کینیڈ) اناللہ واناالیہ راجعون

بہت دکھ ہوا۔اللہ انہیں جنت نصیب کرے اور آپ کو صبر دے۔آج آپ کا چند دن پہلے پڑھا مضمون یاد آگیا جس کا آخری حصہ اسی بارے میں تھا۔

قانتہ قدیر:(انگلینڈ) اناللہ واناالیہ راجعون

باجی خدا کی بندی تھیں،نیک اور پرہیز گار تھیں۔خدا ان کے درجات بلند کرے۔آپ کو بھی صبرِ جمیل عطا کرے۔آمین بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

سعدیہ تسنیم سحر:(جرمنی) ابھی ایک افسوسناک خبر ملی ہے۔اناللہ واناالیہ راجعون

میں آنٹی سے ملی تو صرف ایک بار آدھے گھنٹے کے لیے،جس میں انہوں نے اچھی سامع ہونے کا ثبوت دیا۔دھیمے لہجے میں ہلکی پھلکی بات چیت اور ایک نایاب اور دل سے ابھرتی ہوئی مدھم

مسکراہٹ،بس اس سے زیادہ واقفیت نہیں تھی لیکن ''زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو'' اتنے لوگ ان کے لیے دعا گو ہیں۔۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ آنٹی کی مغفرت فرمائے،رحم کا سلوک کرے۔اپنے پیار کی چھاؤں میں رکھے،کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔آپ سب کو صبر دے۔آمین۔آپ کے لیے یہ صدمہ بہت بڑا ہے،اللہ تعالیٰ برداشت کی توفیق دے۔خود مرہم رکھے۔آمین

شہناز خانم عابدی:(کینیڈا) زندگی میں کوئی بہت ہی اپنا بچھڑ جائے،اس تکلیف کا اندازہ کوئی دوسرا کر ہی نہیں سکتا۔زندگی میں ایک سناٹا سا چھا جاتا ہے۔وہ جو دوجا تھا ہی نہیں،میری زندگی کا ہی ایک حصہ تھا۔آپ جس تکلیف سے گزر رہے ہیں وہ یقیناً بہت بڑی ہے۔

بھابی اس طرح اچانک ہم سب کو چھوڑ کر چلی جائیں گی کبھی سوچا نہ تھا۔ہمیں تو اب تک یقین نہیں آرہا ہے۔

رضیہ اسماعیل:(برمنگھم) اناللہ واناالیہ راجعون ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔اللہ ان کے درجات بلند کرے اور آپ سب کو صبر دے۔آمین۔

کرن:(امریکہ) اللہ میاں باجی کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔اور آپ سب کو ان کی جدائی کا دکھ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔بہت ہی پیار کرنے والی اور پُرخلوص شخصیت کی مالک تھیں باجی۔

خالد یزدانی:(لاہور) اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔آمین

ناصر علی سید:(پشاور) اوہ۔۔۔اناللہ واناالیہ راجعون۔۔۔اللہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ان کے درجات بلند فرمائے اور آپ کو اور بچوں کو یہ صدمہ جھیلنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

جان عالم:(مانسہرہ) بہت افسوس ہوا بھائی۔۔۔اللہ آپ کو حوصلہ دے اور بھابی کو اپنی رحمت میں جگہ دے،اللہ آپ کو صبر عطا کرے۔

محی الدین عباسی:(لندن) انالِلہ واناالیہ راجعون۔اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کو اور اہلِ خانہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔آمین۔

عابد علی: اناللہ وانا الیہ راجعون۔ بہت بہت افسوس ہوا۔حیدر صاحب کی زندگی کا ایک حسین باب بند ہوگیا۔اللہ تعالیٰ انہیں صبرِ جمیل عطا فرمائیں۔آمین

یاسمین رفیق:(رحیم یار خان) اناللہ وانا الیہ راجعون۔اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے اورانہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور حیدر قریشی صاحب اوران کی فیملی کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔آمین۔

عبدالشفیق:(خان پور)

She was brave & nice Lady.May Allah her blessing & peace....May her soul rest in peace.(Ameen)

مقصود الٰہی شیخ:(بریڈفورڈ) مجھے آپ کی اہلیہ کی رحلت کی خبر پڑھ کر افسوس ہوا۔ خدا ان کو جنت نصیب کرے اور آپ کو صبر دے۔آمین۔

خالد ملک ساحل:(ہمبرگ) اناللہ وانا الیہ راجعون

حیدر قریشی صاحب کی زوجہ محترمہ وفات پا گئی ہیں۔اللہ تعالیٰ قریشی صاحب اوران کے خاندان کو صبر عطا فرمائے۔

عالم خورشید: اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ ان کی مغفرت کرے۔آمین۔

صبا حنفی:(دہلی) Our condolences شمیم حنفی (دہلی)

نذیر بزمی:(خان پور) انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے اورانہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور حیدر قریشی صاحب اور ان کی فیملی کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔آمین

کریم رضا مونگیری:(کلکتہ) ثنا کو آپ کی دخترِ نسبتی نے یہ اندوہناک اطلاع دی کہ آپ کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔یہ ہم سب کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ہے اور آپ کے لیے تو ناقابلِ برداشت۔لیکن کیا کیجیے،اللہ کی مرضی کے سامنے ہم سب بے بس ہیں۔دعا ہے کہ وہ اپنی رحمت کے صدقہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین۔اہلیہ کے بغیر زندگی کیا ہوتی ہے اس کا اندازہ مجھے گزشتہ پندرہ برسوں سے ہو رہا

ہے۔اللہ سے دعا ہے کہ آپ کو داغِ مفارقت برداشت کرنے کا حوصلہ دے اور آپ کے بچوں کو صبر عطا فرمائے۔آمین۔

فوزیہ مغل:(فرینکفرٹ،جرمنی) عزیزی لیاقت رضا کی فیس بک وال پر ۲۷ مئی کی اس تعزیتی اطلاع نے دکھی کر دیا کہ حیدر قریشی کی اہلیہ مبارکہ صاحبہ وفات پا گئی ہیں۔دل ابھی تک مبارکہ صاحبہ کو مرحومہ لکھنے کو نہیں مان رہا۔وہ مکمل شخصیت کی مالک بہادر خاتون تھیں،جن کے مزاج میں دھیما پن اور خلوص کی تیز آنچ شامل تھی۔یہ حقیقت ہے کہ حیدر قریشی کے ادبی کاموں میں ان کے اپنے کمال کے ساتھ بہت سارا حصہ مبارکہ صاحبہ کا بھی ہے۔اس کا اعتراف حیدر قریشی نے ”عمرِ لاحاصل کا حاصل“ میں جا بجا کیا ہوا ہے۔اپنے ڈاکٹروں کے مطابق وہ ۹۰ فیصد معذور تھیں لیکن وہ اتنی بہادر تھیں کہ اپنی ول پاور سے خود کو ۱۰۰ پرسنٹ ٹھیک ثابت کیا۔ہماری فرینکفرٹ کے شاپنگ مالز میں کئی بار ملاقات ہوئی۔وہ جس یقین اور اعتماد کے ساتھ اکیلی شاپنگ کر رہی ہوتیں،کوئی مان ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ ڈاکٹری ریکارڈ کے مطابق نوے فیصد معذور ہو سکتی ہیں۔وہ عظیم ماں،عظیم تر بیوی اور بہت ہی عظیم ترین ہستی تھیں۔مجھے ان کی مہمان ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔بیماریوں کے باوجود وہ جس محبت،خلوص اور شفقت سے پیش آئیں وہ میں کبھی بھی نہیں بھول سکتی۔

مبارکہ بیگم ماہ رمضان کے مبارک مہینے میں اپنے اصل گھر کو لوٹی ہیں۔اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے اور حیدر قریشی اوران کی فیملی کو صبر عطا فرمائے۔آمین۔

مطیع الرحمٰن عزیز:(دہلی) انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عنایت فرمائے،اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔چچی مبارکہ رحمہ اللہ کے جناب مشفق حیدر قریشی صاحب سے قربت میں کافی احوال ملا کرتے تھے۔لیکن دنوں کے گزرنے کے ساتھ کام اور مصروفیات کے اضافہ نے ایک طرح سے بہت کچھ بھلا رکھ دیا۔ آج جب چچی کے انتقال کی یہ خبر سنی تو دل دھک سے رہ گیا۔اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اقرباء کو صبرِ جمیل عنایت فرمائے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔آمین۔

صادق باجوہ (امریکہ)

چند یادداشتیں

میری بھتیجی اور حیدر قریشی کی شریک حیات مبارکہ یکم جنوری ۱۹۵۶ء کو پیدا ہوئی اور ۲۷ مئی ۲۰۱۹ء کو سب کو افسردہ چھوڑ کر اپنے خالقِ حقیقی کے دربار میں حاضر ہوگئی۔ ہمیں اس کی اندوہناک اور اچانک وفات کی خبر حیدر کی ہمشیرہ زبیدہ کلیم نے دی۔ یقین نہیں آتا تھا کہ مسلسل ان گنت عوارض سے نبرد آزما ہو کر صحتیاب ہونے والی مبارکہ یوں اچانک داغِ مفارقت دے جائے گی۔ لیکن جب معین وقت آجاتا ہے تو ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔ ہم نے بھی صبر و رضا کا دامن تھامتے ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر اسکی مغفرت کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ اس سے رحمت و شفقت کا سلوک کرتے ہوئے اسے جنت الفردوس میں داخل کرے۔ آمین، نیز مبارکہ کے خاوند اور اپنے بھانجے حیدر اور اس کے بچوں اور تمام عزیز و اقارب کے لئے دعائیں کرنے کی توفیق بھی ملی۔ اللہ تعالیٰ اس صدمہ کو برداشت کرنے کی قوت و ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

مبارکہ کی والدہ مجیدہ بیگم جب دوسرے حمل کے آخری ایام میں اپنے سسرال گئیں تو راقم الحروف وہیں تھا۔ مبارکہ کا بڑا بھائی مبشر احمد خالد تین سال کا تھا جب مبارکہ پیدا ہوئی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اباجی مبارکہ کی پیدائش کا ذکر "نئے سال کا تحفہ" سے کیا کرتے تھے۔ بھابی مجیدہ ہماری خالہ زاد بھی تھیں۔ ہماری والدہ اپنی بہوؤں سے ہمیشہ محبت و شفقت سے پیش آتیں اور بہوئیں بھی ہمیشہ اپنی ساس کا بہت خیال رکھتیں۔ وہ اپنے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں سے بہت ہی پیار کرتیں۔ مبارکہ کی پیدائش کے وقت چونکہ مبشر اکیلا ہی وہاں تھا وہ ہر وقت دادی کے پاس ہی رہتا۔

خاکسار نے میٹرک کے بعد ایم ایس سی تک لمبا عرصہ بھائی جان ناصر اور ان کی فیملی

کے ساتھ گزارا ہے۔ بھابی مجیدہ اور بھائی جان ناصر ہمیشہ بہت شفقت سے پیش آتے اور میری ضروریات کا خیال رکھتے۔ بسا اوقات اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر میری ضرورت پوری کرتے لیکن اس کا احساس نہ ہونے دیتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزا دے اور ان کو اپنے قرب خاص میں جگہ دے۔ مجھے اس وقت تو اندازہ نہ ہوتا تھا لیکن بعد میں اس کا شدت سے احساس ہوتا رہا۔

مبارکہ سے متعلق یادیں تو بہت ہوں گی لیکن جب لکھنے بیٹھا تو کچھ بھی یاد نہیں آرہا۔ ماموں زاد ہونے کے ناطے مبارکہ سے متعلق بہت سی باتیں حیدر اپنی مختلف کتب میں سپردِ قلم کر چکا ہے۔ بعض معمولی اور غیر اہم سمجھی جانے والے واقعات کو بھی اس نے بہت ہی دلکش اور دلنشین انداز میں بیان کر دیا ہے۔ وحیدہ مبارکہ کی چھوٹی بہن اس سے تقریباً دو سال چھوٹی تھی لیکن چھوٹی ہونے کے باوجود اسی جتنی لگتی تھی اور بعض لوگ انہیں جڑواں بہنیں ہی سمجھتے۔ مبارکہ اپنی بہن کی نسبت پڑھائی میں تیز تھی اور جلدی سبق یاد کر لیتی۔ شروع شروع میں وحیدہ کو بعض الفاظ ادا کرنے میں بہت دقت ہوتی۔ وہ "الف" کو "افل" اور "اکبر" کو "ابکر" کہتی۔ پھر جلد ہی اس نے اس قسم کی دقتوں پر قابو پا لیا۔

بچپن میں مبارکہ کی ایک عجیب عادت تھی کہ وہ جب بھی روتی اور جتنی دیر روتی رہتی اپنے پیٹ پر یا کان پر کھجلی کرتی رہتی۔ انہیں پڑھانے کی ذمہ داری میری ہوتی۔ دونوں بچیاں بہت توجہ سے سبق یاد کیا کرتیں۔ تینوں بہن بھائی مجھ سے بہت مانوس تھے۔ عمر کے فرق کے باوجود ہم اکٹھے مختلف کھیل بھی کھیلا کرتے۔ مبارکہ کی دوسری چھوٹی بہن غزالہ کی پیدائش کے بعد بھابی مجیدہ زیادہ تر بیمار رہیں۔ اگرچہ بیماری کے اثرات پہلے بھی تھے لیکن غزالہ کی پیدائش کے بعد زیادہ ہوتے گئے جو جان لیوا ثابت ہوئے۔

ایم ایس سی کے بعد پہلے ڈگری کالج ڈیرہ اسماعیل خان اور پھر کراچی میں ملازمت کے گورکھ دھندوں میں ان سے ملنا کچھ کم ہو گیا۔ البتہ مختلف خاندانی تقریبات پر ملاقات ہوتی رہی۔ میری شادی اور مبارکہ کی شادی ایک ہی دن یعنی ۴/اپریل ۱۹۷۱ء کو ہوئی۔ مارچ ۱۹۹۲ء

میں خاکسار کے امریکہ کے آنے کے بعد صرف ایک مرتبہ ۲۰۱۲ء جب خاکسار بمع اہلیہ جرمنی گیا تو حیدر اور مبارکہ سے ملاقات ہوئی۔ دونوں بہت محبت اور خلوص سے پیش آئے اور مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

مبارکہ کی وفات پر ہم تو شریک نہ ہو سکے البتہ ہمارے بیٹے اویس باجوہ نے تجہیز و تکفین میں شرکت کر کے ہماری نمائندگی کر دی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی جزا دے۔ آمین۔

عبداللہ جاوید (کینیڈا)

ہرگز نمیرد آنکہ۔۔۔۔۔

محبّ عزیز حیدر قریشی! ۔ مبارکہ چلی گئیں۔ تم دونوں کزن ساتھ کھیلتے کھیلتے جانے کب بڑے ہوئے؟ کب۔۔ کب دلھا، دلہن بنے۔؟ کب مادر، پدر کے مراتب پر سرفراز ہوئے؟ پتہ نہیں چلا۔! اس کا بھی ہوش نہیں رہا کہ دونوں میں سے کس نے یا دونوں ہی نے یہ فیصلہ کیا۔

من تو شدم ۔ تو من شدی
من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گو ید بعد ازیں
من دیگرم ۔ تو دیگر ی

فاصلے اپنی جگہ باقی رہے یا فاصلوں کی موجودگی کا احساس باقی رہا تو اس نے پہل کی۔ اور اک ادائے مستانہ اور جراءت رندانہ سے تیری ٹوپی اپنے سر پر اوڑھ لی اور بقول انور سدید (مرحوم) تجھ کو اپنا باقاعدہ سرتاج تسلیم کیا۔ اس سے بھی تشفی نہیں ہوئی تو راتوں میں اکثر سوتے سوتے جاگ کر اپنا سر پلنگ کے پائنتی میں پہنچا دیا اور تمہیں جگائے بغیر پُرش سے دیوتا بنا دیا اور خود کو پتنی سے پجارن۔

ممتاز شاعرہ فرحت نواز نے مبارکہ کی آنکھوں میں خود اعتمادی دیکھی اور اس کو تم سے جوڑا۔ ان کے خیال میں کسی عورت کی آنکھوں کو اتنی زبردست خود اعتمادی کوئی مرد ہی دے سکتا ہے۔ شہناز خانم عابدی کو مبارکہ کے چہرے بھر میں نرمی ہی نرمی جھلکتی دکھائی دی اور میں اس کی تصویر میں ٹوپی کے ماسوا کچھ نہ دیکھ پایا۔ تمہاری ٹوپی مبارکہ کے چہرے مہرے، سچ پوچھئے تو مبارکہ کے سارے وجود سے گھل مل گئی۔۔ ٹوپی وہی وہ تھی۔

تم نے خواب دیکھا۔اس کو اہمیت دی۔کاغذ پر درج کیا،اپنے بیٹے کو پڑھایا۔کچھ ضروری ہدایات دیں،ساتھ ہی بیٹے سے وعدہ لیا راز داری کا۔بیٹے سے برداشت نہ ہوا،اس نے ماں کو پڑھا دیا یا بتا دیا۔خواب میں تم کو تمہاری موت کی تاریخ سے آگاہ کیا گیا تھا لیکن تاریخ میں کہیں سن وفات شامل نہیں تھا۔اس خواب کو سن کر یا خواب کا معلوم ہونے کے بعد مبارکہ کی حالت غیر ہوگئی۔ایمبولینس منگوائی گئی۔ڈاکٹرز نے دیکھا ۔

ٹسٹ لوائے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ زندگی بچانے کے امکانات بہت کم ہیں۔تم نے اس صورت حال کو اس طرح لفظایا ہے کہ لکھنئو والوں سے منسوب ''پہلے آپ'' کی جگہ ''پہلے میں'' نے لے رکھی تھی کیونکہ مبارکہ ہی نہیں ''خود آپ'' بھی دل کے ایک والو کے بند ہونے کے مسئلے سے دو چار ہو کر ہسپتال کے ہو گئے تھے۔مبارکہ ہسپتال سے گھر آ گئیں۔تم بھی انجیو گرافی اور انجیو پلاسٹی کے مراحل سے کامیابی سے گزر آئے ۔۔۔۔وقت گزرتا گیا لیکن ''پہلے میں'' کی متمنی مبارکہ نے اپنی درخواست پر رضائے الٰہی کی مُہر ثبت کروالی اور ''پہل'' کرنے میں کامیاب ہو گئی۔اللہ کی بھیجی ہوئی آئی اور اللہ کی جانب لوٹ گئی۔

کون جانے کسی جمعہ کے دن سورۃ یسٰین اور سورۃ صافات پڑھ کر تم سے پہلے جانے کی دعا بھی مانگی ہو جو مستجاب ہو کر رہی۔ایک مدت سے وہ ہر جمعہ کے دن صرف تمہارے لئے اس طرح دعا مانگنے کو اپنا معمول بنائے ہوئے تھی۔

اللہ تعالیٰ مبارکہ کی مغفرت فرمائے۔درجے بلند کرے اور اس کے پیاروں کو (بشمول حیدر قریشی) کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است برجریدہءعالم دوامِ ما

شہناز خانم عابدی (کینیڈا)

بیادِ مبارکہ بھابی

۲۷ مئی ۲۰۱۹ء اور رمضان شریف کی ۲۱ تاریخ تھی ۔میں چار دن Credit Valley Hospital میں رہ کر آج گھر آئی تھی ۔عبداللہ جاوید نے مجھ سے کہا ''بہت دنوں سے حیدر قریشی سے بات نہیں ہوئی۔'' میں نے گھڑی کی طرف نظر ڈالی، ہمارے پاس (کینیڈا میں) شام کے چار بج رہے تھے۔''اس وقت جرمنی میں رات کے دس بج رہے ہوں گے۔بات تو کی جا سکتی ہے'' یہ سوچتے ہوئے میں نے فون ملایا۔فون حیدر قریشی صاحب نے اٹھایا ۔میں نے ان کو بتایا کہ ہسپتال میں میری انجیو گرافی ہوئی، سی ٹی اسکین ہوا اور دن میں دو مرتبہ بلڈ ٹیسٹ ہوتا تھا۔آج صبح میرے ہارٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹر DrHarrison میرے روم میں آئے اور بتایا کہ میری تمام رپورٹس نارمل ہیں۔حیدر قریشی صاحب صبر سے سنتے رہے، جیسے ہی میرا جملہ مکمل ہوا تو بولے:

'' ایک بہت افسوسناک خبر ہے۔''

میں ایک دم خاموش ہوگئی۔میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، میں سوچ رہی تھی نجانے کیا خبر ہوگی؟ پھر بولے ''مبارکہ بیگم کا آج صبح انتقال ہوگیا۔''

یہ خبر بالکل غیر متوقع تھی، میں سُن ہوگئی تھی، ایسا لگ رہا تھا میرا تمام وجود، میرے اعصاب سب جم گئے ہوں ۔ بڑی مشکل سے میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور حیدر قریشی صاحب سے پوچھا یہ سب کیسے ہوا۔؟انہوں نے بتایا:

''صبح سوا چار بجے مبارکہ نماز کے لئے اٹھیں، بائیں بازو پر ڈایلیسز کے لئے جو شنٹ (Shunt) لگا ہوا تھا اس کا پلاسٹر ہٹا کر خارش کرنا چاہی (وہ اکثر ایسا کرتی تھیں) لیکن اس دن وہ ٹیوب باہر سرک آئی، خون کا فوارہ بہہ نکلا اور خون کسی صورت نہیں رکا۔''

اس سے آگے مجھ سے کچھ سنا نہیں گیا اور میں نے ریسیور عبداللہ جاوید کی طرف بڑھا دیا۔

حیدر قریشی صاحب سے ہمارے تعلقات کافی عرصے سے ہیں عبداللہ جاوید اور میری اکثر ان سے بات ہوتی رہتی ہے۔مبارکہ بھابی سے بھی کبھی کبھی میری بات ہو جاتی تھی۔کبھی کسی تقریب کے موقع پر یا پھر ان کی طبیعت خراب ہو تو خیریت وغیرہ کے لئے میں فون کر لیتی تھی۔

خوشی کی بات ہو تو بھابی بہت خوشی کا اظہار کرتی تھیں،اور متعلقہ تقریب کا بھی تھوڑا بہت ذکر کرتی تھیں۔طبیعت کی خرابی کے موقعے پر جب بھی فون کر کے ان کی خیریت پوچھتی تو ان کا پہلا جملہ یہ ہوتا۔''اللہ کا شکر ہے میں ٹھیک ہوں۔'' بعد میں بھی نہ کوئی شکایتی لہجہ نہ کوئی شکایتی الفاظ، ہنس کر کہتیں ''گزر رہی ہے اللہ کے کرم سے۔''

میں نے ان کی تصویر پہلی مرتبہ ان کے پوتے کے عقیقے پر دیکھی تھی۔حیدر قریشی صاحب نے انٹرنیٹ پر لگائی تھی۔میں نے ان کی آنکھوں میں پیار اور محبت کے دیئے جلتے دیکھے اور چہرے پر نرمی۔اور یہی نرمی اور محبت میں نے ان کی آواز میں بھی پائی۔

حیدر قریشی صاحب نے بتایا کہ انہوں نے ایک دن اپنے بچوں سے کہا

'' تم سب علیحدہ علیحدہ سوچو کہ کیا تمہاری ماں کا کبھی کسی سے جھگڑا ہوا تھا۔ ''

بچوں نے بڑے غور و فکر اور سوچ کے بعد کہا'' ہمیں یاد نہیں کہ امی کا کبھی کسی سے جھگڑا ہوا ہو۔بلکہ اگر کبھی کوئی جھگڑنا بھی چاہتا تو امی درگزر کر دیتیں۔''

مجھے بچوں کی یہ بات ماننے میں کوئی تامل نہیں ہوا۔مبارکہ بھابی تو لڑنے والی لگتی ہی نہیں تھیں۔وہ رشتوں کی اہمیت کو سمجھتی تھیں اور انہیں جوڑ کر رکھنا جانتی تھیں۔

بچوں کے ساتھ بھابی کی محبت،شفقت اور گہرے روابط کا یہ عالم کہ بچوں نے ان کی زندگی ہی میں ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کر ڈالی۔''ہماری امی مبارکہ حیدر'' کی اشاعت سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ مبارکہ بھابی اور ان کے بچوں کے درمیان 'جنریشن گیپ' کا نام و نشان نہیں تھا۔''ہماری امی مبارکہ حیدر'' کی اشاعت کے بعد میں نے بھابی کو مبارکباد دینے کے لئے فون کیا۔وہ بہت خوش تھیں۔یقیناً ان کو اپنی تربیت پر فخر محسوس ہو رہا

ہو گا۔

حیدر قریشی صاحب بھابی سے بہت محبت کرتے تھے۔۱۹۹۶ء میں جب مبارکہ بھابی Rheumatism کی بیماری میں مبتلا ہوئی تھیں تو انہوں نے بیماری کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے ایک غزل میں یہ شعر کہا تھا۔

دیکھو مجھے اس حال میں مت چھوڑ کے جانا
دل پر ابھی میں نے کوئی پتھر نہیں رکھا

زندگی کے سفر کے اونچے نیچے راستوں میں مبارکہ بھابی،حیدر قریشی کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتی رہیں یہاں تک کہ ان کی ادبی زندگی کے معاملات میں بھی ساتھ دینے سے گریز نہیں کیا۔''جدید ادب'' جب مالی مشکلات میں مبتلا ہوا تو وہ ان کا ساتھ دینے کے لئے کھڑی ہو گئیں اور کچھ نہیں تو اپنا کوئی زیور ہی آگے کر دیا۔

۲۶ جنوری ۲۰۰۹ء کا ذکر ہے جب حیدر قریشی صاحب نے خواب دیکھا تھا جس میں ان کی تاریخ وفات ۳ دسمبر بتائی گئی تھی (سن نہیں بتایا تھا) انہوں نے یہ خواب اپنی ڈائری میں لکھ کر اپنے چھوٹے بیٹے طارق کو پڑھایا اور ساتھ ہی کچھ ہدایات بھی دی تھیں۔

اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اس کا ذکر کسی سے نہیں کرے گا،اور اپنی امی سے تو بالکل نہیں کرے گا۔طارق نے دو چار دن برداشت کیا پھر مبارکہ بھابی کو بتا دیا۔یہ سن کر وہ بیمار پڑ گئیں اور بیماری اس حد تک گئی کہ وہ گھر سے ہسپتال پہنچائی گئیں،اور ڈاکٹرز نے ان کی حالت کو اس حد تک نازک بتایا کہ بچ جانے کا صرف ایک فی صد چانس ہے۔لیکن پھر اسی ایک فی صد چانس کو اللہ تعالیٰ نے سو فیصد بنا دیا۔وہ صحت یاب ہو گئیں۔

بھابی حیدر قریشی کو کس قدر عزیز رکھتی تھیں اس کا ایک اور ثبوت اس طرح سامنے آیا جب ان کے چھوٹے بیٹے طارق نے کہا:

''ماں اس جمعہ کو آپ میرے لئے خاص دعا کریں۔'' بھابی نے کہا کسی دوسرے سے دعا کرانے سے پہلے خود دعا کرنا چاہئے۔اس لئے خود دعا کرو۔دعا تو میں کرتی رہتی ہوں تم سب

کے لئے ،مزید بھی دعا کرلوں گی۔لیکن جمعہ کی یہ خاص دعا کسی کے لئے نہیں کرسکتی کیونکہ جب سے میں نے یہ خاس دعا شروع کی ہے صرف اور صرف آپ کے ابو کے لئے کرتی ہوں۔''

لوگ چلے جاتے ہیں یادیں باقی رہ جاتی ہیں ۔مبارکہ بھابی بھی سب کو چھوڑ کر چلی گئیں۔

انا للله وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔آمین

مبارکہ بھابی سے میرا تعلق اگر چہ کوئی زیادہ نہ تھا لیکن نجانے کیوں ایسا لگتا ہے جیسے کوئی اپنا، بہت ہی اپنا، مجھ سے جدا ہو گیا ہو۔

ڈاکٹر ریاض اکبر (آسٹریلیا)

میری بھانجی

حیدر قریشی کے ماموں پروفیسر ناصر اور میری بڑی بہن آصفہ کی جب شادی ہوئی تو اس سے پہلے ہی مبارکہ ناصر، میری بھانجی، مبارکہ حیدر بن چکی تھیں۔ میں نے پروفیسر ناصر کو مختلف خاندانوں کے لڑکے لڑکیوں کے مابین کامیاب رشتے تجویز کرتے ہوئے دیکھا ہے۔اتنی آسانی اور محبت سے وہ متفکر والدین کے معاملات طے کرتے تھے کہ انکی جرات اور سرعت پر بسا اوقات مجھ پر اندیشے کا ایک احساس بھی گزرتا تھا۔تاہم اسی بنا پر اگر عادتاً انہوں نے مبارکہ اور حیدر کو عین نوجوانی میں جوڑنے کی جلد بازی کی بھی ہو،تو بھی ان دونوں کے طویل ساتھ کی روداد ان کی جوہر شناسی پر دلیل ہے۔

مجھے یاد نہیں ہے کہ میری بہن نے کبھی مبارکہ کا ذکر 'ناصر صاحب کی بیٹی' کہہ کر ہم سے کیا ہو۔اس لحاظ سے میں حیدر قریشی کا ماموں سسر بنتا ہوں۔مگر یہ ادب کا رشتہ اس میں یوں گڈ مڈ ہوا ہے کہ عمر اور رشتے میں میں ذرا کچھ آگے تو ادب میں وہ میلوں میل۔

مبارکہ اور حیدر سے رشتہ داری کا تعلق بننے کے کچھ ہی سال بعد میں آسٹریلیا منتقل ہو گیا۔ بعد میں مبارکہ اور حیدر بھی جرمنی جا بسے۔ پاکستان کی کچھ ملاقاتوں کے سوا ہم مل نہیں سکے۔ گویا مبارکہ کو میں نے جتنا حیدر کی تحریروں سے جانا ہے، براہِ راست اتنا جان نہیں سکا۔اور اسکا کچھ غم سا بھی رہے گا۔مگر حیدر کی تحریروں میں مبارکہ سے ملنے کے مواقع ابھی باقی ہیں۔خود حیدر قریشی نے 'پسلی کی ٹیڑھ' میں لکھا تھا کہ 'اس خاکے کا دوسرا حصہ مبارکہ کی وفات کے بعد لکھوں گا یا میری وفات کے بعد وہ لکھے گی'۔اب مبارکہ، حیدر قریشی پر اس انٹرنیٹ والے 'سوتن کے کمرے'

میں بیٹھ کراپنے بارے میں لکھنے کا کچھ اور بوجھ ڈال گئی ہیں۔

ساتھ میں بھی ایک دوری ہوتی ہے، اور دوری میں بھی ساتھ۔منزہ یاسمین نے ایک انٹرویو لیا تھا جس میں مبارکہ نے اپنے اور حیدر کے بارے میں یہی بات کہی تھی کہ 'ہمارے ٹیسٹ (taste) ایک دوسرے سے بالکل متصادم ہیں مگر رشتہ بہت ہی پکا ہے۔مرنے کے بعد بھی نہ ٹوٹنے والا '۔اللہ کرے کہ اس رشتے کی نشانیاں نسلوں تک اسکو یاد کریں۔

مبارکہ نے زندگی کی جو جنگ لڑی ہے، اسکی تاریخ حیدر قریشی نے لکھی ہے۔مگر وہ مبارکہ کی اس جدوجہد میں اپنے کردار کا واضح ذکر کرنا بھولتے رہے ہیں۔انکی تحریروں کو بین السطور دیکھیں تو منظر گویا یوں ہے کہ

ساحل پر اک شخص کھڑا تھا
ابھر ابھر کر ڈوبی ناؤ

حیدر قریشی،

میں نے کہا تھا کہ آپ سے ملاقات ایک قرض ہے مجھ پر۔
ملوں گا ان شاءاللہ۔لیکن مبارکہ نہیں ہونگی۔

نازیہ خلیل عباسی (ایبٹ آباد)

مبارکہ آنٹی

مبارکہ آنٹی سے اگرچہ کبھی ملاقات نہیں ہو سکی لیکن ان کا تذکرہ حیدر قریشی کی تحریروں اور گفتگو میں اس قدر رہا کہ مبارکہ آنٹی سے اجنبیت جیسے تھی ہی نہیں۔اکثر سوچتی تھی کہ مبارکہ آنٹی کس قدر خوش نصیب ہیں کہ ان کے شریک حیات ان سے نہ صرف اس قدر محبت کرتے ہیں بلکہ اس محبت کے اظہار میں بھی بالکل بخل سے کام نہیں لیتے۔ایک بار فرحت نواز صاحبہ سے یونہی برسبیل تذکرہ مبارکہ آنٹی کے حوالے سے کوئی بات ہوئی، بات تو یاد نہیں رہی لیکن جس چاہت سے انہوں نے مرحومہ کی تعریف کی میرے دل میں ان کے لیے عزت اور محبت مزید بڑھ گئی۔

ایک بار جب میں مقالے کے سلسلے میں حیدر قریشی سے بہت سے سرائیکی جملوں رالفاظ کا اردو ترجمہ پوچھنا چاہ رہی تھی اور قدرے لحاظ اور مروت کے اپنی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے حیدر صاحب نے اس وقت بات کرنے سے انکار کر دیا اور وجہ طبیعت کی اکتاہٹ نہیں بلکہ بیٹی اور بیٹی کے بچوں کی اس شام کو متوقع آمد بتائی۔اور پھر کچھ دیر بعد حیدر قریشی کے کئی سالوں سے زیر استعمال ٹیبلٹ گر کر ٹوٹ گیا تو مبارکہ آنٹی نے نہایت ہلکے پھلکے خوشگوار موڈ میں اس نقصان کی وجہ مجھ سے کیے جانے والے بہانے کو قرار دے دیا۔یہ تمام تفصیل مجھے بعد ازاں سر حیدر قریشی نے ہنستے ہوئے اور مبارکہ آنٹی کی موجودگی میں اور انہیں کے کہنے پر بتائی۔اس بات سے مجھے ان کی شخصیت کی صداقت، صاف گوئی اور اخلاص کا اندازہ ہوا۔تب میں نے حیدر قریشی کو از راہ مذاق کہا کہ سر دیکھ لیں پھر میں کتنی پہنچی ہوئی شخصیت ہوں۔

جب رمضان المبارک کے مہینے میں مجھے وٹس ایپ گروپ ''سوال پوچھنا مشکل کیوں ہے؟'' میں یہ خبر پڑھنے کو ملی کہ فجر کی نماز کے وقت مبارکہ آنٹی کا انتقال ہو گیا ہے تو یہ خبر میرے

لیے انتہائی افسوس ناک تھی۔تعزیت کے لیے الفاظ کا انتخاب کرنا مشکل لگ رہا تھا۔بہر حال ایک تعزیتی نوٹ تو لکھا مگر افسوس اور غم کی وجہ سے کسی پل قرار نہیں تھا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے۔لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔
حیدر قریشی صاحب پر اللہ پاک اپنا خصوصی کرم اور فضل فرمائے۔آمین۔

•۔شادی پر بیوی کو پہلا تحفہ کیا دیا؟

ح۔ق: کم عمری میں شادی ہوئی تھی۔میری عمر اٹھارہ سال اور مبارکہ کی عمر چودہ سال۔ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے تحفہ تھے۔خوشیوں سے زیادہ مبارکہ نے زندگی میں میرے دکھوں کو بہت شئیر کیا ہے۔آج تک کر رہی ہے۔زیادہ تر مجھے مبارکہ ہی تحفے دیا کرتی ہے۔یہ مذاق نہیں، حقیقت ہے۔ہم اپنی ازدواجی زندگی کے ۴۶ سال مکمل کر چکے ہیں۔الحمدللہ۔

(مطبوعہ سنڈے میگزین روزنامہ نوائے وقت۔لاہور۔۸/اکتوبر ۲۰۱۷ء۔انٹرویو خالد یزدانی)

راحت نوید (امریکہ)

باجی سے بھابی تک

مبارکہ باجی میرے خالو جان پروفیسر ناصر احمد صاحب کی پہلی اہلیہ سے سب سے بڑی بیٹی تھیں۔یعنی کہ وہ ہماری کزن تھیں۔پہلی اہلیہ کی وفات کے بعد خالو جان کی شادی ہماری خالہ جان سے ہوئی تھی۔شادی کے بعد ہم سب کزنز انھیں مبارکہ باجی کہہ کر ہی پکارتے تھے۔

مبارکہ باجی سے میری پہلی ملاقات میرے بچپن کی ہے۔ایک دفعہ سردیوں کی چھٹیوں میں ہم اپنی چھوٹی خالہ کے گھر گئے ہوئے تھے اور اسی محلے میں مبارکہ باجی کا سسرالی گھر تھا جو ابھی نیا نیا ہی بنا تھا۔چنانچہ مبارکہ باجی سے ملنے کے لیے ان کے گھر بھی گئے۔وہاں برآمدے میں ایک بڑی میز پر چائے کا اہتمام تھا۔بڑے افراد تو چائے لے کر کمرے میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور ہم مہمان بچے اس میز پر سجے لوازمات میں سے اپنی پسند کے مطابق مٹھائی، بسکٹ، اور سموسے وغیرہ مزے مزے سے کھاتے رہے۔

اسی طرح ایک اور واقعہ کچھ یوں ہے کہ مبارکہ باجی کی خالہ کی بیٹی کی شادی تھی اور ہم سب حسبِ معمول سردیوں کی چھٹیوں میں اپنی چھوٹی خالہ کے گھر گئے ہوئے تھے۔مہندی والی رات ہم سب بھی شادی والے گھر مدعو تھے۔وہاں مبارکہ باجی نے ڈھولک کی بجائے مٹکا بجا کر شادی کے گیت گائے اور خوب رونق لگائی۔ہم بچوں کو گانے تو نہیں آتے تھے پر ہم نے گانے کی لَے کے مطابق زور زور سے تالیاں بجائیں۔تالیاں بجانے سے ہاتھ لال ہو رہے تھے۔ہم اپنے لال لال ہاتھ ایک دوسرے کو دکھاتے کہ دیکھو کس نے زیادہ زور سے تالیاں بجائی ہیں۔

۱۹۹۰ء میں حیدر بھائی اور مبارکہ باجی ہمارے گھر ملتان آئے۔تب ان کے چھوٹے بھائی نوید کی مجھ سے منگنی ہوئی تھی۔ان دونوں کی شمولیت میرے سسرالی رشتہ داروں کی تھی۔اُس وقت میری عمر انیس سال کی تھی۔ناسمجھی کی عمر تھی اور بےفکری کے دن تھے۔شام کو منگنی ہوئی اور

اگلے روز صبح میں کالج چلی گئی۔ واپس آئی تو دیگر مہمانوں کی طرح باجی مبارکہ اور بھائی جان حیدر بھی جا چکے تھے۔ لیکن اس رشتہ کے طے ہونے کے بعد حیدر بھائی میرے جیٹھ اور اور مبارکہ باجی میری جیٹھانی بن گئیں۔ اور اس دن سے ہی میں انہیں مبارکہ باجی سے مبارکہ بھابی کہنے لگ گئی۔

ہماری شادی سے پہلے ہی یہ سب جرمنی چلے گئے تھے اور پھر کبھی پاکستان واپس نہیں آئے۔ جب کبھی ان کے پاس کچھ گنجائش نکلتی تو مکہ، مدینہ کا چکر لگا آتے۔ ہاں ان کے بچے کبھی کبھار پاکستان آتے رہے اور ان سے ملاقات پر بھابی اور بھائی کی خیریت کی خبر ملتی رہی۔

۲۰۰۹ء میں ہم لوگ بھی امریکہ پہنچ گئے۔ پھر امریکہ سے جرمنی میں ہمارا براہِ راست رابطہ رہنے لگا۔ پہلے پہل اسکائپ پر کال کے ذریعے اور پھر وٹس ایپ کال کے ذریعے ایک دوسرے سے گفتگو بھی ہونے لگی اور ایک دوسرے کو لائیو دیکھنے کا موقع بھی ملتا رہا۔ پھر ۲۰۱۵ء میں مجھے اپنے بچوں کے ساتھ جرمنی جانے کا موقعہ ملا۔ شادی کے بعد میری یہ بھائی جان اور مبارکہ بھابی سے پہلی بالمشافہ ملاقات تھی۔

بھابی مبارکہ، بھائی جان اور ان کے سب بچے اس قدر اپنائیت سے ملے کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ ہم سب پہلی بار مل رہے ہیں۔ بھابی مبارکہ نے ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی مختلف کھانے اور چائے کے ساتھ کے لوازمات بنا بنا کر رکھے ہوئے تھے اور کچھ فریز بھی کیے ہوئے تھے۔ کیونکہ مبارکہ بھابی ہر دوسرے دن ڈایلے سز کے لیے جاتی تھیں اور انہیں فکر تھی کہ ان کی غیر موجودگی میں ہمیں کھانے پینے کے سلسلہ میں کوئی کمی یا تکلیف نہ ہو۔ جتنے دن بھی ہم ان کے گھر میں رہے بھابی مبارکہ اور بھائی جان نے ہمارا بہت خیال رکھا، کبھی بچوں کو کشتی کی سیر کروائی جا رہی ہے تو کبھی آؤٹ ڈور پکنک کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ کبھی بچوں کے لیے Pizza آرڈر کیا جا رہا ہے۔ جب ہم واپس جانے لگے تو تب بھی بہت سارے تحفے تحائف دے کر ہمیں رخصت کیا۔

کیا خبر تھی کہ بھابی مبارکہ کے ساتھ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بھابی مبارکہ کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے اور اپنے قرب میں انہیں جگہ دے اور بھائی جان اور سارے بچوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

عظمیٰ احمد (جرمنی)

میری پیاری آنٹی

رضوانہ سے میری دوستی تقریباً سولہ سال پرانی ہے۔ رضوانہ کوثر کی امی جب بھی ان کی طرف ملنے آتی تھیں تو میری کوشش ہوتی تھی کہ میں بھی آنٹی مبارکہ سے ملنے چلی جاؤں۔ آنٹی سے میرا تعلق بہت عجیب تھا۔ بہت عجیب سی محبت تھی مجھے ان سے۔ ایسی محبت جسے شاید کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ وہ جب بھی رضوانہ کی طرف آتیں میرا جی چاہتا تھا کہ میں ضرور ان سے ملوں۔ اور میں ان سے ملتی۔ ان سے مل کر ہمیشہ ایک عجیب سی طمانیت کا احساس ہوتا تھا۔ کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ آنٹی مبارکہ نے اچانک آنا اور جلدی چلے جانا، یا کبھی رضوانہ کا مجھے اطلاع نہ دینا۔۔ تو پھر میں بعد میں رضوانہ سے ناراض ہوتی تھی کہ مجھے اطلاع کیوں نہیں دی تھی۔ آنٹی مبارکہ بھی مجھے بہت پیار کرتی تھیں۔ مجھے ان سے پیار تھا، پیار ہے اور پیار رہے گا۔ میں ان سے ہر قسم کی بات بہت آسانی کے ساتھ کر لیتی تھی۔ اپنے ذاتی مسائل کے سلسلہ میں بھی صلاح لیا کرتی تھی۔ وہ مجھے سمجھاتی بھی تھیں۔ میں تھوڑی بہت شرارتی بھی ہوں سو آنٹی سے بھی ہلکی پھلکی شرارت کر لیتی تھی۔ البتہ کبھی کسی بچے کو یا کسی اور کو کوئی گالی دیتی تو آنٹی مبارکہ مجھے سمجھاتی تھیں کہ گالیاں نہیں دیا کریں۔ آنٹی مبارکہ کے ساتھ سنجیدہ مسائل پر گفتگو سے لے کر گپ شپ کرنے تک ہمیشہ ایک عجیب سا مزہ آتا تھا۔

ایک بار آنٹی بتانے لگیں کہ میں آپ کا اور آپ کے بچوں کا نام لے کر باقاعدگی کے ساتھ دعا کرتی ہوں۔ میرے لیے آنٹی کی وفات کے موقعہ پر ان کے بارے میں بات کرنا بہت مشکل ہو رہا ہے۔ انکل حیدر سے بھی میرا بہت اچھا رشتہ ہے، بہت ہی زیادہ۔ اچھی فیملی، بہت پیارا کپل تھا آنٹی انکل کا۔ مجھے جب بھی کوئی عجیب وغریب خواب آتا تھا تو کبھی رضوانہ کو سنا کر کہنا کہ انکل

سے اس کی تعبیر معلوم کریں۔اور کبھی میں خود بھی فون پر خواب سنا کر ان سے تعبیر پوچھ لیتی تھی۔ انکل نے جب بھی میرے خواب کی تعبیر بتائی اکثر وہ صحیح ہوتی تھی۔

مجھے ابھی تک آنٹی مبارکہ کی وفات کا یقین نہیں آ رہا۔وفات سے چند دن پہلے مجھے آنٹی کا فون آیا کہ ٹیپو کی شادی کی تاریخ مقرر کی ہے اور آپ نے لازماً شریک ہونا ہے۔ان دنوں میری بیٹی کچھ بیمار تھی، چنانچہ میں نے آنٹی سے کہا کہ بیٹی بیمار ہے، ویسے کوشش کروں گی کہ شریک ہو سکوں۔اس پر کہنے لگیں کہ کوشش نہیں آپ نے لازماً آنا ہے، ان شاءاللہ ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔بیٹی بھی صحت یاب ہو جائے گی۔آنٹی کا بات کرنے کا انداز بہت ہی خوبصورت اور پیارا تھا۔میں آنٹی کی اچانک وفات سے اتنی دکھی ہوں کہ میری امی نے بھی جب اس موضوع پر مجھ سے بات کرنا چاہی تو میں نے شدتِ غم کے باعث انہیں بات کرنے سے روک دیا۔اب پھر چند دن پہلے امی نے فون پر تعزیت کی تو وہ آنٹی مبارکہ کی تعریف کرنے لگیں۔میں نے کہا مجھے تو ان کا سلام کرنے کا انداز اتنا پیارا لگتا تھا کہ ابھی تک وہی سلام کانوں میں گونج رہا ہے۔پھر سلام کے بعد پوچھنا کہ اتنا عرصہ گزر گیا ہے، آپ کہاں ہیں؟

میں نے جب بھی اپنے مسائل کے بارے میں آنٹی سے مشورہ کیا، انہوں نے ہمیشہ اچھا مشورہ دیا، نصیحت بھی کی اور دلجوئی بھی کی۔ایسے سارے رویوں کی وجہ سے آنٹی مبارکہ سے میرا پیار بڑھتا چلا گیا۔

بار بار پیار کے اظہار سے شاید یہ گمان کیا جائے کہ میں ایسے ہی جذباتی ہو رہی ہوں، اس لیے آنٹی مبارکہ کے ساتھ تعلق کی نوعیت ظاہر کرنے کے لیے صرف ایک مثال بتا دیتی ہوں۔رضوانہ کے ذریعے آنٹی مبارکہ سے رابطہ ہوا تو مجھے زندگی میں پہلی بار انوکھی عیدی ملی۔آنٹی نے میرے لیے سوٹ، میرے میاں کے لیے شرٹ، ہمارے دونوں بچوں کے لیے نقدی، اوران تحائف کے ساتھ سویّاں، چینی اور ڈرائی فروٹ۔۔۔۔یہ سب بھیجا تھا۔میں یہ ساری عیدی دیکھ کر کچھ جذباتی ہوئی۔آنٹی مبارکہ کو فون کر کے ان کا شکریہ ادا کیا اور پھر پوچھا کہ چلیں دوسرے تحائف تو ٹھیک ہیں لیکن یہ سویّاں، چینی اور ڈرائی فروٹ کس لیے؟

اس پر آنٹی نے اپنی ہنستی مسکراتی ہوئی آواز میں کہا: مائیکے سے عید پر یہ سب کچھ ضرور بھیجا جاتا ہے۔ آنٹی کے اس جواب کے بعد میں مزید کتنی جذباتی ہوئی یہ میں ہی جانتی ہوں۔دراصل ہمارے سارے خاندان میں عیدی دینے کی ایسی کوئی روایت نہیں رہی، اس لیے ہماری امی نے کبھی بھی کسی بیٹی کو اس نوعیت کی عیدی نہیں دی۔اب جو آنٹی مبارکہ نے پہلی بار یہ سب کچھ بھیج کر خود کو میرا مائیکا قرار دے دیا تو میں آنٹی کی محبت کی اس ڈور میں بندھ گئی جو ان کی وفات کے بعد بھی نہیں ٹوٹی۔

یہ پہلی عیدی کا قصہ تھا، پھر یہ روایت چلتی رہی اور اب اپنی وفات سے پہلے آنٹی مبارکہ نے میرے لیے اپنی روایتی عیدی رضوانہ کے حوالے کر دی تھی۔یہ عیدی آنٹی مبارکہ کی وفات کے بعد رضوانہ نے مجھے پہنچائی ہے۔اس عیدی نے دل پر کیا اثر کیا، اسے کیسے بیان کروں۔

اس پہلی اور آخری عیدی کی مثال سے آنٹی مبارکہ کی شخصیت کے ہر پہلو کے بارے میں بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔وہ سراپا پیار اور محبت تھیں اور سچ مچ میں اپنے نام کی طرح نہایت بابرکت وجود تھیں۔وہ لوگ جو آنٹی کے قریب رہے، ان سے ملنے جلنے والے رہے، وہ سب خوش نصیب ہیں کہ انہوں نے آنٹی مبارکہ کو قریب سے دیکھا، ان کی محبت سے حصہ پایا، میں ایسے خوش نصیبوں میں خود کو ممتاز محسوس کرتی ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب پسماندگان کو ہمت اور صبر دے اور آنٹی مبارکہ کو اپنی بارگاہ میں خاص مقام دے۔وہ اگلے جہان میں بھی خوش ہوں، آمین۔

میرے دل میں آنٹی مبارکہ کا جو رتبہ اور مقام ہے وہ کوئی دوسرا نہیں لے سکتا۔وہ مجھے بہت پیاری تھیں، پیاری ہیں اور ہمیشہ پیاری رہیں گی۔

کنول تبسم کے ایک سوال کا جواب

از: حیدر قریشی

سوال نمبر۷: آپ نے پاکستان میں بھی اور پاکستان سے باہر بھی مشقت سے بھری ہوئی عملی زندگی گزاری ہے۔اور اسی دوران ادب کی تخلیق،تنقید اور تحقیقی کام کے علاوہ ادارت کی مشقت سے بھی گزرے اور تمام شعبوں میں کامیابیاں حاصل کیں۔اپنی ان کامیابیوں کے بارے میں کیا کہیں گے؟اور ان کامیابیوں میں کس کے عمل دخل کو زیادہ تسلیم کرتے ہیں؟

جواب: جی مشقت بھری عملی زندگی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے میری حیثیت سے کہیں زیادہ ادبی کام کرنے کی توفیق دی ہے،سو یہ سراسر اللہ تعالی کا فضل واحسان ہے۔اس کے بعد اگر دیکھوں تو امی،ابو کی دعائیں،ماموں ناصر کی ہمت افزائی اور میری اہلیہ مبارکہ کی ہر قدم پر ساتھ دینے کی وفائیں،میرے سارے علمی وادبی منصوبوں کی تکمیل کا باعث ہیں۔مبارکہ نے خان پور کے زمانے میں جدید ادب کے لیے اپنا سارا زیور دے دیا تھا۔بعد میں اللہ تعالیٰ نے پہلے سے بھی زیادہ زیور عنایت کر دیا۔اب مبارکہ کی وفات کے بعد ان کا سارا زیور جیسے مجھے تکتا رہتا ہے اور ان کے پیچھے سے جیسے مبارکہ کی آواز آتی ہے کہ ”جدید ادب کے چند اور شمارے نکال لو،میں ہوں نا!۔۔۔“
لیکن اب میں نے اس زیور کو سنبھال کر رکھا ہے اور تقسیم طے کر دی ہے کہ میری وفات کے بعد یہ میرے خاندان کی کن بچیوں کو کس حساب سے دے دیا جائے۔معذرت چاہتا ہوں مبارکہ کی وفات ابھی حال ہی میں ہوئی ہے اسی لیے تھوڑا سا جذباتی ہو کر موضوع سے کچھ ہٹ گیا ہوں۔

(وفاقی اردو یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم فل کے مقالہ ”مجلّہ جدید ادب کی ادبی خدمات“ کے سلسلہ میں ریسرچر کنول تبسم کے سوالوں کے جواب سے اقتباس۔۱۳جولائی ۲۰۱۹ء)

----

https://www.punjnud.com/Aarticles_detail.aspx?ArticleID=6869&ArticleTitle=Kanwal%20Tabassum%20Kay%20Sawalon%20Kay%20Jawab

----

Jadeed Adab was founded in 1978 from Khanpur, Pakistan, by Haider Qureshi at the cost of his spouse Mubarika Haider's jewelry which he sold one after another until all were sold and the magazine ceased to be published

https://en.wikipedia.org/wiki/Haider_Qureshi

نذیر احمد بزمی (خان پور)

مبارکہ حیدر............وفا کی دیوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے:

''دنیا مکمل طور پر متاع ہے اور بہترین متاع دنیا نیک بیوی ہے۔''

ایک اچھی، مخلص اور وفادار بیوی کی وجہ سے گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے جبکہ اس کے برعکس صفات والی عورت گھر کو جہنم بنا دیتی ہے۔ واصف علی واصف کا قول ہے کہ شوہر کو دیوتا کا درجہ دینے والی عورت دیوی کہلاتی ہے جبکہ شوہر کو غلام بنا کر رکھنے والی عورت غلام کی بیوی کہلاتی ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ ان تینوں اقوال زریں پر پورا اترنے والی عورت محترم حیدر قریشی کی اہلیہ مبارکہ حیدر ہیں جنہوں نے مل مزدور حیدر قریشی، کو ادیب، شاعر، نقاد اور دانشور ''حیدر قریشی'' بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

مبارکہ حیدر نے مشرقی بیوی کی طرح حیدر قریشی کا ہر دکھ سکھ میں ساتھ دیا، حیدر قریشی کی ابتدائی زندگی مشکلات اور مصائب میں گھری ہوئی تھی، مگر مبارکہ ان کے لئے مبارک اور ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ثابت ہوئیں۔ جب بھی حیدر قریشی پر کٹھن وقت آیا مبارکہ ان کے شانہ بشانہ کھڑی نظر آئیں۔ زیور عورت کو زندگی سے بھی زیادہ پیارے ہوتے ہیں مگر مبارکہ نے حیدر قریشی کی ادبی خدمت ''جدید ادب'' کی اشاعت کے لئے اپنے زیورات قربان کر دیئے جس سے ان کی اپنے شوہر سے محبت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

حیدر قریشی کے لئے مبارکہ نہ صرف مبارک ثابت ہوئیں بلکہ وہ وفا کی دیوی ثابت ہوئیں اور آخری سانس تک اپنے دیوتا کی وفادار رہیں۔ سرائیکی شاعر عزیز شاہد کا ایک شعر مبارکہ اور حیدر قریشی کی نذر

پُنل، پیار تیڈا اساں ایں ہنڈایا

ہکو چولا پایا، نِسے ول لہایا

یعنی اے محبوب ہم نے تیرے پیار کو زندگی کی آخری سانس تک نبھایا اور تم سے وفا کرتے رہے۔

میرے نزدیک مبارکہ کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی اپنی مشرقی اقدار اور روایات سے محبت ہے۔ حیدر قریشی اور ان کے بچوں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی گھریلو تربیت بڑے اچھے ماحول میں ہوئی تھی اور ان کی اپنے والدین، سسرال، شوہر اور بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور گھریلو عورت کے طور پر ان کی زندگی نوجوان نسل کے لئے مشعل راہ ہے۔ انہوں نے غربت بھی دیکھی اور خوشحالی بھی مگر ان کے طرزِ عمل میں کوئی فرق نہ آیا۔ شوہر اور بچوں سے والہانہ محبت دورِ حاضر کی خواتین میں عنقا ہے۔ اللہ تعالیٰ مبارکہ حیدر کی مغفرت فرمائے اور حیدر قریشی اور دیگر لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

درِّ ثمین انور (جرمنی)

امی کی چند یادیں

میری امی مبارکہ حیدر مورخہ ۲۷ مئی ۲۰۱۹ء کو جرمنی میں وفات پا گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

امی کی وفات کے بعد ابو (حیدر قریشی) نے ان کا خاکہ لکھا اور ہم پانچوں بہن بھائیوں کو پڑھنے کے لیے دیا۔ ساتھ ہی کہا کہ اس میں کسی اہم کمی بیشی کی ضرورت ہو تو مجھے بتائیں۔ امی کا خاکہ تو ابو نے بہت اچھا لکھا ہوا تھا لیکن مجھے ایک دو باتیں یاد آئیں تو میں نے ابو کو بتایا کہ ان باتوں کو بھی خاکے میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ ابو نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد کہا کہ یہ باتیں اور ایسے ہی چند اور واقعات کو ملا کر آپ خود ایک مختصر سا مضمون بنا لیں۔ تجویز اچھی تھی، چنانچہ امی کی چند یادیں یہاں پیش کر رہی ہوں۔

امی کی وفات سے پہلے گھر میں میرے بھائی طارق کی شادی کی تیاری چل رہی تھی۔ امی اس شادی کے سلسلے میں کافی خوش تھیں۔ انہوں نے طارق کی دلہن طوبیٰ کے لیے چند جوڑے بنا کر رکھے تھے لیکن دکھائے کسی کو نہیں تھے۔ امی کی وفات کے بعد جب امی کے سامان کو دیکھنا شروع کیا تو ایک اٹیچی کیس گیارہ بارہ سوٹوں سے بھرا ہوا ملا۔ اس میں بھاری کام والے سوٹ بھی تھے، ہلکے کام والے سوٹ بھی تھے، اور دو تین سوٹ عام پہننے والے بھی تھے۔ جیولری، جوتے، پرس وغیرہ یہ سارا سامان موجود تھا، گویا طارق کی بری کا پورا سامان تھا۔ جب یہ اٹیچی کیس طارق اور طوبیٰ کے حوالے کیا گیا تو طارق زاروقطار رونے لگا کہ ماں نے میرے حصے کا سارا کام خود ہی مکمل کر کے رکھا ہوا ہے۔

جرمن حکومت کے قوانین کے مطابق طارق کی سرکاری طور پر شادی کی تاریخ پہلے سے طے تھی۔ سرکاری دفتر میں جانے کے لیے ابو نے ایک سوٹ نکالا کہ یہ پہن لیتا ہوں۔ لیکن جب ہینگر کو نکالا تو وہاں سوٹ کے ساتھ نئی شرٹ، ٹائی، بنیان، انڈرویئر تک سیٹ کر کے رکھے ہوئے تھے۔ ہینگر کے نیچے جوتوں کا ایک ڈبہ نکلا جس میں ابو کے لیے نئے شوز اور جرابیں موجود تھیں۔ ابو اپنے لباس کے معاملے میں زیادہ تردد نہیں کرتے لیکن امی نے اپنی طرف سے ان کے لیے سارے انتظام مکمل کر رکھے تھے۔

امی کو ایک زمانے میں فلمیں دیکھنے کا بہت شوق رہا۔ ہم سب مل کر انڈین فلمیں دیکھتے تھے۔ پھر انہوں نے انڈین ڈرامے دیکھنے شروع کیے۔۔۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ فلموں اور طویل انڈین ڈراموں سے بیزار ہو گئیں اور انہیں دیکھنا بالکل چھوڑ دیا اور ان کی بجائے پاکستانی ڈرامے دیکھنے لگیں۔ پاکستانی ڈراموں سے ان کی دلچسپی آخر دم تک برقرار رہی۔ اس کے نتیجہ میں ہم لوگ بھی پاکستانی ڈراموں میں زیادہ دلچسپی لینے لگے۔ پاکستانی ڈراموں کے ساتھ وہ مختلف کوکنگ شو بھی شوق سے دیکھتیں۔ یوٹیوب کے آنے کے بعد تو کھانے پکانے کے نئے نئے تجربے کرنے لگیں۔ امی کھانا پکانے میں ہمیشہ ماہر رہی ہیں لیکن کوکنگ شوز اور یوٹیوب کی ویڈیوز کے ذریعے انہوں نے بہت عمدہ عمدہ پکوان تیار کرنا شروع کر دیئے۔ ان کی سنگین بیماریوں کی وجہ سے ہم دونوں بہنیں انہیں روکتیں کہ آپ کچن کا کام مت کریں ہم خود کر رہی ہیں مگر وہ کسی کی نہیں مانتی تھیں اور ہمیشہ مزے مزے کے کھانے تیار کرتی رہتی تھیں۔

میرے بچپن میں ایک بار گھر میں چوہا آ گیا۔ میں ڈر گئی اور طارق سے کہا کہ اسے مار دیا بھگاؤ۔ طارق کہنے لگا میں بھی اس سے ڈرتا ہوں۔ آخر امی کو جا کر بتایا۔ امی ایک ڈنڈا لے کر آئیں اور پوچھنے لگیں ''کہاں ہے چوہا؟''۔۔ تب تک چوہا بھاگ گیا تھا۔ پھر امی نے چوہے دانی کا انتظام کیا اور بالآخر وہ چوہا پکڑا گیا اور مارا گیا۔ چوہا تو پھر چوہا ہے، خواتین کے لیے خوف کی علامت، مگر میں تو چڑیوں سے بھی ڈرتی ہوں۔ امی نے گھر میں چڑیاں پال رکھی تھیں۔ کبھی کبھار کوئی چڑیا پنجرے سے باہر نکل آتی تو میں ڈر کے مارے کوئی چادر لپیٹ لیتی لیکن امی بڑے آرام سے چڑیا کو پکڑ لیتیں اور پھر سے پنجرے میں ڈال دیتیں۔

امی کو اچھے کپڑے پہننے، اچھا میک اپ کرنے، میچنگ جیولری اور چوڑیاں پہننے، میچنگ

جوتے اور پرس کا بھی شوق رہا۔ یہ سب مختلف تقریبات میں ہمیشہ اہتمام کے ساتھ پہنتیں۔ ان کی وفات پر آنے والی اور ملنے جلنے والی بہت ساری خواتین نے ان کی اس خوبی کا ذکر کیا۔ دراصل امی آن لائن میک اپ کا سامان خریدا کرتی تھیں۔ یہ عام مارکیٹوں میں دستیاب میٹریل سے کافی بہتر میٹریل ہوتا تھا۔ ان کی وفات کے بعد یہ میک اپ کا سامان اتنا زیادہ ملا ہے کہ ان کی بہو، بیٹیوں اور نواسی و پوتیوں کے لیے سال بھر کسی اور خریداری کی ضرورت نہیں رہے گی۔ میک اپ کا اتنا سامان ہونے کے باوجود امی میں ایک عجیب بات دیکھی کہ ان کے سنگھار میز پر پاکستانی تبت پاؤڈر بھی ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ اب بھی موجود ہے۔ پتہ نہیں وہ اسے استعمال بھی کرتی تھیں یا نہیں۔ لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ اس بہانے سے اپنے بچپن اور لڑکپن کو یاد رکھتی تھیں، جب وہ یہی پاؤڈر استعمال کیا کرتی تھیں۔

امی کی میت کو غسل دیتے وقت میں نے ان کی ناک کا کوکا اتارتے ہوئے باجی رضوانہ سے کہہ دیا تھا کہ یہ کوکا میں اب اپنے کان میں پہنوں گی۔ چنانچہ وہ کوکا اب میرے کان اور میری جان کا حصہ ہے۔ چار سال پہلے یہ کوکا میں نے ہی امی کی ناک میں ڈالا تھا۔

میری نانی جان ۳۲ سال کی عمر میں فوت ہوگئی تھیں جبکہ دادی جان کی وفات ۵۴ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ ان کے برعکس امی نے ان دونوں بزرگوں سے زیادہ عمر پائی۔ نہایت سنگین نوعیت کی بیماریوں سے دلیری اور بہادری کے ساتھ نمٹتے ہوئے امی ۶۳ سال اور پانچ ماہ کی عمر میں فوت ہوئیں۔ مجھے امید ہے کہ اپنی وفات کے بعد میری ساڑھے تریسٹھ سال کی امی، میری ۳۲ سالہ نانی اماں اور ۵۴ سالہ دادی اماں، یعنی اپنی امی اور ساس کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہی ہوں گی۔

مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ مورخہ ۱۲ رجولائی ۲۰۱۹ء

اور

https://www.punjnud.com/Aarticles_detail.aspx?ArticleID=6863&ArticleTitle=Ammi%20Ki%20Chand%20Yadain

درِثمین کے مضمون پر ملنے والے چند اہم تاثرات

صادق باجوہ (امریکہ):

Appreciatable qualities expressed in simple words.

عبدالکریم قدسی (امریکہ) بہت اچھا مضمون، بھیگی پلکوں سے پڑھنے والا۔

ڈاکٹر عبدالرب استاد (گلبرگہ) بہت اچھے تاثرات ہیں۔ طارق کی شادی کو لے کر جو تیاری کر رکھی تھیں بھابی جان نے، پڑھ کر آنسو آ گئے۔

ڈاکٹر ریاض اکبر (آسٹریلیا): بہت اچھے سیدھے سچے گھر کی یادیں۔ اچھے گھر کی ایک کہانی۔ شکریہ درِثمین۔

ڈاکٹر عزیز الرحمٰن (آسٹریلیا) اس تحریر نے میرا دل اور صبر کا دامن مجھ سے چھین لیا ہے۔ ایک ضعیف شخص کو اشکبار کر دیا ہے۔

فرزانہ یاسمین (رحیم یار خان) بہت عمدہ لکھا ہے۔ واقعی ماں کی کمی کبھی پوری نہیں ہوسکتی۔ ان کی ہر بات، ہر عادت اور ہر ادا بیٹیوں کو ازبر ہوتی ہے۔ درِثمین کے اس مضمون میں ماں سے محبت اور وابستگی کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ درِثمین کی والدہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

فیصل عظیم (کینیڈا) بہت اچھا لگا پڑھ کر

خالد یزدانی (لاہور) چھوٹی بیٹی درِثمین انور کی اپنی امی مبارکہ حیدر کے حوالے سے چند یادیں کل اوورسیز ایڈیشن میں دے دیئے ہیں۔

نوشی گیلانی (آسٹریلیا) یہ تحریر پڑھ کر آنکھیں بھیگ گئیں۔

نعیم الرحمٰن (کراچی) بہت عمدگی سے بیٹی نے اپنی امی کی یادوں کا تذکرہ کیا ہے۔اللہ آپ سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔اور مرحومہ کے درجات بلند کرے۔اور آپ سب کے دلوں میں ان کی ایسی روشن یادوں کو تازہ رکھے۔آمین۔

ڈاکٹر رضیہ حامد (ماشاءاللہ بیٹی درِثمین نے بہت اچھا مضمون لکھا ہے،دل سے نکلا،دلوں پر اثر کرنے والا۔اللہ مرحومہ کی مغفرت کرے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔جملہ متعلقین کو صبر جمیل عطا کرے۔آمین۔

صادقہ حیٔ (امریکہ) جزاکم اللہ فار شیئرنگ۔۔۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔آمین۔ اپنی بیماری بہت ہمت اور حوصلے سے برداشت کی۔

زارا حیدر (بدین) ماشاءاللہ۔زبردست۔بہت اچھی بات ہے اپنی امی کے لیے۔

فرحت نواز (رحیم یار خان) اچھی تحریر ہے۔یادوں سے دکھ پھر تازہ ہو گیا ہے۔

نازیہ خلیل عباسی (ایبٹ آباد) سادہ اور پُرخلوص جذبات کا عکاس مضمون

شازیہ ناہید شاز (جھنگ) درِثمین انور!بے شک آپ کی تحریر میں اپنی والدہ کے حوالے سے سادہ یادیں ہیں مگر ان میں اعتراف ہے مبارکہ حیدر صاحبہ کی وفا کا جو آپ کے والد محترم کے لیے تھی۔اس محبت وایثار کی شدت کا جو بچپن سے لے کر طارق کو دیئے جانے والے اٹیچی کیس تک میں پنہاں رہی۔آپ سب کے لیے سجائے اس گلزار کا جس میں پیار کے پھول احساس کی خوشبو سے مہکتے رہے اور وفا کی تتلی فلموں،ڈراموں،میک اپ کے رس سے قربتوں کا شہد بناتی رہی اور خزاں کے سائے ہٹاتی رہی۔حقیقتاً تحریر پڑھ کر لگتا ہے مبارکہ حیدر جی بازی لے گئیں۔کیونکہ!وفا سچ بول رہی ہے اور ان کی تربیت "تسلیمات" کے سب راز کھول رہی ہے۔اللہ پاک مبارکہ جی کو جنت کا مکیں بنائے۔(آمین)

راحیلہ (ایبٹ آباد) عجیب سی اداسی ہے اس تحریر کو پڑھنے کے بعد۔اصل میں یہ تحریر ایک بیٹی کی نفسیات کی عکاسی کر رہی ہے۔

پرویز مظفر (برمنگھم) ماں کا بدل کچھ ہو نہیں سکتا۔کیا جذبات ہیں!

رشید ندیم (کینیڈا) بہت اچھا لکھا ہے۔بس یہی باتیں اور یادیں رہ جاتی ہیں۔حق مغفرت کرے۔آمین۔

ڈاکٹر خورشید اقبال (کلکتہ) بہت اچھا لگا پڑھ کر۔اللہ تعالی مرحومہ کے درجات بلند فرمائے۔آمین

طیبہ حنا (امریکہ) Very Nice

نصرت جہاں (خان پور)
بھابی مبارکہ یاد آگئیں۔اللہ پاک انہیں جنت میں جگہ عطا فرمائے۔آمین

ڈاکٹر رضیہ اسماعیل (برمنگھم، انگلینڈ)
MashaAllah very good memories.May Allah give SABR and courage to all of you to deal with this loss and allow Mubarikas ranks to be elevated.

راحت نوید (امریکہ) بہت دلچسپ اور عمدہ تحریر ہے۔

ڈاکٹر پرویز شہریار (دہلی) واہ

سعدیہ تسنیم سحر (جرمنی) زبردست

لیاقت علی (دہلی) ماشاءاللہ۔بہت اچھا لگا۔

رمشا قمر (گلبرگہ) چھوٹی چھوٹی یادوں کا خوبصورت اظہار

سہیل اقبال (کینڈا) زبردست

امتہ الباسط (کینیڈا)
Your Mom is so beautiful.Rest in peace, inshaAllah She is watching you from Heaven.

آنسہ حمید (لندن) بہت پیاری یادیں ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور

اپنے قرب میں جگہ دے۔آمین۔

عظمیٰ رانا (مائنٹال، جرمنی) زبردست۔۔۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔آمین۔

ادیبہ اور انیقہ (ربوہ) بہت اچھا مضمون لگا۔یہ پڑھ کر ہمارا بھی دل کر رہا ہے کہ ان سے ملی ہوتیں۔اللہ ان کے درجات بلند کرے اور وہ جہاں بھی ہیں ان کو اتنی خوشیاں ملیں جو اس دنیا میں نہ ملی ہوں۔آمین ثم آمین

فوزیہ محمود (جرمنی) بہت ہی اچھا لکھا گیا ہے۔بہت ہی نفیس خاتون تھیں۔خدا تعالیٰ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔آمین۔

عمران احمد (ربوہ) میں نے آنٹی کے بارے میں مضمون پڑھ لیا ہے۔خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔آمین۔دلچسپ مضمون ہے۔

امتہ الرحمٰن ڈولی (جرمنی) زبردست

ثمینہ (مائنٹال، جرمنی) اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔رحم اور مغفرت کا سلوک فرمائے۔اپنے پیاروں میں شامل فرمائے۔آمین ثم آمین

عالیہ (ڈارم سٹڈ، جرمنی) ماشاءاللہ بہت ہی زبردست یادیں محفوظ کی ہیں۔اللہ آپ کے ابو کو صحت والی لمبی زندگی دے۔آمین۔

طارق محمود حیدر (جرمنی)

کیا حکم ہے میری ماں!

(امی مبارکہ حیدر کے حوالے سے)

امی کے بارے میں کچھ لکھنے سے پہلے ابو کی طرف سے ہدایات ملی ہیں کہ بعض مشہور باتوں کی تکرار نہ کی جائے۔مثلاً ساری مائیں ایک جیسی ہوتی ہیں، ماں کی عظمت اور مقام، ماں کے قدموں کے نیچے جنت، ماں کی مامتا، ماں کی بے لوث محبت وغیرہ، کیونکہ یہ حقائق اور یہ سچائیاں ساری دنیا بخوبی جانتی ہے۔پھر یہ بھی پابندی کہ امی کی جن یادوں اور باتوں کو کسی اور نے لکھا ہوا ہے، ان کو غیر ضروری طور پر دہرایا نہ جائے۔اس لیے اب مجھے براہِ راست اپنی گزری ہوئی یادوں میں سے ہی بعض باتیں یاد کرنی ہیں۔

ابو جب کبھی کوئی گانا اہتمام سے سن رہے ہوتے تو ان پر امی بڑے مزے کے تبصرے کیا کرتی تھیں۔ان کا کچھ ذکر ابو نے اپنی کتاب ''کھٹی میٹھی یادیں'' میں کر رکھا ہے اور کتاب ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' میں بھی وہ اقتباسات شامل ہیں۔میرے ساتھ بھی ایسا کچھ ہوتا رہا ہے۔بچپن میں پاکستان میں فلم ''دل'' کا گانا سنا ہوا تھا۔

مجھے نیند نہ آئے، مجھے چین نہ آئے

کوئی جائے ذرا ڈھونڈ کے لائے، نہ جانے کہاں دل کھو گیا۔۔۔۔

میں اپنی لہر میں فل والیوم کے ساتھ یہ گانا گنگنا رہا تھا۔اچانک امی کی مسکراہٹ بھری آواز سنائی دی ''ٹھہر جا! میں تیرا چین لے کے آتی ہوں۔''

ادھر جرمنی میں آ جانے کے بعد لڑکپن میں ایک بار میں اپنے بے سُرے انداز میں مگر فل آواز میں ایک گانا گا رہا تھا۔یہ گانا فلم ''ہم دل دے چکے صنم'' کا تھا اور اس کے بول تھے۔

تڑپ تڑپ کے اس دل سے آہ نکلتی رہی

دوسرے کمرے سے امی کی مخصوص مسکراتی ہوئی آواز آئی ''اوئے کس نے تمہیں اتنا تڑپا دیا ہے۔''

ابو کے دل کی پانچ بار سرجری ہو چکی ہے۔ڈاکٹر کی طرف سے ہدایت تھی کہ دو وقفوں کے ساتھ سہی لیکن دن میں کم از کم دو گھنٹے سیر ضرور کریں۔ابو اس معاملے میں کافی سستی کر جاتے۔امی کے اصرار پر انہوں نے ایک گھنٹے کی روزانہ سیر کو اپنا معمول بنا لیا۔عام طور پر گھر کے قریب دریا کی طرف نکل جاتے۔یہ بھی غنیمت تھا۔لیکن امی کی وفات کے بعد ایسا لگتا ہے کہ امی نے ابو کو دو گھنٹے کی سیر کا عادی بنا دیا ہے۔اب ابو روزانہ صبح فجر کی نماز کے بعد ایک گھنٹہ سیر کے لیے نکلتے ہیں اور ایک گھنٹہ شام کو سیر کے لیے نکلتے ہیں۔سیر میں یہ باقاعدگی اس لیے آئی ہے کہ ابو اب دریا کی طرف سیر کرنے نہیں جاتے بلکہ قبرستان کی طرف سیر کرنے کے لیے جاتے ہیں جو ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں ہے۔ایک بار کی سیر کا، آنے جانے اور رک کر دعا کرنے کا اور وہاں بیٹھ کر کچھ باتیں کرنے کا دورانیہ پورا ایک گھنٹہ ہو جاتا ہے۔امی کی قبر پر دعا کرنے کے ساتھ خوبصورت پارکوں جیسے خوبصورت قبرستان میں سیر ان کے لیے ایک نیا تجربہ ہے۔خیال رہے کہ ابو نے امی کی قبر کے ساتھ والی قبر کی جگہ اپنے لیے باضابطہ طور پر بک کرالی ہے۔اس کے لیے خاصی بلکہ بھاری فیس ادا کی جا چکی ہے۔

میرے پاس امی، ابو کے گھر کی ایک اضافی چابی ہوتی ہے۔چند سال پہلے کی بات ہے، میں شام کو گھر میں گیا تو عجیب سا منظر محسوس ہوا، گھر روٹین کے مطابق روشن نہیں تھا بس کچھ ہلکی سی روشنی جیسی کوئی چیز ضرور محسوس ہوئی۔میں گلی کی بتی جلا کر اندر کمرے میں آیا تو دیکھا کہ امی، ابو بجلی بند کر کے موم بتیاں جلا کے کھانا کھا رہے ہیں۔میں نے کمرے کی بتی بھی جلا دی اور ساتھ ہی شوخی کے ساتھ کہا ''آہا۔۔۔کینڈل ڈنر ہو رہا ہے۔''

امی مسکراتی رہیں اور کھانا کھاتی رہیں لیکن ابو نے کہا ''یار! آج پاکستان بہت یاد آ رہا تھا۔اس لیے ہم دونوں نے سوچا کہ پاکستان کی لوڈ شیڈنگ کو یاد کرتے ہیں اور موم بتیاں جلا کر مزہ لیتے ہیں۔

بس پاکستان کی اسی یاد کے چکر میں کینڈل ڈنر بھی ہو گیا۔''

آخر میں ایک روایت کو بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ ماں کے مقام کے بارے میں بیان کردہ مشہور درجات سے ذرا ہٹ کر روایت ہے۔میں صرف مفہوم بیان کررہا ہوں۔آقائے دوجہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! کیا آپ ﷺ کے دل میں بھی کوئی حسرت ہے؟

حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں۔میرے دل میں بھی ایک حسرت ہے۔

کاش میری ماں زندہ ہوتی،رات کو میں نماز پڑھ رہا ہوتا اور ماں میرا نام پکار کر مجھے بلاتی، میں فوراً نماز توڑ کر ماں کے پاس جاتا اور پوچھتا کیا حکم ہے میری ماں؟

اس سے آگے کیا لکھوں؟

میں خود آقا ﷺ کی غلامی میں اسی حسرت سے بھر گیا ہوں۔

کیا حکم ہے میری ماں؟

---

http://www.urduhamasr.dk/viewers_text/story.php?code=20190715065222

طارق محمود حیدر کے مضمون پر ملنے والے چند اہم تاثرات

ڈاکٹر رضیہ حامد (بھوپال) ماشاءاللہ آپ کے بچے بڑے ہونہار ہیں۔طارق میاں نے خوب لکھا ہے۔ان کو دعائیں۔

ہانی السعید (مصر) اللھم زد فزد۔۔۔بہت شکریہ

راحت نوید (امریکہ) مضمون بہت دلچسپ ہے۔مزے کی یادیں شیئر کی ہیں۔پڑھ کر اچھا لگا ہے۔

عظیم انصاری (کلکتہ) شاندار مضمون ہے۔مبارک باد اور دعائے سلامتی

قانتہ قدیر (لندن) خوش قسمت ہیں میری پیاری باجی کہ بچے ان پر اتنا اچھا لکھ رہے ہیں۔

نوشی گیلانی (آسٹریلیا) بچوں کے لیے ماں پوری کائنات ہوتی ہے اور جب وہ رخصت ہو جائے تو اداسی دل کا حصہ بن جاتی ہے۔آپ کے بچوں نے بہت تخلیقی انداز سے اس اداسی کو برتا ہے۔ماشاءاللہ۔

سعدیہ تسنیم سحر (جرمنی) ہر دو لنک سے خوب حظ اٹھایا۔بچوں کی یادداشتیں پڑھ کر بہت دل چاہتا ہے کہ اپنی ماں اور ساس کے بارے میں لکھوں۔

امتہ المومن (آسٹریلیا) Very Nice

عمران احمد (ربوہ) ماشاءاللہ بہت خوب

راشدہ عمران (کینڈا) ماشاءاللہ۔۔۔Interesting

امتہ الرحمٰن ڈولی (جرمنی) زبردست۔ بہت خوب

بشریٰ (سوئٹزرلینڈ) ماشاءاللہ

خورشید علی (جرمنی) Nice Memories

لیاقت علی (دہلی) بہت اچھا لکھا۔ ماشاءاللہ

طاہر عدیم (جرمنی) عمدہ ہے۔

فوزیہ مغل (جرمنی) بہت اعلیٰ انداز میں ماں سے محبت کا اظہار۔ ماں کی محبت سب سے الگ۔

ڈاکٹر وسیم انجم (اسلام آباد) زبردست لکھا ہے۔

ڈاکٹر عزیز الرحمٰن (آسٹریلیا) طارق محمود حیدر کا مضمون قابلِ ستائش ہے۔.well expressed

خالد ملک ساحل (ہمبرگ، جرمنی) آخری سطروں نے اداس کر دیا۔

صائمہ منظور (کراچی) V Nice تمام مضمون بہت اچھے ہیں۔

سید عارف (گلبرگہ) اچھا مضمون ہے، ماشاءاللہ، بہت مبارک۔

نذیر بزمی (خان پور) خوب ہے۔

ڈاکٹر ریاض اکبر (آسٹریلیا) طارق محمود کے عمدہ خیال اور اظہار مبارک۔

سہیل اقبال (کینڈا) ماں کے بارے میں ویسے تو جتنا لکھا جائے کم ہوتا ہے۔لیکن ٹیپو نے جس طرح والدہ کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی، پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ بہت بہت مبارکباد!

فیصل عظیم (کینڈا) بہت اچھے

شازیہ ناہید شاز (جھنگ) ٹیپو جی! یقیناً یہ آپ کا عرف عام نام ہے۔لیکن بچوں کے یہ نام ماں کے دل پر لکھے ہوتے ہیں اور دھڑکن بن کر دھڑکتے ہیں اور ویسے بھی مبارکہ جی ہی ''ٹیپو'' کی ماں اور ''حیدر'' کی زوجہ ہو سکتی ہیں۔آپ کی تحریر سادگی اور سچائی کا وہ کوزہ ہے جس میں ماں اور اس کے ساتھ جڑی یادوں کے سمندر کو انتہائی خوبصورتی سے بند کر دیا گیا ہے۔ بیٹے کی اس تحریر میں ایک اعلانیہ تڑپ ہے یہ بتانے کی کہ مبارکہ جی ماں ہی نہیں دوست بھی تھیں۔
مبارکہ جی حالات کی حدت اور زمانے کی جدت میں حیدر جی کے پابہ پار ہیں۔تبھی تو کینڈل ڈنر کو بھی آزمایا گیا اور یہ حقیقت ظاہر واثق ہے کہ مبارکہ جی ایک ایسی منتظم اعلیٰ تھیں جنہوں نے اولاد کو

اپنے جانے کے بعد بھی اپنی یاد کا، اور حیدر جی کو اپنے پہلو کا پابند بنا دیا۔اللہ پاک مبارکہ جی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے آمین۔

شہناز خانم عابدی (کینڈا) آپ کے بچے اپنا دکھ سمیٹنے کے ساتھ ساتھ آپ کا دکھ بھی سمیٹ رہے ہیں۔لفظ لفظ سہہ رہے ہیں اور ایک مثبت بات یہ بھی ہے کہ اس دکھ کو اندر ہی اندر رکھنے کی بجائے تحریری لفظوں کی صورت میں خود بھی پڑھ رہے ہیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا موقعہ دے رہے ہیں۔اور ایسا کیوں نہ کریں، آخر وہ کس کے بچے ہیں؟

درِّثمین نے انتہائی حسین نسائی پیرائے میں اس طرح مصور کیا ہے کہ ہر تصویر نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔درِّثمین کے بھائی طارق محمود نے بھی یادنگاری انتہائی غیر رسمی اور دل میں اتر جانے والی تحریر کی ہے۔اور نبی ﷺ کے حوالے سے جس حسرت کا اظہار کیا گیا ہے وہ ماں کی مامتا کے رشتے سے کچھ آگے بڑھ کر تقدس آمیز بن جاتا ہے۔

رضوانہ کوثر (جرمنی)

جدید داستانِ محبت

(اپنی امی مبارکہ حیدر کے حوالے سے)

امی کی بارے میں کچھ لکھنے کی راہ میں کئی مجبوریاں حائل تھیں۔ابھی امی کی وفات کے صدمے کا اثر اتنا گہرا ہے کہ یادوں کو سوچنے بیٹھوں تو یادوں کی یلغار سی ہو جاتی ہے۔جیسے بہت سارے بچے جمع ہوں تو شور سنائی دیتا ہے، الگ الگ آوازیں سنائی نہیں دیتیں۔اسی طرح امی کی یادیں الگ الگ آنے کی بجائے شور مچاتی ہوئی ایک ساتھ آنے لگتی ہیں اور کچھ نہیں سوجھتا کہ اب کیا کیا جائے۔اب کچھ تو ٹیپو اور مانو کی یادوں کو پڑھ کر ہمت ہوئی ہے اور پھر ابو کی طرف سے یہ پیش کش ہوئی ہے کہ آپ لوگ یادوں کے نوٹس بنا لیں۔پھر میرے ساتھ بیٹھ جائیں۔مجھے یادیں بتاتے جائیں، میں ساتھ ساتھ لکھتا جاؤں گا۔چنانچہ اس پیش کش کے بعد تحریک ہوئی ہے اور اب میں امی کے حوالے سے کچھ حالات و واقعات کو یاد کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔

امی ساڑھے گیارہ سال کی تھیں جب ۱۹٦۷ء میں ہماری نانی جان مجیدہ ناصر وفات پا گئی تھیں۔نانا جان پروفیسر ناصر احمد صاحب (موجودہ صوبہ کے پی کے میں) شعبہ تعلیم سے وابستہ تھے۔ان کی تعیناتی پشاور اور ڈیرہ اسماعیل خان تک تو ٹھیک تھی لیکن جب نوبت قبائلی علاقہ میران شاہ میں تبادلے تک آ گئی تو نانا جان فکرمند ہوئے۔انہوں نے اپنی سب سے لاڈلی بہن اور ہماری دادی جان سے بات کی اور یوں ۱۹۷۱ء میں پندرہ سال کی عمر میں امی کی ابو سے شادی ہو گئی۔میں اپنے ماں باپ کی پہلی اولاد ہوں۔کچھ امی سے سنی ہوئی باتوں کی بنیاد پر اور کچھ ابو، دادی جان اور دوسرے قریبی عزیزوں سے سنی ہوئی باتوں کی بنیاد پر امی کے بچپن کو یاد کرتی ہوں تو ساڑھے گیارہ سال کی امی کا اپنی ماں سے محرومی کا تصور دل میں ہول پیدا کرنے لگتا ہے۔ابو سے

شادی کے بعد امی نے اپنے بچپن اورلڑکپن کا خوب خوب مزہ لیا۔ان کی اس زمانے کی سپورٹس میں رسہ کودنا، اشٹاپو، کوکلا لکن میٹی اور کھو وغیرہ سب شامل تھیں۔ پھر بیٹھ کر کھیلنے والی گیمز میں کیرم، لوڈو، بارہ ٹہنی، نوٹہنی، اور گیٹیاں وغیرہ شامل تھیں۔ان ساری گیمز میں امی بہت مشاق تھیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ابولوڈو اور بارہ ٹہنی میں ہمیشہ امی سے ہارتے تھے۔امی کی بچپن، لڑکپن کی ان گیمز کے ساتھ سب سے کمال کی گیم دانتوں سے رومال اُٹھانا تھا۔امی سیدھی لیٹ کر رومال اپنے سر کی طرف رکھتیں۔ پھر کسی تجربہ کار سرکس گرل کی طرح ہاتھوں کو ہلائے بغیر اپنے جسم کو اوپر اُٹھاتیں، اسی حالت میں سر کو رومال کی طرف لے جاتیں اور دانتوں سے رومال کو اُٹھا کر پھر سیدھی ہو کر اٹھ بیٹھتیں۔کہیں سے کوئی تربیت لیے بغیر یہ گیم امی کی عجیب مہارت تھی۔شاید ان کے جسم میں لچک بہت زیادہ تھی۔

امی خوش الحان تھیں۔گھریلو اور کمیونٹی تقریبات میں تلاوت قرآن پاک اور دینی نظمیں خوش الحانی سے پڑھتیں۔خاندان میں کسی کی شادی کی تقریب میں شادی کے گیت گانے میں بھی امی شوق سے حصہ لیتیں اور تقریب میں جان ڈال دیتیں۔شادی کے مخصوص گیتوں پر ہم جولیوں کے ساتھ مل کر ڈانس بھی کر لیتی تھیں۔اس میں پنجابی بھنگڑا اور سرائیکی جھمر جیسے لوک رقص بھی شامل ہوتے تھے۔

دادی جان کی طرح امی بھی لڑائی جھگڑے سے دور بھاگتی تھیں۔کبھی بدقسمتی سے کوئی بچہ یا اس کی فیملی میں سے کوئی بدتمیزی بھی کر جاتا تو امی خاموش رہتیں۔زیادہ دکھی ہوتیں تو مجھے اپنا دکھ بتا دیا کرتیں۔طبیعت کے لحاظ سے امی صلح پسند تھیں۔امی محبت اور خلوص کا صلہ دوسرے سے زیادہ دیا کرتی تھیں۔کسی اور کا کیا ذکر کروں۔اپنا ہی حال بتا دیتی ہوں۔عید پر ہماری طرف سے امی کو جو عیدی دی جاتی، امی کی طرف سے اس سے زیادہ عیدی ہمیں اور ہمارے بچوں کو مل جاتی تھی۔یہی معاملہ دوسرے عزیز و اقارب کے ساتھ تھا۔اس معاملہ میں ابو بھی امی کے ہمنوا تھے۔کسی نے ایک یا دو بار کوئی نیکی کی ابو نے اپنی یادوں میں اسے عمر بھر کی لگاتار نیکی بیان کر دیا۔ایک عزیز جو رشتہ میں امی کے لیے معتبر بھی تھے اور بڑے بھی۔۔۔مالی حالات ان کے بھی بالکل ویسے ہی تھے جیسے

امی ،ابو کے تھے۔اس کے باوجود ملنے آتے تو ایسی شکل بنا لیتے جیسے کوئی بہت ہی لاچار شخص ہو۔امی نے ابو سے کہا کہ میں چھوٹی ہوں، میری طرف سے مدد کرنا اچھا نہیں لگتا، آپ انہیں عیدی کر کے ''اتنی رقم'' دے دیں۔یہ ''اتنی رقم'' ہم دو بہنوں اور تین بہوؤں کو ملنے والی کل عیدی کے برابر ہوا کرتی تھی۔عیدی کے نام پر سال میں دو بار امی ان کی مدد کرا دیا کرتی تھیں۔ یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔پھر دیکھا کہ وہ تو اپنے بیٹوں کے ساتھ مل کر اچھا خاصا بزنس کر رہے ہیں تو اس کے بعد اس امدادی عیدی کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔

میری نندیں اور میری ایک سہیلی عظمٰی ،امی کی بہت زیادہ عزت کیا کرتی ہیں۔ان کی اس محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ امی ہر سال انہیں عیدی بھیجا کرتی تھیں۔اسی طرح ہماری بڑی پھوپھو کے لیے بروقت عیدی بھجوانا بھی امی کو یاد رہتا تھا۔ یہ تو سب رشتوں اور تعلقات والے لوگ تھے، ان سے ہٹ کر امی پاکستان میں بعض غریب خاندانوں کی خاموشی کے ساتھ مدد بھی کرتی رہتی تھیں۔ مجھے اس کا علم اس لیے ہے کہ وہ رقم میرے ذریعے پاکستان جاتی تھی اور پھر آگے اس کی ترسیل کی جاتی تھی۔

اپنا کوئی عزیز ہو، اپنے بچے ہوں یا کوئی پار پرے کا جاننے والا خاندان، جو کوئی بھی ملنے آتا امی سب کی مہمان نوازی کر کے ہمیشہ خوش ہوتیں۔ابو کے دوست شاعر اور ادیب حضرات بھی گاہے بگاہے آجاتے تو ان کی مہمان نوازی بھی دلجمعی کے ساتھ کرتیں لیکن ان کے جانے کے بعد اپنی رائے بھی دیا کرتیں۔ چند ایک کو چھوڑ کر بیشتر شاعروں اور ادیبوں کے بارے میں امی کی رائے اچھی نہیں رہی۔

ویسے تو امی اپنے سارے بچوں کے بچوں یعنی اپنے سارے گرینڈ چلڈرن سے بہت محبت کرتی تھیں لیکن میرے بچوں کو زمانی اعتبار کی وجہ سے اس محبت کا زیادہ حصہ مل گیا۔میرا پہلا بیٹا مشہود (رومی) خاندان میں پہلا بچہ تھا اس لیے سارے خاندان کی توجہ اور محبت اس پر مرکوز رہی۔ نانا، نانی، خالہ، تینوں ماموں، سارے ننہال کی آنکھ کا تارا بنا رہا۔(ددھیال سارا پاکستان میں تھا)۔مشہود کے بعد مسرور (جگنو) پیدا ہوا۔ یہ بچپن میں بہت زیادہ گپلُو گپلُو سا تھا۔ چنانچہ پھر مسرور سب کی نگاہ کا مرکز بن گیا۔مسرور کے بعد احتشام (شامی) آیا۔شامی اب تو بہت دبلا پتلا ہے لیکن

بچپن میں سب سے زیادہ گول مٹول تھا۔اب دونوں بھائیوں سمیت سب کی نگاہیں احتشام پر تھیں۔ ابو کبھی کبھی شامی کو پیار سے شمی کپور بھی کہتے ہیں۔آخر میں عنایہ پیدا ہوئی۔خاندان میں واحد نواسی ہونے کے باعث سب ہی اس کے ناز اٹھانے لگے۔عنایہ تینوں بھائیوں،اپنے پاپا حفیظ کوثر اور سارے ننہال کی آنکھ کا تارا بن گئی۔امی نے میرے دوسرے بہن بھائیوں کے کسی بھی بچے کو نظر انداز کیے بغیر میرے بچوں کو اپنی محبت اور شفقت سے ہمیشہ سیراب رکھا۔عنایہ اور باقی ساری پوتیوں کے لیے عید کے مواقع پر خاص طور پر اور ویسے بھی کبھی کبھار خود لباس سی کر تحفہ دیتیں۔

ایک بار امی ڈایلے سز کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ہم دونوں بہنیں امی کے پاس آئی ہوئی تھیں۔جب امی ڈایلے سز سے واپس آئیں تو ابو نے معمول کے مطابق امی کو ریسیو کیا۔ساتھ ہی سارے بچے ڈور بیل کی آواز سنتے ہی دروازے کے پاس جمع ہو گئے۔امی کے اندر آتے ہی سب امی سے سلام کرنے لگے۔عمومی طور پر امی ڈایلے سز کے بعد خاصی نڈھال ہوتی تھیں لیکن چھوٹے بچوں کو دیکھ کر جیسے امی تازہ دم ہو گئیں۔سب سے باری باری ہاتھ ملایا۔جب امی کو صوفہ تک پہنچا کر بٹھا دیا تو پھر ابو نے آ کر ہم دونوں بہنوں سے خفگی کا اظہار کیا کہ اپنی ماں کو سلام کرنے کیوں نہیں آئیں۔اصل میں ہم دونوں نے احتیاط کی تھی کہ امی کو ڈسٹرب نہ کیا جائے لیکن الٹا ہم دونوں بہنوں کو ڈانٹ پڑ گئی۔

ڈایلے سز ہو جانے کے بعد امی کی واپسی پر ابو کا امی کو معمول کے مطابق ریسیو کرنا بھی دراصل خاصا غیر معمولی ہوتا تھا۔ایک بار میں نے کہا کہ میں امی کو ریسیو کر کے سنبھالتی ہوں لیکن ابو نے کہا نہیں آپ لوگ اپنی امی کو ٹھیک سے نہیں سنبھال سکتے۔میں ہی انہیں ٹھیک سے سنبھالتا ہوں۔ایک بات طے ہے کہ زندگی بھر امی نے ابو کو اور ابو نے امی کو جس طرح سنبھالا ہے ہمارے سارے خاندان میں اس کی مثال نہیں ملے گی۔اسے محبت کی جدید داستان بھی کہا جا سکتا ہے۔

----

https://www.punjnud.com/Aarticles_detail.aspx?ArticleID=6882&ArticleTitle=Jadeed%20Dastan%20e%20Mohabbat

رضوانہ کوثر کے مضمون پر ملنے والے چند اہم تاثرات

ندیم صدیقی (بمبئی) ہمارے ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ کہنے کو تو لوگ اپنی بیوی کو شریکِ حیات کہتے ہیں مگر حقیقتاً شریکِ حیات کا مفہوم اس وقت سمجھ میں آتا ہے جب جذبات سرد پڑ جاتے ہیں اور جب عمر کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے اور اس دور میں ان میں سے کوئی ایک بچھڑ جائے اور بالخصوص بیوی اگر رخصت ہو جائے تو پتہ چلتا ہے کہ شریکِ حیات کے کیا معنی ہیں؟
بی بی رضوانہ نے خوب لکھا۔۔۔۔اللہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے۔آمین۔

سعدیہ تسنیم سحر (جرمنی) بھابی کا مضمون بہترین ہے۔یادداشتیں بھی بڑی بیٹی ہونے کی وجہ سے زیادہ ہیں اور ان یادوں کو پرویا بھی خوب ہے۔ادبی چاشنی بھی ہے اور یادوں کا میٹھا سا درد بھی جھانک رہا ہے۔اللہ تعالیٰ آنٹی کو اپنے جوارِ رحمت میں ڈھانپ لے اور ان کی نیکیاں ان کی اولاد میں بھی قائم کرے۔آمین۔

ہانی السعید (مصر) ماشاءاللہ۔اس طرح شاید آپ لوگ خاندانی یادیں لکھنے کی ایک قابلِ تحسین روایت کی بنیاد ڈال رہے ہیں۔

امتہ الباسط (کینیڈا) Very Nice, May Allah give you straight to bear this sadness.

طاہر عدیم (جرمنی) محبت کی اس جدید داستان کے ہم بھی عینی گواہ ہیں۔

فرحت نواز (رحیم یار خان) سب بچوں کے تاثرات پڑھے ہیں، اچھی تحریریں ہیں، سادہ لفظوں میں ماں کی یادوں سے مزیّن ۔۔۔۔رومال والی بات سے تو اپنا بچپن یاد آ گیا۔

نوٹ از مرتب: یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ بھی بچپن میں ایسا کیا کرتی تھیں۔آپ کی بات سے یاد آ گیا۔اڈہ شیخ واہن سے تھوڑے فاصلے پر بستی کوٹ شہباز ہے۔وہاں ہماری قریشی برادری کے بہت سارے خاندان آباد ہیں۔وہاں ہماری ایک عزیزہ اشفاق بی بی ہیں۔وہ مبارکہ کی اچھی سہیلی تھیں۔وہ اپنے دونوں ہاتھ کمر سے پیچھے لے جاتیں،دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر کے جکڑ لیتیں اور پھر اسی حالت میں سر کے اوپر سے ہوتے ہوئے آگے لے آتیں۔
شاید یہ آپ سب کی خداداد صلاحیت تھی۔

سجیلہ ناصر (جرمنی) ماشاءاللہ بہت پیاری تحریر ہے۔

شبیلہ (جرمنی) مجھے نہیں پتہ تھا کہ آپ اتنا اچھا لکھتی ہیں۔

ڈاکٹر رضیہ حامد (بھوپال) بیٹی رضوانہ کوثر جیتی رہیئے۔ماشاءاللہ آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے۔تحریر میں روانی ہے۔بیٹی داستان جدید محبت تشنہ ہے۔ذرا اپنے ذہن کے نگار خانہ میں جھانکیں،داستان کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔

قمر النساء (گلبرگہ) ماشاءاللہ،بہت خوب۔مضمون کسی کا بھی ہو،آپ کے اور مبارکہ آنٹی کے رشتے کی گہرائی الگ الگ زاویے سے سامنے آ رہی ہے۔بہت گہرا رشتہ تھا آپ دونوں کا۔ بہت کم ہوتے ہیں ایسے رشتے سر۔۔۔بہت اچھا لگتا ہے جان کر کہ ایسی بھی محبت ہے۔

لیاقت علی (دہلی) ماشاءاللہ عمدہ مضمون ہے۔بہت ذہین بچے ہیں آپ کے۔ماشاءاللہ۔

عظیم انصاری (کلکتہ) دل کو چھو لینے والی تحریر۔۔اس مضمون کے لیے رضوانہ کو ڈھیروں مبارکباد اور دعائے سلامتی۔

کرن (مائنٹال،جرمنی) بہت اچھی یادیں ہیں۔میں نے پہلے والی سائٹ بھی پڑھی تھی۔

عظمیٰ رانا (جرمنی) بہت اچھا

مبارکہ (جرمنی) بہت اچھا لکھا ہے۔

نذیر بزمی (خان پور) بہت خوب ہے۔

ثمینہ (مائنٹال،جرمنی) بہت زبردست اور افسردہ کرنے والا بھی۔

ڈاکٹر عزیز الرحمٰن (آسٹریلیا) Excellent, thanks. اچھا مضمون ہے۔شکریہ۔

کاشف حباب (اوکاڑہ) واہ۔۔ماشاءاللہ۔۔۔بہت خوب سر!
آپ کی نگارشات خواہ ان کا تعلق کسی بھی ادبی صنف سے ہو، دنیائے ادب میں ایک مستند حوالہ ہیں۔میرا آپ سے رابطہ اردو ماہیا نگاری اور ڈاکٹر محمد افتخار شفیع دونوں کی وساطت سے ہوا۔اردو ماہیا کے تحقیقی کام پر میری ہر ممکن معاونت فرمانے کے علاوہ مجھ پر آپ کی شخصیت کے مختلف پہلو عیاں ہوئے۔جن میں خوش اخلاقی اور جذبۂ خدمت و رہنمائی نمایاں ہیں۔خدمت خواہ ادب کی ہو یا انسانیت کی،آپ نے حق ادا کیا ہے۔گاہے بگاہے آپ کی جرمنی سے ارسال کی ہوئی کتب پڑھنے کو مل جاتی ہیں اور خوشی ہے کہ چراغ تلے اندھیرا نہیں۔۔۔کہ آپ کی صاحبزادیاں اور

صاحبزادے بھی سخنوری سے شغف رکھتے ہیں۔ بہت سی نیک تمنائیں قبول کیجیے۔

امتہ الرحمٰن ڈولی (جرمنی) بہت پیاری یادیں ہیں۔

سہیل اقبال (کینڈا) محترمہ رضوانہ کوثر صاحبہ نے بڑا زبردست مضمون لکھا ہے۔کئی باتیں جو پہلے نہیں پڑھی تھیں،اب پڑھنے کو ملیں۔ بہت بہت مبارکباد!

فیصل عظیم (کینڈا) بہت اچھا لکھا ہے آپ کے بچوں نے۔

ازہر یونیورسٹی قاہرہ کے ایک تحقیقی عربی مقالہ میں مبارکہ کا ذکر

تزوج حیدر قریشی فی عام با بنتة عمه (مبارکة)،و کان فی الثامنة عشر من عمره، و انجب منها ثلاثة ابناء و بنتین،و هم بحسب ترتیبهم " رضوانه کوثر، درِ ثمین (مانو)،شعیب حیدر،عثمان حیدر،طارق محمود حیدر(ٹیپو)"
ص ٦٠

کانت زوجتی و ثلاثة من ابنائی قد سبقونی الی المانیا. ص ٦٤

حیدرقریشی کی شاعری کی روشنی میں بیرونی ممالک کی اردو شاعری۔''تنقیدی مطالعہ اور ترجمہ''
شعر المهجر عند حیدر قریشی "دراسة تحلیلیة نقدیة مع الترجمة"
احمد عبدربہ عباس عبدالمنعم (ایم اے کا مقالہ سال ۲۰۱۵ء)۔ازہر یونیورسٹی۔قاہرہ،مصر

عثمان حیدر (جرمنی)

امی کی کچھ باتیں، کچھ یادیں

جب سے میں نے ہوش سنبھالا ماں کو ہمیشہ شفیق اور محبت کرنے والا پایا۔بچپن میں مجھے یہ بیماری تھی کہ روتے روتے دورہ پڑتا تھا اور میں ایک سانس میں چلا جاتا تھا۔ہاتھ پاؤں مڑ جاتے تھے۔مجھ سے ایک بہن رضوانہ اور ایک بھائی شعیب بڑے ہیں۔میرے بعد ہونے والا طارق مجھ سے ساڑھے چھ سال چھوٹا ہے۔اس لحاظ سے ساڑھے چھ سال کا عرصہ میں گھر کا سب سے چھوٹا بچہ رہا اور اسی حوالے سے امی کا پیار سب سے زیادہ مجھے ملتا رہا۔بیماری کی وجہ سے زیادہ توجہ بھی مجھے ملتی رہی۔چنانچہ ساڑھے چھ سال تک میں نے امی کی محبت سب سے زیادہ حاصل کر لی۔مجھے یاد ہے سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے سب سے پہلی روٹی مجھے ملتی تھی اور مجھے چینی والا پراٹھا بہت پسند تھا۔

۱۹مئی ۱۹۸۲ء کا دن تھا۔صبح جاگنے پر میں نے دادی جان کو بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا دو آنکھوں والا ایک ڈینڈا آپ کے ساتھ آ کر سو گیا ہے۔اسکول سے واپس آیا تو دادی جان نے ایک بچہ گود میں اٹھایا ہوا تھا اور مجھے دیکھ کر مسکرا کر کہنے لگیں یہ تمہارے خواب والا دو آنکھوں والا ڈینڈا آ گیا ہے۔اس دن چھوٹے بھائی طارق کی پیدائش ہوئی تھی۔اس کے ساتھ ہی میرا سب سے چھوٹا ہونے کا اقتدار جاتا رہا لیکن توجہ اور محبت پھر بھی باقی بھائی بہن جیسی ملتی رہی۔

امی کے ساتھ بچپن میں سب سے زیادہ سفر میں نے کیا۔گھر سے باہر جاتے ہوئے بھی عموماً مجھے ساتھ لے جاتیں۔مجھے یاد ہے ۱۹۸۱ء میں امی مجھے کراچی لے کر گئی تھیں۔وہاں میرے دوروں کا علاج کرانا تھا۔وہاں علاج سے زیادہ میں نے سیریں کیں۔کلفٹن کے جھولے،کشتی کی سیر،مزارِ قائدِ اعظم وغیرہ۔امی کے ساتھ یہ ساری سیریں زندگی کے یادگار لمحات کی طرح تھیں۔

امی کی ایک بہت اہم خوبی یہ تھی کہ پانچ وقت کی نمازیں باقاعدگی سے ادا کرتی تھیں۔کبھی کوئی مجبوری ہوتی تو ظہر،عصر،جمع کرلیتیں۔مغرب،عشاء جمع کرلیتیں۔لیکن عام طور پر ساری نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھتیں۔یہ باقاعدگی سنگین بیماری کے ایام میں بھی قائم رکھنے کی کوشش کی۔دل کی آخری انجیو پلاسٹی ہوئی تھی اور امی سرجری کے بعد ابھی آئی سی یو میں ہی تھیں۔ایک وقت میں صرف دو افراد کو اندر جانے کی اجازت تھی۔باجی رضوانہ اور حفیظ بھائی اندر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اپنی انتہائی نازک حالت میں بھی بستر پر لیٹے ہوئے اشاروں سے نماز پڑھ رہی ہیں۔ فجر کی نماز کے بعد قرآن مجید لازماً پڑھتیں۔رمضان کے مہینے میں فجر کے علاوہ عصر اور مغرب کے درمیان بھی قران مجید پڑھا کرتی تھیں۔جب تک سنگین بیماریاں زیادہ سنگین نہیں ہوگئیں تب تک رمضان کے روزے ہمیشہ رکھے۔یہاں اپنی بات یاد آ گئی۔رمضان کے مہینے میں بعض بچوں کو بار بار جگانا پڑتا تھا لیکن میرے بارے میں امی سب کے سامنے برملا کہتی تھیں کہ عثمان کو ہلکی سی آواز میں ''شازی'' کہتی ہوں اور وہ فوراً جاگ جاتا ہے اور واش روم میں چلا جاتا ہے۔

رضوانہ باجی نے اپنے مضمون میں درست طور پر لکھا ہے کہ:

''اس معاملہ میں ابو بھی امی کے ہمنوا تھے۔کسی نے ایک یا دو بار کوئی نیکی کی ابو نے اپنی یادوں میں اسے عمر بھر کی لگاتار نیکی بیان کر دیا۔''

مجھے یقین ہے یا تو ابو کے ذہن میں یہ بات نہیں رہی ہوگی یا انہیں بھول گئی ہوگی کیونکہ اس کا ہلکا سا ذکر بھی مجھے کہیں نہیں ملا۔امی کی پچاسویں سالگرہ پر میں نے امی کو سونے کا ایک سیٹ تحفہ میں دیا تھا۔

یہ خدانخواستہ اپنی کوئی نیکی گنوانے والی بات نہیں۔اللہ نہ کرے کہ کبھی ماں باپ پر اپنی نیکی یا احسان جتانے کی پستی میں گروں۔یہ صرف امی سے اپنی محبت کے اظہار کے طور پر لکھا ہے۔مجھے یقین ہے کہ بھائی بہنوں میں سے بعض اس تحفہ کی تصدیق کر سکیں گے۔انہیں بخوبی یاد ہوگا۔

ایک اور بات ۔۔۔کبھی کبھار ایسا بھی ہوا کہ مجھے ملزم کی طرح گھر کے افراد کے سامنے بیٹھنا پڑا۔بہت ساری تلخ باتیں سننا پڑیں۔لیکن میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ قصور کسی کا بھی رہا ہو میں

نے کبھی بھی امی اور ابو کے سامنے نہ تو تیز زبان میں بات کی اور نہ ہی کبھی کوئی گستاخانہ روش اختیار کی۔اگر کہیں مجھے جواب دیتے وقت تلخ ہو جانے کا اندیشہ ہوتا تو میں جواب دینے کی بجائے خاموش رہتا۔ابو اس بات پر غصہ کرتے کہ جواب کیوں نہیں دے رہا۔اب کیا بتاتا کہ امی اور ابو کے سامنے ایسا سچ یا جھوٹ کیسے بولوں جس سے ان کی اہانت ہو جائے۔مجھے خوشی ہے کہ میں ساری زندگی اس گناہ سے محفوظ رہا ہوں۔

امی کی رقیق القلبی کی بہت سی باتیں بیان کی جا چکی ہیں۔ایک واقعہ مجھے آج تک نہیں بھولا۔ ابو کے تایا جی،قریشی غلام حسین صاحب تھے جنہیں گھر کے سب چھوٹے بڑے بابا جی کہتے تھے۔ خان پور والا گھر اصلاً بابا جی کی ملکیت تھا۔دادا ابو کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے انہوں نے آدھا گھر دادا ابو کے نام لکھ دیا۔پھر وہ گھر فروخت کیا گیا تو ساری کی ساری رقم نئے گھر کی تعمیر میں لگا دی گئی۔ یوں دیکھا جائے تو ہمارا نیا گھر بابا جی کی نیکی کا ثمر تھا۔لیکن دادا ابو اور پھر دادی جان کی وفات کے بعد ۱۹۸۸ء میں ابو کے سارے بھائی بہن جمع تھے۔ابو نے بتایا کہ اس وقت میں بے روزگار ہوں۔ اپنا سات افراد کا کنبہ ہے اوپر سے دو چھوٹے بھائی اور بابا جی بھی میرے پاس ہیں۔مناسب سمجھیں تو دونوں بڑے چچا اکبر اور طاہر ان افراد کے سلسلہ میں کچھ ذمہ داری ادا کریں۔یہ کوئی بڑی بات نہ تھی لیکن گھر میں عجیب سی فضا بن گئی۔آپ کسی کو ساتھ لے جائیں یا نہ لے جائیں لیکن کسی کی توہین تو نہیں کریں۔دونوں چچاؤں نے صاف صاف کہا کہ ہم بابا جی کو بالکل ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ہاں دونوں چھوٹے بھائی ہم لے جاتے ہیں۔ہمارے خاندان کے بڑے بزرگ اور محسن کے سامنے ایسا انداز دیکھ کر امی وہیں رونے لگ گئیں اور کہنے لگیں بابا جی ہمارے ساتھ ہی رہیں گے،کہیں اور نہیں جائیں گے۔آپ دونوں اپنے چھوٹے بھائیوں کو ہی سنبھال لیں،کافی ہے۔ایسی صورتِ حال میں وہ جو بابا جی کی نیکی کا براہِ راست ثمر پانے والے تھے ان کی طرف سے دلآزاری کا رویہ دیکھ کر امی کا باقاعدہ رونے لگ جانا ان کی شخصیت کی خوبصورتی کو نمایاں کرتا ہے۔

۲۶ مئی ۲۰۱۹ء۔۔۔امی کی فوتگی سے ایک دن پہلے ہم بہن بھائی کسی دعوت کے بغیر امی

کے گھر جمع ہوتے گئے۔امی نے اپنے ہاتھ سے کھانے بنائے۔میری خوش قسمتی کہ آخری وقت میں بھی ماں کے ہاتھ کی پکائی ہوئی روٹیاں میرے حصے میں آئیں، جو شام کو انہوں نے افطاری کے وقت بنائی تھیں۔اگلے دن سوا چار بجے روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے کے بعد سوچ رہا تھا کہ ابھی کچھ نیند کروں یا بعد میں۔۔۔کیونکہ جاب پر سوا چھ بجے جانا تھا۔اچانک بیل بجی، دروازہ کھولا تو ابو نہایت پریشانی کے عالم میں کھڑے تھے۔بولے جلدی آ جاؤ۔۔۔میں نے پوچھا خیریت؟، بولے نہیں۔۔۔میرا دل دھک سا ہو گیا۔لگا ماں جی کو کچھ ہو گیا ہے۔ننگے پاؤں ہی ابو کے ساتھ ہو لیا۔پھر وہاں جا کر جو دیکھا اس کا حال ابو پہلے ہی لکھ چکے ہیں۔

میں بھیگی پلکوں کے ساتھ خوش ہوں کہ امی کے آخری سفر کے وقت میں سب سے پہلے ان تک پہنچا اور انہیں سنبھالا اور اللہ کے حوالے کیا۔فارسی مجھے بالکل نہیں آتی لیکن خود کو حاصل ہونے والی اس سعادت پر یہ شعر ضرور سمجھ میں آ گیا ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد، خدائے بخشندہ

مطبوعہ روزنامہ ''اودھ نامہ'' لکھنو۔۲۵ جولائی ۲۰۱۹ء

عثمان حیدر کے مضمون پر ملنے والے چند اہم تاثرات

ڈاکٹر محمد وسیم انجم (اسلام آباد) بہت اچھا مضمون لکھا ہے۔اللہ تعالیٰ یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔آمین۔

قمر النساء (گلبرگہ) اپنی یادوں کو مختصر اور پیار بھرے انداز میں سمیٹا ہے۔اپنی ماں کے لیے پیار اور احترام ان کی تحریر سے بھی جھلک رہا ہے۔مبارک ہو۔

ہانی السعید (مصر) بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔اللہ مزید توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

درِ ثمین انور (جرمنی) بہت اچھا لکھا ہے۔ویری نائس،۔دو آنکھوں والا ڈینڈا۔۔واہ

قانتہ قدیر (لندن) شازی نے ماشاء اللہ بہت ہی پیارے طریقے سے باجی کی شخصیت کو اجاگر اور باجی سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔

رضوانہ کوثر (جرمنی) بہت اچھا لکھا ہے۔

طیبہ حنا (امریکہ) Very Nice

محمود قریشی (خان پور) خوبصورت مضمون ہے۔

سہیل اقبال (کینڈا) بہت خوب لکھا ہے۔

طارق محمود حیدر (جرمنی) Very good and emotinal in the end.

امبرین شاہ (جرمنی) خوبصورت یادیں۔۔۔رب تعالیٰ آنٹی کے درجات بلند فرمائے اور انہیں جنت الفردوس کا اعلیٰ مقام حاصل ہو۔آمین۔
عثمان بھائی! آپ بہت ہی خوش قسمت ہیں کہ آنٹی نے آپ کے ہاتھوں میں دَم توڑا۔آپ پھر وہی سب سے چھوٹے ۶ سالہ شازی امی کے ہمراہ رہے۔ God Bless You!

عبدالعزیز بھٹی (جرمنی) بہت پیارا لکھا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ درجے عطا فرمائے اور آپ سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔آمین۔

کنول تبسم (اسلام آباد) بہت اچھا لکھا ہے سر جی۔۔۔آپ کے سب بچے اپنے والدین سے بہت محبت کرتے ہیں۔اللہ پاک میم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دیں۔آمین۔

لیاقت علی (دہلی) ماشاءاللہ۔۔۔والدین کی تربیت کا اثر ہے۔

ڈاکٹر عزیز الرحمٰن (آسٹریلیا) اشکبار Excellent Article, Again

چودھری شکور (جرمنی) ماشاءاللہ۔۔۔بڑے اعزاز کی بات ہے۔

جمیل احمد (جرمنی) Very Nice

شعیب حیدر

امی کی یادیں

امی کی وفات کے چند دن بعد ابو نے ہم سب بہن بھائیوں کو تحریک کی کہ امی کے ساتھ اپنے اپنے تجربات اور واقعات شیئر کریں۔لیکن اس وقت ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔اب جب سب بہن بھائیوں نے اپنے اپنے مضامین لکھ لیے ہیں تو میں نے سوچا کہ اب مجھے بھی کچھ لکھنا چاہئے۔

بچپن میں رضوانہ بڑی بیٹی ہونے کی وجہ سے اور عثمان بچپن میں بیماری کی وجہ سے زیادہ توجہ اور پیار پاتے رہے لیکن اس کے باوجود مجھے اپنے حصے کی محبت اور پیار باقاعدگی سے ملتے رہے جس میں، میں نے کبھی کسی قسم کی کمی نہیں پائی، بلکہ میرے ذہن میں یوں آتا ہے کہ ابو مجھے اپنی سلطنت کا ولی عہد کہتے تھے اور امی ابو کی سلطنت کا مذاق اڑایا کرتی تھیں۔

چچا اکبر کی شادی پر میں شہ بالا بنا تھا۔میری عمر پانچ چھ سال کی تھی۔بارات خان پور سے بذریعہ ٹرین کراچی گئی تھی اور وہاں سے پھر ٹرین پر واپسی ہوئی۔جب ٹرین خان پور ریلوے اسٹیشن پر رکی تو سب باہر نکل آئے اور پھر تانگوں میں بیٹھنے لگے تو یک دم امی کو لگا کہ زلفی نہیں ہے۔انہوں نے زور سے اس طرف توجہ دلائی تو سب مرد حضرات ٹرین کی طرف دوڑے،اس دوران ٹرین نے اسٹارٹ لے لیا تھا، پہلے اس کی زنجیر کھینچ کر اسے روکا گیا۔پھر میری تلاش شروع کی گئی تو چچا طاہر نے دیکھا کہ میں سیٹ کے نیچے سو رہا ہوں۔انہوں نے مجھے اُٹھا کر گلے سے لگایا اور نیچے اتر آئے۔

۱۹۸۳ء میں الفیض کوچنگ سینٹر میں ہمارا داخلہ ہوا۔میں چوتھی کلاس میں تھا اور عثمان دوسری کلاس میں تھا۔ہم دونوں پہلے دن سکول گئے تو دونوں ہی گھبرائے ہوئے اور ڈرے ہوئے تھے۔اسی گھبراہٹ میں اپنے اپنے کلاس رومز میں جانے کی بجائے ہم دونوں ایک ہی کلاس میں

بیٹھ گئے ۔۔اتنے میں ایک لڑکی آئی اور کہنے لگی ادھر سے اٹھو یہ میری جگہ ہے۔میں نے اور عثمان نے ایک دوسرے کو دیکھا اور اُٹھ کر روتے ہوئے گھر آ گئے۔اور آ کر امی سے کہا کہ بچوں نے ہمیں مار کر سکول سے نکال دیا ہے۔ماں کی ممتا جوش میں آئی اور انہوں نے میری کاپی لے کر آخری صفحہ پر شکایت نامہ لکھ کر پھر سکول بھیج دیا۔اس وقت وہاں میڈم طاہرہ ہوتی تھیں، جو بہت سخت ٹیچر تھیں۔لیکن انہوں نے پیار سے مجھے بلایا اور میری کاپی چیک کی تو آخری صفحے پر امی کی طرف سے شکایت درج تھی۔انھوں نے شکایت پڑھ کر مجھ سے پوچھا کہ کن بچوں نے مارا تھا؟ تو میں نے اس لڑکی کی طرف اشارا کر دیا اور وہ لڑکی گھبرا گئی اور بولی میں نے تو صرف جگہ سے اٹھنے کو کہا تھا اور کچھ بھی نہیں۔

۱۹۹۹ء میں میری شادی تسنیم سے ہوئی۔یہ بات ابو پہلے لکھ چکے ہیں لیکن میں پھر بھی بیان کرتا ہوں۔جب رخصتی کا وقت ہوا تو دلہن،اس کے گھر والے اور سہیلیاں تو رو رہی تھیں جب ہماری نظر پڑی تو امی بھی جذباتی ہو کر رو رہی تھیں۔تسنیم نے نرسنگ کی تعلیم حاصل کی تھی اور شادی کے بعد دو سال ہسپتال میں سروس بھی کی پھر بچوں کی پیدائش کے بعد گھر کی ذمہ داری سنبھال لی۔

میرا بیٹا شہریار پیدا ہوا تو رضوانہ کے بیٹوں مشہود اور مسرور کے بعد پہلا پوتا ہونے کے باعث اسے بہت زیادہ لاڈ پیار ملا۔ابو نے اپنی ادبی دنیا میں شہریار کی پیدائش کی خبر دی تو ان کے بعض دوستوں نے تہنیتی اشعار بھی کہے تھے۔شہریار کے بعد ماہ نور پیدا ہوئی تو خاندان کی پہلی لڑکی ہونے کے باعث اسے بھی بہت پیار ملا۔امی اس کے لیے خود کپڑے سی کر دیا کرتی تھیں۔

امی کی بیماری کے باعث تسنیم نے ہی ہسپتال اور ڈاکٹرز کی اپائنٹمنٹس کی زیادہ تر ذمہ داری بخوبی نبھائی جو قریباً امی کی وفات تک جاری رہیں۔اس کے علاوہ بھی کہیں آنا جانا ہوتا تو امی زیادہ تر تسنیم کے ساتھ ہی جاتی تھیں۔اس بہو کے ساتھ ان کا بہت اچھا تعلق رہا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی بہوؤں سے اچھا تعلق نہیں تھا لیکن اس سے کچھ خاص تھا۔

پھر وہ دن آ گیا جب امی کی وفات ہوئی۔ہم سب بہن بھائی کمزور دل کے ہیں۔لیکن عثمان اور ابو نے بہت ہمت سے کام لے کر ہم سب کو سنبھالا،اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جزائے خیر

دے۔آمین۔

ٹیپو اور طوبیٰ کے رشتے کو لے کر امی بہت خوش تھیں۔ان کی وفات کے بعد سادگی سے نکاح ہو گیا ہے۔اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس رشتے کو ہمیشہ کامیاب رکھے تا کہ امی کی روح کو سکون ملتا رہے۔آمین۔

''ہماری امی مبارکہ حیدر'' اگرچہ ہم پانچوں بھائی بہنوں کی مشترکہ کاوش تھی، پھر اس کا بیشتر مواد خود ابو کا اپنا تحریر کردہ تھا،اس کے باوجود مجھے امی کی زندگی میں یہ اعزاز نصیب ہوا کہ میں نے یہ کتاب مرتب کی اور امی کی زندگی میں ہی اسے شائع کر کے امی کی خدمت میں پیش کیا۔ادب سے کوئی تعلق نہ ہونے کے باوجود ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' کے ذریعے مجھے ایسا کام کرنے کی توفیق ملی جسے ادبی دنیا میں بڑے پیمانے پر سراہا گیا۔ڈاکٹر انور سدید صاحب جیسے اہم نقاد نے تو یہاں تک لکھا کہ:

''میں کہہ سکتا ہوں کہ ''ہماری امی'' اپنی نوعیت کی اولین کتاب ہے جس کی ترتیب و تدوین پر حیدر قریشی کے بچے مبارک باد کے مستحق ہیں۔''

''ہماری امی مبارکہ حیدر'' پر ادبی دنیا میں جس طرح تبصرے کیے گئے،مضامین لکھے اور تاثرات درج کیے گئے وہ سب کچھ اب ابو کی کتاب ''حیاتِ مبارکہ حیدر'' میں یک جا کیا جا رہا ہے۔اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکے گا کہ اس کتاب کو ادبی دنیا میں کتنی دلچسپی، حیرانی اور خوشی کے ساتھ دیکھا گیا۔یہ سب کچھ نہایت غیر معمولی ہے۔

امی! آپ بظاہر اب ہم میں نہیں ہیں،لیکن ہم نے آپ کو،آپ کی یادوں کو اپنے دلوں میں زندہ رکھا ہوا ہے،روشن رکھا ہوا ہے۔یادوں کی یہ روشنی ہمارے دلوں کو روشن رکھے گی۔

شعیب حیدر کے مضمون پر ملنے والے چند اہم تاثرات

فرزانہ یاسمین (رحیم یار خان) بہت سادہ انداز میں لکھا گیا یہ مضمون دلی جذبات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔اور جس سادگی اور دل سے لکھا گیا اسی طرح دل پہ اثر انداز ہوا۔ یہ ایک بیٹے کا اپنی ماں سے محبت کا برملا اظہار ہے۔اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

رضوانہ کوثر (جرمنی) بہت خوب۔ ماشاءاللہ

نازیہ خلیل عباسی (ایبٹ آباد) ماشاءاللہ۔۔۔Very Nice

اسحاق ساجد (جرمنی) ماشاءاللہ، اچھے انداز میں حق ادا کیا۔

محمود قریشی (خان پور) امی کی یادیں، سادہ لفظوں میں یادگار تحریر ہے۔

فوزیہ مغل (جرمنی) سادہ اور بہت ہی خوبصورت انداز۔ بہت خوبصورت مضمون، عام فہم اور خوبصورت الفاظ میں ماں سے محبت کا اظہار

درِثمین انور (جرمنی) Very Nice ماشاءاللہ

ڈاکٹر رضینہ خان (دہلی) بہت اچھا۔

محمد مدثر (گلبرگہ) سادہ الفاظ میں، نہایت عمدہ مضمون

سہیل اقبال (کینڈا) ماں کے بارے میں جتنا لکھا جائے کم ہے۔شعیب حیدر صاحب نے جس طرح سادہ الفاظ میں اپنے جذبات لکھے وہ قابلِ تعریف ہیں۔ بہت بہت مبارک باد!

عظیم انصاری (کولکتہ) دل کو چھو لینے والی تحریر ہے۔مبارکباد اور دعائے سلامتی۔

زارا حیدر (بدین، سندھ) ماشاءاللہ حیدر صاحب۔کمال کا کام کیا ہے آپ کے بچوں نے۔

ارشد خالد (اسلام آباد) سادہ الفاظ میں ماں کے ساتھ بیٹے کی محبت کا والہانہ انداز۔

سعید شباب (خان پور) شعیب کے مضمون کی سادگی بہت اچھی لگی۔والدہ سے محبت فطری جذبہ ہے اور شعیب نے اس جذبے کا بڑے اچھے انداز سے اظہار کیا ہے۔

کنول رعنا نوشی (ملائیشیا) زلفی کی یادوں نے اداس کر دیا۔

نذیر بزمی (خان پور) شعیب حیدر کی یادیں اپنی سادگی کے ساتھ دل پر اثر کرتی ہیں۔

سمیرا (ربوہ) Very Nice

حیدر قریشی

پسلی کی ٹیڑھ

(پہلے خاکے سے انتیس سال بعد لکھا جانے والا دوسرا حصہ)

لگ بھگ انتیس سال پہلے جب میں نے مبارکہ کا خاکہ ''پسلی کی ٹیڑھ'' لکھا تھا تو اس کے آخر میں لکھا تھا:

''اس خاکے کا دوسرا حصہ مبارکہ کی وفات کے بعد لکھوں گا یا میری وفات کے بعد وہ لکھے گی۔''

دس سال پہلے ۲۰۰۹ء میں میرے ایک خواب میں مجھے بتایا گیا تھا کہ اسی سال دسمبر میں، میں نے فوت ہو جانا ہے۔ اس قصہ کی تفصیل میری یادوں کے باب ''لبیک الّٰھم لبیک'' میں محفوظ ہے پھر اس سلسلہ کی مزید وضاحتیں اور تعبیر و تاویلات یادوں کے اگلے باب ''زندگی در زندگی'' میں لکھی جا چکی ہیں۔ انتیس سال پہلے لکھے گئے خاکے سے لے کر دس سال پہلے کے خواب تک میرے اور مبارکہ کے درمیان یہ مقابلہ رہا کہ پہلے میں نے اگلی دنیا میں جانا ہے۔ بالآخر مبارکہ نے ایک بار روہانسی ہو کر کہا کہ آپ میرے بعد بھی ہمت کر کے جی لیں گے لیکن میں آپ کے بعد نہیں جی سکوں گی۔ سو ہمارا پہلے مرنے کی خواہش کا معاملہ معلق سا ہو گیا۔ لیکن یکم جنوری ۱۹۵۶ء کو پیدا ہونے والی مبارکہ اب ۲۷ مئی ۲۰۱۹ء کو میرے جیتے جی فوت ہو کر مجھ سے بازی لے گئیں۔

۲۴/اکتوبر ۲۰۰۹ء سے مبارکہ کو ڈائلیسز کی مشقت سے گزرنا قرار پایا اور لگ بھگ سوا سال کے بعد ۱۴/فروری ۲۰۱۱ء کو ان کے گردے پھر سے کام کرنے لگ گئے اور محض دعاؤں اور دواؤں کے سہارے ڈائلیسز کی مشقت سے نجات مل گئی۔ پھر تقریباً چار سال کے بعد ۷/جنوری ۲۰۱۵ء سے پھر ڈائلیسز کرانا ضروری قرار پایا۔ تب سے اب تک ہفتہ میں تین بار ڈائلیسز کا عمل جاری تھا۔ ۲۷ مئی ۲۰۱۹ء کو رمضان شریف کی ۲۱ تاریخ تھی۔ آخری عشرہ کا پہلا دن۔ فجر کی نماز

کے لیے سوا چار بجے کا الارم لگایا ہوا تھا۔ معمول کے مطابق الارم بجتے ہی مبارکہ بیگم بیدار ہو گئیں۔ بائیں بازو پر ڈائلیسز کے لیے جو شنٹ (shunt) لگا ہوا تھا مبارکہ نے اس کا پلستر ہٹا کر خارش کرنا چاہی۔ (ایسا وقتاً فوقتاً کر لیا کرتی تھیں) لیکن اس دن ایسا ہوا کہ شنٹ کا کنکشن ٹیوب بھی باہر سرک آیا، شاید دس سال پہلے نصب ہونے کی وجہ سے کچھ لوز ہو گیا تھا۔ بس پھر خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ مجھے مبارکہ نے آواز دی کہ خون رُک نہیں رہا۔ میں فوراً اٹھ کر گیا۔ مبارکہ کی ہدایت کے مطابق خون کے اخراج کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن بے سود۔ ان کا آخری وقت آ گیا تھا اور کثرت سے خون بہہ جانے کے باعث وہ اپنے ہی خون میں لت پت ہو کر اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

فوری طور پر میں نے ساتھ والے گھر سے منجھلے بیٹے عثمان کو بلایا۔ اس نے ایمبولینس کے لیے فون کیا اور ماں کو سنبھالنے لگا۔ میں دوڑ کر گیا اور چھوٹے بیٹے طارق کو اس کے گھر سے جگا کر لایا۔ اس دوران ایمبولینس بھی آ گئی لیکن مبارکہ کی زندگی کی کہانی مکمل ہو چکی تھی۔ باقی بچوں کو فون کیے۔ امریکہ میں اپنی بہن زبیدہ کو فون کر کے بتایا اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ سارے عزیز و اقارب کو اطلاع کر دیں۔ یہ ساری کاروائی دس سے پندرہ منٹ کے اندر مکمل ہو گئی۔ مبارکہ کے اندر زندہ رہنے کی خواہش مجھ سے زیادہ تھی لیکن دو اضافی خواہشوں کے ساتھ، ایک یہ کہ میں اس کے ساتھ موجود ہوؤں اور دوسری یہ کہ جتنی زندگی ہو متحرک اور چلتی پھرتی ہو۔ محتاجی کے دکھ والی نہ ہو۔ سو اپنی خواہش کے عین مطابق وہ چلتے پھرتے اور آخری وقت تک مجھے حفاظتی تدبیر کی ہدایت دیتے ہوئے اپنی زندگی کا سفر مکمل کر گئیں۔

عزیز و اقارب کو اطلاع ملتے ہی تعزیتی کالز کا تانتا بندھ گیا۔ امریکہ سے میری بہن زبیدہ، بھائی نوید انجم اور کزن اویس باجوہ اور انگلینڈ سے مبارکہ کی دو بہنیں غزالہ اور بشریٰ ہما، اور بشریٰ ہما کے شوہر عطاء الرحمٰن بھٹی، مبارکہ کے آخری سفر میں انہیں الوداع کہنے کے لیے جرمنی پہنچ گئے۔ جرمنی میں مقیم سارے عزیز و اقارب اور دوست احباب بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ۲۷ مئی کو وفات ہوئی، ۲۸ مئی کو نمازِ جنازہ، ۲۹ مئی کو تدفین سے پہلے پھر نمازِ جنازہ اور اسی روز دوپہر تک تدفین کر دی گئی۔ مبارکہ کی قبر کے ساتھ والا قبر کا پلاٹ میں نے اپنے لیے بک کرا لیا ہے۔ اس

بکنگ کے لیے خاصی رقم ادا کرنا پڑی لیکن کام پکا ہو گیا ہے۔ باقی جو اللہ کی مرضی۔

وفات سے کچھ عرصہ پہلے مبارکہ نے خواب دیکھا تھا کہ ماموں ناصر، میرے امی، ابو اور بعض اور فوت شدہ قریبی عزیز موجود ہیں اور ان کے ساتھ گپ شپ ہو رہی ہے۔ خواب سن کر میں نے فوراً پوچھا تھا کہ کسی بزرگ نے کچھ مانگا تو نہیں تھا؟۔۔۔مبارکہ نے بتایا نہیں کسی نے کچھ نہیں مانگا۔ اس پر مجھے تسلی ہو گئی۔ مبارکہ کو گاہے بگاہے فوت شدہ عزیز ملتے رہتے تھے، اس لیے یہ خواب بھی انہیں خوابوں کا تسلسل تھا، لیکن شاید ایسا نہیں تھا۔

جنوری ۲۰۱۹ء کے شروع میں کسی بنا پر میں نے مبارکہ سے کہا تھا کہ یہ سال ہم دونوں کے لیے سخت ہے اس لیے ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ کسی بات پر بھی غصہ نہیں کریں، جھگڑا نہیں کریں، ایسی فضا نہ بنے جہاں انسان اشتعال میں آ کر علیٰحدگی کی بات کر دے۔ تب میری چھوٹی بیٹی اور داماد بھی موجود تھے۔ مبارکہ نے میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرنے کی بجائے میری اس بات کا مذاق اڑایا کہ اشتعال کے کسی لمحے میں ہماری علیٰحدگی ہو سکتی ہے۔ یہ مذاق اڑانا خاصے بے تکلفانہ الفاظ میں تھا۔ تب میں نے پھر کہا مبارکہ بیگم! اس سال ہماری جدائی کا خطرہ ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ جدائی علیٰحدگی کی صورت میں ہو، یہ ہم دونوں میں سے کسی ایک کی موت کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے۔

اب مبارکہ کی وفات کے بعد چھوٹی بیٹی اور داماد نے یہ بات دوسرے بھائی بہنوں کو بتائی، پھر مجھ سے پوچھا کہ آپ نے کس وجہ سے یہ بات کہی تھی جو لفظ بلفظ پوری ہو گئی۔ میں نے سب کو یاد دلایا کہ میں اور مبارکہ، ہم دونوں گزشتہ دس برس سے اللہ میاں کے خصوصی بونس پر جی رہے تھے۔ اور ہم میں سے کسی کی وفات کا سانحہ کسی وقت بھی پیش آ سکتا تھا۔ ہاں اس برس کے شروع میں ہی ایک آدھ اشارے اور ہلکی سی جمع تفریق سے یہ واضح ہوا تھا کہ یہ سال جدائی کا سال ہو سکتا ہے، سو ہو گیا۔

چھوٹے بیٹے طارق (ٹیپو) کی اپنی پہلی بیوی سے علیٰحدگی ہو چکی تھی۔ اس سال کے شروع میں اس کی نئی منگنی کر دی گئی۔ طوبیٰ بہت ہی پیاری بچی ہے۔ مبارکہ اس رشتہ سے بہت خوش تھیں

اور انہوں نے اپنی بہن بشریٰ ہما اور میری بہن زبیدہ کو اور مزید بھی کئی عزیز رشتہ داروں کو بتا رکھا تھا کہ وہ ٹیپو اور طوبیٰ کے رشتہ سے بہت خوش اور مطمئن ہیں۔ ۲۵ مئی کو ہم لوگ طوبیٰ کے گھر گئے۔ مبارکہ اپنی چھوٹی بہو کے لیے روایتی عیدی لے کر گئی تھیں۔ اگلے روز ۲۶ مئی کو دو انوکھے واقعات ہوئے۔

ایک یہ کہ۔۔۔۔میں سات بجے سے پہلے پہلے ناشتہ کر لیتا ہوں جبکہ مبارکہ نو بجے کے بعد ناشتہ کیا کرتی تھیں۔ ۲۶ مئی کو مبارکہ ناشتہ کر رہی تھیں اور میں صوفے پر بیٹھا تھا۔ جی چاہا کہ ٹی وی پر یوٹیوب میں جا کر پرانی فلم ''مغل اعظم'' کے دو تین گانے سنوں۔ پہلے گانا لگایا ''ہمیں کاش تم سے محبت نہ ہوتی''۔۔۔یہ گانا ختم ہونے تک مبارکہ ناشتہ کر چکی تھیں۔ میں نے دوسرا گانا لگایا۔

خدا نگہبان ہو تمہارا دھڑکتے دل کا پیام لے لو
تمہاری دنیا سے جا رہے ہیں، اٹھو ہمارا سلام لے لو

مبارکہ نے کافی کا کپ ہاتھ میں لیا اور صوفے پر آ کر میرے ساتھ بیٹھ گئیں۔ مبارکہ کو عام طور پر گانوں میں زیادہ دلچسپی نہیں رہی لیکن اس دن انہوں نے میرے ساتھ بیٹھ کر بڑے انہماک کے ساتھ وہ گانا سنا، اتنی توجہ کے ساتھ کہ مجھے لگا ہم دونوں اس گانے کو دل کی گہرائی کے ساتھ ایک دوسرے سے شیئر کر رہے ہیں۔ گانا ختم ہونے پر پھر یہی گانا دوبارہ لگا دیا۔ تب میں نے فلم بنائے جانے کے دوران اس گیت کے پس منظر کی بابت بھی مبارکہ کو کچھ بتایا۔

دوسرا یہ کہ۔۔۔۔۲۶ کو بڑی بیٹی رضوانہ کا ایک کام سے آنا طے تھا۔ وہ آئی تو اس کے میاں اور بچے بھی ساتھ آ گئے۔ کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ چھوٹی بیٹی درِثمین بھی اپنی فیملی کے ساتھ آ رہی ہے۔ عثمان کے گھر میں بچوں کا شور پہنچا تو اس کی ساری فیملی بھی آ گئی۔ پھر ٹیپو بھی آ گیا اور مزید کمال یہ ہوا کہ ٹیپو کی منگیتر طوبیٰ بھی اپنے بھائی کے ساتھ پہنچ گئی۔ پورا دن گھر میں رونق رہی۔ مبارکہ خود بھی کچن میں کام کرتی رہیں۔ شام کو افطاری کے بعد سارے بچے اپنے اپنے گھر واپس جانے لگے۔

ساڑھے دس بجے تک فراغت ملی۔ صبح سوا چار بجے فجر کی نماز کے لیے الارم بجا تو مبارکہ اٹھیں اور پھر وہی شنٹ کی ٹیوب باہر نکل آنے کا سانحہ ہو گیا جس کا ذکر شروع میں کر آیا ہوں۔ کل کے فیملی

اجتماع کے ٹھیک چھ گھنٹے کے بعد صبح ساڑھے چار بجے کے لگ بھگ میں بچوں کو مبارکہ کی وفات کی اطلاع دے رہا تھا۔ یہ فیملی اجتماع جو کسی پروگرام کے بغیر از خود ہو گیا تھا، اس لحاظ سے اچھا رہا کہ بچوں نے محبت اور خوشی کے ماحول میں ماں سے آخری ملاقات کر لی اور مبارکہ نے بھی بچوں کی گہما گہمی اور خوشی کا اپنی ساری مامتا کے ساتھ مزہ لیا۔

اب گانے والی بات کی طرف آتا ہوں۔ صبح سوا چار بجے مبارکہ نے مجھے آواز دے کر کہا کہ خون زیادہ بہہ رہا ہے، رُک نہیں رہا، آپ آ کر دیکھیں۔ تو یہ گویا ان کی طرف سے پیام تھا کہ یہ دل بس مزید چند منٹ تک دھڑکنے والا ہے، اس لیے اس کا پیام سن لو۔ میں تمہاری دنیا سے جا رہی ہوں سواٹھو اور میرا سلام لے لو۔۔۔۔ مبارکہ کی وفات کی صورتِ حال کے ساتھ یہ گانا اتنا زیادہ جڑ گیا ہے کہ جیسے یہ حقیقتاً ہمارے لیے بنایا گیا ہو۔ دلیپ کمار اور مدھو بالا تو اس گانے میں اداکاری کر رہے تھے ہم دونوں پر تو یہ گانا ایک نئی معنویت کے ساتھ گزر رہا تھا۔

گانا شروع ہونے سے پہلے ایک شعر گایا جاتا ہے۔

وہ آئی صبح کے پردے سے موت کی آواز
کسی نے توڑ دیا جیسے زندگی کا ساز

یہ شعر بھی لفظ بلفظ مبارکہ پر گزرا۔۔۔۔ فجر کی نماز کا وقت تھا اور اس صبح کے پردے سے موت نے آواز دی۔ شنٹ مبارکہ کی زندگی کا ساز تھا۔ اس کی ٹیوب کا باہر نکل آنا، زندگی کے ساز کا ٹوٹ جانا ہی تھا۔ صرف یہ شعر اور مکھڑا ہی نہیں، پورا گیت لفظ بلفظ ہم پر گزرا، لیکن اس کا ذکر یہیں ختم۔

اس سے پہلے ۴/اپریل ۲۰۱۹ء کو ہم نے اپنی شادی کی ۴۸ ویں سال گرہ منائی تھی۔ یہ مکمل فیملی فنکشن تھا۔ اس کی ایک منفرد پیش کش یہ ہو گئی کہ میں نے کہا سارے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسی ہم دونوں کے درمیان بیٹھ کر کیک کاٹیں۔ کاٹے ہوئے کیک کو ہی بار بار کاٹیں تا کہ سب کی ہمارے ساتھ تصاویر بن جائیں۔ اتفاق کہہ لیں کہ ہمارے گرینڈ چلڈرن نے ہمارے ساتھ تصویر بنواتے وقت اپنی خوشی کا بھرپور اظہار کیا۔ سارے بچے تصویر میں قہقہہ لگاتے یا ہنستے مسکراتے ہوئے محفوظ ہو گئے۔ یہ ہماری شادی کی آخری سالگرہ تھی اور اس لحاظ سے ساری تصاویر

یادگار ہو گئیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ اس یادگار تقریب میں بھی ٹیپو کی منگیتر طوبیٰ شرکت کے لیے خصوصی طور پر پہنچی اور ہم دونوں کے لیے اس کی شرکت دلی خوشی کا باعث ہوئی۔ (الحمدللہ کہ مبارکہ کی خواہش کے مطابق اب ٹیپو اور طوبیٰ کی شادی ہو چکی ہے، دونوں بچے اس نئی زندگی سے بے حد خوش ہیں۔ اللہ انہیں ہمیشہ خوش رکھے اور ہر بری نظر سے محفوظ رکھے۔ آمین)

میں نے اس تقریب میں کیک کا پہلا ٹکڑا کاٹ کر اسے آدھا آدھا کیا ایک ٹکڑا مبارکہ کو دیا اور ایک ٹکڑا خود لیا۔ ساتھ ہی میں نے کہا: ہم دونوں نے زندگی بھر ایک دوسرے کا جوٹھا نہیں کھایا، اس سے ثابت ہوا کہ ایک دوسرے کا جوٹھا کھانا محبت کے لیے ضروری نہیں ہے، ہم دونوں اس حقیقت کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ زندگی میں بے شمار مرتبہ ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھایا ہے لیکن ایک دوسرے کا جوٹھا کبھی نہیں کھایا۔ یہاں فرحت نواز کا ایک مزیدار شعر یاد آ گیا۔

وہ جھوٹا آج پھر آئے گا فرحتؔ
مجھے وہ آج پھر جھوٹا کرے گا

فرحت کی بعض سہیلیوں نے دوسرے مصرعہ میں تصرّف کر کے ''جھوٹا'' کو ''جوٹھا'' کر دیا اور اس شعر کا مزہ لیتی رہیں۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ میں نے اور مبارکہ نے زندگی بھر ایک دوسرے کا یا کسی تیسرے کا ''جوٹھا'' کبھی نہیں کھایا۔ اس معاملہ میں ہم دونوں ہم مزاج تھے حالانکہ دوسرے بے شمار معاملات میں ہمارے مزاج ایک دوسرے سے مختلف رہے لیکن جیسے مزاجوں کا اختلاف ہمارے تعلق میں کبھی رخنہ نہیں ڈال سکا، ویسے ہی یہ جوٹھا نہ کھانے کی ہم مزاجی بھی ہمارے تعلق میں کوئی خرابی پیدا نہیں کر سکی۔

فرحت نواز کے شعر کا ذکر ہوا تو یاد آیا ایک بار انہوں نے میری اور مبارکہ کی ۱۹۹۱ء کی ایک تصویر دیکھی تو کہا کہ مبارکہ کی آنکھوں میں بلا کی خوداعتمادی ہے جبکہ آپ دبے ہوئے سے لگ رہے ہیں۔ پھر خود ہی کہنے لگیں، بیوی کو ایسی خوداعتمادی شوہر سے ہی ملتی ہے۔ یہ آپ کی ہی دی ہوئی خوداعتمادی ہے۔ تب میں نے انہیں بتایا کہ میں نے ساری زندگی مبارکہ سے اپنے جوتے پالش نہیں کرائے۔ اسے اس کام سے ہمیشہ منع کیے رکھا۔

اسی بات کے تناظر میں ایک اور بات یاد آ گئی، ہمارا صوفہ ایل ٹائپ کا ہے۔ میں بیڈ کی بجائے صوفہ پر مزے سے سوتا ہوں۔ میری عادت کی وجہ سے مبارکہ نے بھی بیڈ کی بجائے صوفہ پر سونا شروع کر دیا۔ ہمارے سونے کا طریق یوں تھا کہ ہم دونوں کے پاؤں ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔لیکن کئی بار ایسا ہوتا کہ رات کو آنکھ کھلتی تو دیکھتا کہ مبارکہ نے سائیڈ تبدیل کر لی ہے اور اب میرے پیروں کی طرف ان کے پاؤں نہیں بلکہ سر ہے۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگتا تھا چنانچہ پھر میں بھی اپنا سر اسی طرف کر لیتا۔ یہ معمولی سی بات ہے لیکن شاید اس کے اندر کہیں، ایک دوسرے کے لیے ہم دونوں کی شخصیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۹۸۶ء سے میرا معمول ہے کہ ہر جمعہ کے دن فجر کی نماز کے بعد سورہ یاسین اور سورہ صافات پڑھتا ہوں اور پھر ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے اپنی زبان میں کوئی ایک دلی مراد مانگتا ہوں۔ اس طریقِ دعا سے میری بہت ساری مرادیں پوری ہو چکی ہیں۔ سال چھ مہینے کے بعد مبارکہ نے بھی جمعہ کے دن کوئی دلی مراد مانگنے کا یہی طریق شروع کر دیا۔ لگ بھگ ۲۸ سال کے بعد ۲۰۱۵ء میں خاندان کی بھری محفل میں مبارکہ نے بے اختیاری میں ایک حیرت انگیز اور خوشگوار انکشاف کیا۔ چھوٹے بیٹے طارق کی زندگی میں بہت سارے مسائل اور مصائب آ رہے تھے۔ اس نے اپنی پریشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے مبارکہ سے کہا کہ ماں! اس جمعہ کو میرے لیے خاص دعا کر دیں۔ اس پر مبارکہ نے کہا کہ کسی دوسرے سے دعا کرانے سے پہلے خود دعا کرنی چاہئے، اس لیے خود دعا کرو۔ نماز میں تمہارے لیے اور باقی سارے بچوں کے دعا کرتی رہتی ہوں۔ مزید کر لوں گی۔ لیکن یہ خاص دعا کسی کے لیے نہیں کر سکتی کیونکہ میں نے جب سے یہ مخصوص دعا شروع کی ہے صرف اور صرف آپ کے ابو کے لیے ہی دعا کی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دعا نہیں کی۔ بے اختیاری اور بے ساختگی میں کیا جانے والا یہ انکشاف میرے لیے آج بھی حیران کن ہے۔ کوئی بیوی اتنے طویل عرصے سے اپنے خاوند کے لیے لگاتار ایک ہی دعا کر رہی ہے اور جس کے لیے دعا کر رہی ہے اسے علم تک نہیں۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ ۲۸ سال کے بعد کسی بہانے سے ہی یہ بات مبارکہ کے منہ سے نکل گئی۔ اور میرے علم میں آ گئی۔ لیکن اس انکشاف کے بعد سے اب تک میری

خوشگوار حیرت ختم ہی نہیں ہو رہی۔

اپنے والدین کی وفات کے بعد میں نے بہت کم انہیں خواب میں دیکھا ہے لیکن مبارکہ کو اکثر پھوپھا، پھوپی، ماموں ناصر اور باباجی خواب میں ملتے رہتے تھے۔ اب سوچتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ میرے والدین ہی مبارکہ کا سسرال تھے اور میرے والدین ہی مبارکہ کا مائیکہ تھے۔ چودہ پندرہ سال کی عمر میں پھوپی کے گھر بیاہ دی جانے والی بچی نے پھر پھوپی کے گھر کو ہی اپنا سب کچھ مان لیا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میرے والدین مجھ سے زیادہ انہیں خواب میں ملتے رہتے تھے۔

مبارکہ کو چڑیاں پالنے کا بہت شوق تھا لیکن عجیب بات ہے کہ ہمیشہ تین چڑیاں پنجرے میں رکھیں۔ گزشتہ دس برس (۲۰۰۹ء سے ۲۰۱۹ء تک) کے عرصہ میں ایک دو برس چھوڑ کر تقریباً ہر سال ہی مبارکہ کو ایمرجنسی میں لے جانا پڑتا تھا۔ ہر بار چند دن کی افراتفری کے بعد ایسا ہوتا کہ گھر میں ایک چڑیا مر جاتی اور اُدھر مبارکہ بیگم ہسپتال میں ٹھیک ہو جاتیں۔ ٹھیک ہو کر گھر آتیں تو پھر ایک اور چڑیا لا کر دو کو تین کر دیتیں۔ اس بار مبارکہ گھر پر ہی رہیں اور دس منٹ میں دوسری دنیا کی طرف سدھار گئیں۔ کسی چڑیا کو اپنی مالکن کے لیے قربانی دینے کی مہلت ہی نہیں ملی۔ یہ سب کچھ اتفاق ہی ہوگا لیکن عجب اتفاق ہے!

فوتگی سے لے کر تدفین کے دن تک تینوں دن چڑیاں بالکل خاموش رہیں۔ چوتھے دن پھر انہوں نے ہلکا ہلکا چہکنا شروع کر دیا۔

چڑیوں کو پالنے کے ساتھ مبارکہ کو گھر میں پودے لگانے کا بھی بہت شوق تھا۔ گملوں میں سہی لیکن مختلف پھول دار پودے اُگا رکھے تھے، بعض سبزیوں کو اگانے کے تجربے بھی کرتی رہتی تھیں۔

گزشتہ چند مہینوں سے ہمارے معمولات میں ایک تبدیلی آئی تھی۔ جرمنی میں مقیم شاعر طاہر عدیم کی فیملی کے ساتھ ہمارا پہلے بھی تھوڑا بہت ملنا جلنا تھا لیکن حالیہ دنوں میں ان کے ساتھ میل جول زیادہ ہو گیا تھا۔ طاہر کی اہلیہ مونا کی والدہ کچھ عرصہ پہلے وفات پا گئی تھیں اور انہیں اب مبارکہ میں جیسے اپنی امی کی جھلک نظر آتی تھی۔ سو مبارکہ بھی ان کی دل جوئی کرتی رہتی تھیں۔

طاہر عدیم اور مونا کے ذکر سے یاد آیا کہ قبر تیار ہونے کے بعد سب سے پہلے ان کی بیٹی سلطنت نے مبارکہ کی قبر پر پھول رکھے تھے۔ دوسرے دن میں قبر پر دعا کرنے گیا۔ دعا کے بعد کچھ دیر وہیں رکا رہا، پھر واپسی کے لیے مڑا تو سلطنت کے رکھے ہوئے پھول اپنی جگہ سے سرک کر ذرا سا نیچے کو گر گئے۔ پھولوں کے سرک کر گرنے کی آواز مجھے بالکل ویسی ہی لگی جیسی مبارکہ نے مجھ سے ۲۴ ستمبر ۲۰۰۹ء کو گہری بے ہوشی کی حالت میں کہا تھا ”کتھے چلے او!“
میں آواز سن کر فوراً مڑا اور بے ساختگی سے مبارکہ کو مخاطب کر کے کہا۔
”ابھی نہ جاؤں؟، اچھا نہیں جاتا“ اور پھر قبر کے قریب بیٹھ گیا۔

ایسے سانحہ کے قریب ترین دنوں کی کیفیت کے ساتھ ان سے باتیں کرتا رہا۔ اسی دن شام کو پھر قبرستان گیا۔ اپنی چھتری ساتھ رکھے بنچ کے ساتھ ٹکائی۔ مبارکہ کی قبر پر ان کی مغفرت کی دعا کی۔ حالیہ دنوں میں جرمنی میں بہت زیادہ گرمی پڑ رہی ہے۔ قبر کو دیکھا تو شدید گرمی کے اثرات محسوس ہوئے۔ قریب ہی پانی کی فراہمی کا باقاعدہ انتظام موجود تھا۔ سوچا پانی بھر کر لاتا ہوں اور قبر پر مناسب چھڑکاؤ کرتا ہوں۔

جیسے ہی میں پانی لینے کے لیے جانے لگا بینچ سے ٹکی ہوئی میری چھتری نیچے گر گئی۔ میں نے نمناک مسکراہٹ کے ساتھ مڑ کر دیکھا اور جیسے ہم معمول کے مطابق ایک دوسرے سے بات کیا کرتے تھے ویسے ہی کہا۔
”ابھی ادھر ہی ہوں۔ کہیں نہیں جا رہا۔ پانی لاتا ہوں تا کہ قبر پر چھڑکاؤ کر دوں“۔
پانی کے چھڑکاؤ کے بعد میں پھر قبر کے قریب ہو کر بیٹھ گیا اور انہیں بتانے لگا کہ میں نے اپنی کتاب ”حیاتِ مبارکہ حیدر“ پر کام شروع کر دیا ہے۔

پھولوں کا اپنی جگہ سے سرک کر گرنا، چھتری کا بینچ سے گر جانا، اگر یہ اتفاق تھے تو تب بھی غم کی خاص کیفیت میں عین ایسی صورتِ حال میں ایسے اتفاق ہو جانا اچھے لگتے ہیں۔ لیکن اگر یہ سچ مچ مبارکہ کی روح تھی جو مجھے مزید کچھ دیر کے لیے روک رہی تھی، (اور مجھے لگتا ہے کہ ایسا ہی تھا) تو یہ احساس بھی ایک روحانی طمانیت کا موجب بنتا ہے۔

مبارکہ کی علالت کے دس سالہ دور میں ویسے تو سارے بچے حسبِ توفیق ماں کو دباتے رہتے تھے۔ تاہم عثمان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ماں کے کہے بغیر وہ وقتاً فوقتاً شام کے وقت گھر کا چکر لگاتا اور ماں سے پوچھتا کہ پاؤں مالش کر دوں؟

پھر تیل کو ہلکا سا گرم کرتا اور مبارکہ کے پیروں کی مالش کرتا۔ ٹخنوں کو بھی مالش کرتا۔ بعض اوقات سر میں بھی تیل ڈالتا اور اچھے سے مالش کرتا۔ باقی سارے بچوں کے مقابلہ میں عثمان کا یہ ایسا اعزاز ہے جس میں کوئی بھی اس کے مقابل نہیں ہے۔ شاید ماں کی اس انوکھی خدمت کا صلہ تھا کہ مبارکہ کی فوتگی پر سب سے پہلے اسے بلانا پڑا اور اسی نے ماں کو ان کے آخری سانسوں میں سنبھالا۔ مجھے بھی ایک بار عثمان نے پیش کش کی تھی کہ میرے پیروں کو مالش کر دے۔ اس پر میں نے کہا تھا کہ یار! ایک تو میرے پیروں کے نیچے جنت نہیں ہے، دوسرا یہ کہ کوئی میرے پیر کے تلوے کو ہلکا سا بھی چھوئے تو مجھے بہت زیادہ گدگدی ہوتی ہے۔

اگلی نسل کے بچے قابو میں آنے کی صورت میں اپنی دادی/نانی کو دباتے رہتے تھے لیکن ہمارے نواسے مسرور کوثر (جگنو) کا دبانا مبارکہ کو سب سے اچھا لگتا تھا۔ اسے ہمیشہ شاباش ملتی رہتی تھی۔ تدفین کے بعد جگنو پہلی بار نانی کی قبر پر گیا۔ نانی کی ٹانگوں والے حصے کے قریب بیٹھ کر قبر کو اسی طرح دبانے لگا جیسے نانی کی ٹانگیں دبایا کرتا تھا۔ قبر کے ذریعے نانی کی ٹانگیں دباتا جا رہا تھا اور جھکے ہوئے سر کے ساتھ آنسو بہاتا جا رہا تھا۔ بہت ہی جذباتی سا منظر تھا۔

چھوٹی بیٹی کا چھوٹا بیٹا ساحر سوا سال کا ہے۔ نانی کے جیتے جی اسے کہتے کہو نانی۔۔۔۔ وہ آگے سے کہتا نانا۔۔۔ مبارکہ کہتی ”پڑھو لا الٰہ الا اللہ۔۔۔“ تو صاف انکار کر دیتا۔ اب جو نانی کی قبر پر گیا تو وہاں بیٹھتے ہی لا الٰہ پڑھنا شروع کر دیا۔۔۔ اور نانی نانی تو ہر وقت ہی کرتا رہتا ہے۔ اب میں کہتا ہوں کہ کہو نانا، تو آگے سے کہتا ہے نانی۔۔۔ اور ساتھ مسکراتا بھی ہے۔

میرے دونوں چھوٹے پوتے شایان اور شیراز تو نماز جنازہ اور تدفین کے دن زیادہ تر میرے ساتھ یا قریب ہی رہے۔ لیکن چھوٹی پوتی ثانیہ نے دوسرے دن ایک عجیب بات پوچھ لی۔ میں چھ سال کی بچی کی گہری نگاہ پر حیران رہ گیا۔ کہنے لگی دادا ابو! کل سب رو رہے تھے، آپ کیوں

نہیں رو رہے تھے؟۔۔۔تب اسے پیار سے سمجھایا کہ دادا ابو رویا نہیں کرتے۔

میرے منجھلے بیٹے عثمان کا گھر میرے گھر کے بالکل ساتھ ہے۔وفات والے دن گھر کی خواتین کو عثمان کے گھر بھیج دیا تا کہ ایمبولینس والے اپنی ضابطے کی کاروائی مکمل کر لیں۔کچھ دیر کے بعد میں گھر سے ذرا سا نکلا تو دیکھا کہ ہمارے دروازے کے سامنے میری بڑی پوتی ماہ نور کھڑی ہے۔میں نے اسے ملائمت سے کہا کہ بیٹا سب چچا کے گھر میں ہیں،آپ بھی وہاں بیٹھ کر انتظار کرو۔اس نے نفی میں سر ہلایا،بولی کچھ نہیں۔اب جو پوتی کو غور سے دیکھا تو آنسوؤں سے چہرہ بھرا ہوا تھا۔میں نے اسے پیار سے دلاسہ دیا اور اپنے ساتھ ہی گھر میں لے آیا کہ چلو ایسے ہی دادی کو دیکھتی رہو۔ماہ نور کی طرح ہر بچے کی ایسی ہی ملتی جلتی کیفیات تھیں۔میرے ساتھ والا گھر عثمان کا ہونے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اس گھر کو تعزیت کے لیے آنے والی خواتین کے لیے مخصوص کر دیا گیا اور ہمارا اپنا گھر تعزیت کے لیے آنے والے مردوں کے لیے کھول دیا گیا۔عثمان کی بیوی نادیہ نے سوگ کے ان ایام میں اپنے معمول سے کہیں زیادہ کام کیا۔ویسے دیگر بہو بیٹیاں بھی ساتھ تھیں اور سب نے اپنی اپنی ہمت کے مطابق کام کیا۔

اپنے انتیس سال پہلے لکھے گئے خاکے میں مبارکہ کی رقیق القلبی کا ذکر کر چکا ہوں۔کسی کی شادی ہو،لڑکی کی رخصتی پر مبارکہ زاروقطار روتیں۔یہ سلسلہ آخر دم تک قائم رہا لیکن ایک بار تو حد ہی ہو گئی۔بڑے بیٹے شعیب کی شادی تھی۔بارات لے کر گئے۔جب دلہن کی رخصتی کا عمل شروع ہوا تو مبارکہ نے بھی حسبِ عادت زاروقطار رونا شروع کر دیا۔شاید یہ عادت انہیں اپنے ابو اور میرے ماموں پروفیسر ناصر احمد صاحب سے ورثہ میں ملی تھی۔رخصتی کا پنجابی کا ایک پرانا گانا ہے:

مدھانیاں!

ہائے او میرے ڈاڈھیا ربا کنہاں جمیاں،کنہاں نے لے جانیاں

یہ گانا جب بھی لگایا جاتا ماموں ناصر کی آنکھیں تر بتر ہو جاتیں۔

مبارکہ کو ہفتہ میں تین دن ڈایلیسز کی مشقت اٹھانے کے ساتھ ''روئے ما'' کی بیماری کا مسئلہ بھی تھا اور دل کی پانچ بار انجیو گرافی / پلاسٹی بھی ہو چکی تھی۔طبی نکتۂ نگاہ سے وہ ۹۰ فی صد

معذور تھیں۔ان کے لیے وہیل چیئر گھر پر موجود تھی۔سانس لینے میں کسی تکلیف کی صورت میں آکسیجن کا سلنڈر بمعہ متعلقہ کیمیکلز ہمہ وقت گھر پر دستیاب تھے۔لیکن مجال ہے مبارکہ نے کبھی اپنی کسی بیماری کو خود پر حاوی ہونے دیا ہو۔کہیں جانا ہوا اور وہاں دور تک چلنا ہو تو تب وہیل چیئر گاڑی میں رکھوالی جاتی تھی ورنہ اس کا کوئی مصرف نہیں تھا۔ڈایلیسز والے تین دن نڈھال ہو جاتی تھیں لیکن چند گھنٹے کے مکمل آرام کے بعد شام تک پھر چوکس ہو کر اٹھ جاتیں اور گھر کے کام کاج میں لگ جاتیں۔ہفتہ اور اتوار کے دنوں میں کوئی نہ کوئی بچہ دستیاب ہو جاتا اور مبارکہ اسے ساتھ لے کر خریداری کا شوق پورا کر لیتیں۔منگل اور جمعرات کے دن ڈایلیسز سے چھٹی کے دن ہوتے تھے،چنانچہ ان دنوں میں خود ہی اکیلی خریداری کرنے چلی جاتیں۔یہ معمولات اس حقیقت کا اظہار ہیں کہ ۹۰ فی صد معذوری کے باوجود مبارکہ نے خود کو سو فیصد فٹ اور متحرک رکھا ہوا تھا۔

۱۹۹۷ء سے مبارکہ نے یہاں کمیٹی ڈالنے کا پاکستانی طریق شروع کر رکھا تھا۔یہ کمیٹی بڑھتے بڑھتے بیس ماہ تک پھیل گئی تھی۔۲۰۰۸ء تک تو میں نے اس کمیٹی کے معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔لیکن ۲۰۰۹ء میں جب مبارکہ کی بیماریاں سنگین صورت اختیار کر گئیں تو پھر میں نے انہیں ایک دو بار سمجھایا کہ اپنی صحت پر توجہ دینا ضروری ہے۔کمیٹی بیس مہینوں پر محیط ہے اور اسے سنبھالنا مشکل ہو سکتا ہے۔لیکن مبارکہ نے میرے کسی اشارے کو یا تو سمجھا نہیں یا جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا اور مزید مسلسل دس سال تک کمیٹی ڈالنے کا سلسلہ جاری رکھا۔لیکن اس سال مارچ میں جب کمیٹی مکمل ہوئی تو مبارکہ نے مزید کمیٹی ڈالنے سے معذرت کر لی۔کیا مبارکہ کا یہ فیصلہ بھی کوئی اشارا تھا؟اللہ ہی جانے!

اس ڈیجیٹل دور کے بچوں کے دو قصے بھی بیان کر دوں۔مبارکہ کی تدفین کے دوسرے دن میں نے مبارکہ کے واٹس ایپ سے اپنی طرف قبرستان کا ایڈریس بھیجا اور دونوں چھوٹے پوتوں شایان اور شیراز کو دکھایا کہ دیکھو دادو نے اپنا ایڈریس بھیجا ہے۔شایان اس پر بہت حیران ہوا لیکن شیراز جو شایان سے ایک سال چھوٹا ہے وہ کچھ تذبذب میں پڑ گیا۔اس دوران میں نے چھوٹی بیٹی کو مبارکہ کا موبائل دے دیا اور پھر جیسے مبارکہ سے چیٹ کرنے لگا۔جیسے ہی مبارکہ کی طرف سے

جواب لکھنے کا نشان ظاہر ہوا، شایان ایک دم چلایا کہ دادو جواب لکھ رہی ہیں اور پھر مغموم سا ہو کر صوفے پر دھم سے گر گیا اور آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ لیے۔ جبکہ شیراز اَڑ گیا کہ نہیں یہ دادو نہیں لکھ رہیں کوئی اور لکھ رہا ہے۔ شایان کی گھبراہٹ اور پریشانی دیکھ کر پھر سب کو بتا دیا کہ واٹس ایپ پر دادو نہیں بلکہ پھوپھو لکھ رہی تھیں۔ دادو تو اللہ میاں کے پاس جا چکی ہیں۔ بعد میں شایان نے اپنے پاپا (ٹیپو) سے کہا کہ اگر سچ مچ دادو لکھ رہی ہوتیں تو میں نے سوچ لیا تھا کہ قبرستان میں جا کر قبر کھود کر انہیں نکال لاؤں گا اور یہ کہتے ہوئے وہ رو رہا تھا۔

دوسرا قصہ میری اکلوتی نواسی عنایہ اور نواسے (پروفیسر) ساحل کا ہے۔ دونوں کی عمریں سات سال اور چھ سال ہیں۔ دونوں مل کر گفتگو کر رہے تھے کہ نانو کا موبائل فون کون لے گا؟۔ نانا ابو کے پاس تو پہلے ہی لیپ ٹاپ بھی ہے، ٹیبلٹ بھی ہے اور سفید رنگ کا موبائل فون بھی ہے۔ اس پر کچھ غور کرنے کے بعد نواسی نے کہا کہ نانو کا فون تو نانا ابو ہی لیں گے۔ اس پر ساحل نے سوال اٹھایا کہ پھر نانا ابو اپنے سفید موبائل فون کا کیا کریں گے۔ اپنی تمام تر معصومیت کے باوجود دونوں بچے ہی کہیں یہ چاہ رہے تھے کہ ان میں سے کوئی ایک آدھ موبائل تو ہمیں مل جائے۔

مبارکہ نے مجھے ہمیشہ محبت اور احترام کے ساتھ مخاطب کیا ہے۔ لیکن کبھی کبھی بے تکلف بھی ہو جایا کرتی تھیں۔ محبت، احترام اور بے تکلفی کا یہ ادلتا بدلتا رویہ شروع سے ہی رہا ہے۔ شروع شروع میں جب بیٹے بھی گھر میں موجود ہوتے تھے تو میں سمجھ نہیں پاتا تھا کہ بیٹے سے مخاطب ہیں یا مجھ سے۔ ایک بار تو مبارکہ کی آواز پر میں نے اور ایک بیٹے نے ایک ساتھ ہی جواب دیا تو معلوم ہوا کہ میری ہی طلبی ہوئی ہے تب مجھے کہنا پڑا کہ مبارکہ بیگم! بے شک ایسے ہی بلائیں مگر اتنا فرق واضح کر لیا کریں کہ اندازہ ہو جائے کہ خاوند کو بلایا ہے یا بیٹے کو۔ مبارکہ کا انداز تو وہی رہا، میں نے ہی اپنی ذہانت سے باپ یا بیٹا کے لطیف فرق کا اندازہ کر لیا اور پھر مجھے یہ الجھن نہ رہی کہ کس کی طلبی ہوئی ہے۔

قرآن شریف میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ زندگی بھر مبارکہ میرے لیے لباس بھی تھیں اور فل اوور کوٹ بھی۔ لیکن گزشتہ چند برسوں سے ان کا طرزِ عمل ایسا تھا

کہ جیسے وہ جان بوجھ کر میرے پائے جامہ کو ہلکا سا نیچے کی طرف کھینچتی ہوں۔ میں عجلت میں نیفے کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے انہیں سمجھاتا کہ آجکل کے پائے جاموں میں ناڑا نہیں ہوتا، الاسٹک ہوتا ہے۔ لیکن مبارکہ شرارتی موڈ میں مسکراتے ہوئے پھر بھی ہلکا سا جھٹکا دے دیتیں۔ مقصد ''ناڑا نکالنا'' نہیں تھا بلکہ صرف مجھے الرٹ رکھنا ہوتا تھا کہ میں اب دل کا مریض ہوں اور مجھے اب ہر طرح احتیاط کرنی چاہئے۔

ہمارے رشتے کو ختم کرانے کی کوشش کرنے والے ہر دور میں متحرک رہے اور ہر دور میں ناکام و نامراد رہے۔ واضح ناکامیوں کے باوجود طاقت کے گھمنڈ میں بعضوں نے تو اپنی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ مرتے دم تک جاری رکھا لیکن ایسے لوگوں کا انجام بھی ہم دونوں میاں بیوی نے مل کر دیکھا۔ طاقت اور دولت کے باوجود ایک بیٹی نے دو شادیاں کیں، دونوں ناکام، ایک نے تین شادیاں کیں اور تینوں ناکام۔۔۔۔ مبارکہ تو ایسی خبروں پر مغموم اور ملول ہو جاتیں اور توبہ استغفار کرتیں لیکن سچی بات ہے مجھے بچیوں سے ہمدردی کے باوجود طاقت کے گھمنڈ کو خاک میں ملتے دیکھ کر ہمیشہ خوشی ہوتی۔ **فاعتبرو یا اولی الابصار**

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے فضل و کرم اور ماں باپ کی دعاؤں کے بعد میری ساری طاقت، میری ساری کامیابیاں مبارکہ کے دَم سے تھیں۔ میں زندگی میں انہیں اتنی خوشیاں نہیں دے سکا جتنا انہوں نے میری وجہ سے دکھ اُٹھائے ہیں۔ ان دکھوں سے وہ کبھی کبھی اداس ضرور ہوتی رہیں لیکن مجھ سے کبھی شکوہ نہیں کیا۔ بس دعا اور بہادری کے ساتھ مصائب کا سامنا کرتی رہیں اور ہمیشہ میری ڈھال بنی رہیں۔ کوئی ایسی ڈھال کا تصور کر سکتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے لیے ۱۹۸۷ء سے ۲۰۱۹ء تک ہر جمعہ کو ایک ہی خاص دعا کر رہی ہے اور ۲۰۱۵ء سے پہلے کسی کو اس کی بھنک تک نہیں پڑتی۔ ہے دنیا میں کوئی اور ایسی بیوی؟

دس سال پہلے ۲۰۰۹ء میں، میں نے ''کھٹی میٹھی یادیں'' کے باب ''لبیک اللھم لبیک'' میں لکھا تھا:

''فروری والی بیماری کے دوران میں نے اسے بڑے رسان سے کہا تھا کہ مبارکہ بیگم! آپ زیادہ فکر مت کریں، میں پہلے چلا گیا تو جاتے ہی آپ کو بلوا لوں گا۔ آپ پہلے چلی گئیں تو میں بھی زیادہ دیر یہاں

نہیں رہوں گا، آپ کے پیچھے پیچھے ہی چلا آؤں گا۔''

میں اپنے وعدے پر قائم ہوں بس اللہ میاں سے دعا ہے کہ مجھے اتنی مہلت ضرور دے دیں کہ ''پسلی کی ٹیڑھ'' کا یہ دوسرا حصہ لکھنے کے بعد کتاب ''حیاتِ مبارکہ حیدر'' کو مکمل کر کے چھپوالوں۔ کیونکہ یہ میرا تعمیر کردہ ''قلمی تاج محل'' ہے۔ میں اپنی استطاعت اور توفیق کے مطابق یہی کچھ کر سکتا تھا سو کر رہا ہوں۔ پھر جو اللہ کی مرضی۔۔۔۔میری طرف سے کوئی انکار نہیں ہے۔

میرا آخری وقت جب بھی آئے، اللہ کی مرضی ہے لیکن مجھے معلوم ہے کہ میرے آخری وقت میں مجھے کسی کے بے تکلفانہ پکارنے کی کوئی جانی پہچانی سی آواز سنائی دے گی، یہ واضح نہیں ہوگا کہ پکارنے والی شوہر کو پکار رہی ہیں یا بیٹے کو۔

یہ پکارنے والی مبارکہ بھی ہوسکتی ہیں، میری امی بھی ہوسکتی ہیں اور ہوسکتا ہے کہ جب دوسری دنیا میں پہنچوں تو معلوم ہو کہ امی اور مبارکہ دونوں نے مل کر مجھے پکارا تھا اور دونوں ہی میرے آنے کی منتظر تھیں!

مطبوعہ سنڈے میگزین۔روزنامہ نوائے وقت لاہور۔۲۸؍جولائی ۲۰۱۹ء۔۔پہلی قسط
مطبوعہ سنڈے میگزین۔روزنامہ نوائے وقت لاہور۔۴؍اگست ۲۰۱۹ء۔۔دوسری قسط

کنول رعنا نوشی (ملائیشیا)

''پسلی کی ٹیڑھ'' کا دوسرا حصہ پڑھنے کے بعد

آپ کا لکھا ہوا مضمون میں نے سارا پڑھ لیا۔اس مضمون نے واقعی مجھے رُلا دیا ہے۔ بہت زیادہ، جہاں مجھے باجی بہت زیادہ یاد آئیں وہیں ابو بھی بہت یاد آئے۔اور میں سوچتی رہی کہ عورت کی زندگی جتنی بھی ہوتی ہے نا، شوہر کے بغیر کوئی زندگی نہیں ہوتی اور میرے خیال سے باجی بہت خوش قسمت رہیں کہ آپ کا ساتھ انھیں اینڈ تک ملا۔ گو کہ آپ کو اشکبار چھوڑ گئیں لیکن کسی ایک کو تو پیچھے رہنا ہوتا ہے اور رونا ہوتا ہے۔اسے تنہائی محسوس کرنا ہوتی ہے۔تنہا رہنا ہوتا ہے آخر میں۔لیکن اتنی اچھی خوشگوار زندگی آپ لوگوں کی گزری اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ساتھ گزری۔ یہ اللہ تعالیٰ کا یقیناً بہت بڑا فضل تھا۔

آپ کے مضمون سے مجھے پتہ چلا کہ باجی کی ڈیتھ کس طرح ہوئی تھی۔اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔آمین۔باجی نے سب کے ساتھ بہت اچھا وقت کاٹا، بہت پیار محبت کرنے والی تھیں۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ باجی کے پاس ہم جب بھی آئے نا، اتنی محبت سے اتنے پیار سے ۔۔۔گرمیوں کے دن ہیں تو اسی وقت شربت بنا کے لانا۔کھانے کا وقت ہے تو فوراً کھانا دینا۔ اگر چائے کا ٹائم ہے تو چائے کے ساتھ اتنا کچھ لا کے رکھ دیتی تھیں جیسے کوئی بہت دور سے مہمان آئے ہوں۔حالانکہ ہم بھی تو ادھر قریب ہی رہتے تھے۔لیکن باجی نے ہمیشہ بہت پیار کیا۔

مجھے یاد ہے کہ جب ریحان چھوٹا تھا، اور ریحان جب بھی آتا تھا نا، تو باجی اسے پیار کرتیں اور پھر گانا گانا شروع کر دیتی تھیں کہ ''آج دولہا بنیں گے ریحان بھیا'' اور ریحان بھی یہ سن کر بہت خوش ہوا کرتا تھا۔میرے سامنے وہی اپنی باجی ہیں۔وہ سارا وقت جو ساتھ گزرا مجھے بہت یاد آتا ہے۔بس دوبارہ ملنا نصیب میں نہیں تھا۔میری بڑی خواہش تھی کہ کاش میں ان کی زندگی میں ان

کے پاس جاؤں اور پھر وہ ساری باتیں شیئر کروں کہ باجی میں آپ کو کتنا مِس کرتی رہی۔

بھائی! آپ اتنی اچھی تحریر لکھ کیسے لیتے ہیں؟ آپ نے سب کچھ نکال کر سامنے رکھ دیا ہے۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا قسم سے کہ باجی نے بہت اچھی دعا مانگی کہ یا اللہ مجھے پہلے اُٹھا لینا، میرے میاں کو کچھ نہ کہنا۔ یہ ضروری ہوتا ہے ورنہ عورت کی تنہا زندگی جس طرح گزرتی ہے نا وہ بہت مشکل ہوتی ہے۔ بچے بھی ساتھ ہوں تب بھی بہت مشکل ہوتی ہے۔ شکر ہے باجی نے ایک اچھی زندگی گزاری۔

میرے پیارے بھائی! آئی لَو یو۔۔۔نوشی بہنا، آپ کی چھوٹی بہنا آپ سے بہت پیار کرتی ہے۔ یقین جانئے مجھے اپنی فیملی میں اگر کوئی کزنز پسند تھے تو وہ باجی تھیں یا آپ تھے۔ ورنہ اپنے دادکوں میں مجھے کوئی بھی اتنا اچھا نہیں لگا۔ آپ اور باجی مبارکہ بے مثال تھے۔ پتہ نہیں آپ لوگوں کو کبھی محسوس نہ ہوا ہو لیکن مجھے آپ دونوں سے بہت زیادہ پیار تھا۔ باجی وحیدہ سے بھی مجھے بہت زیادہ پیار تھا لیکن آپ اور باجی مبارکہ یقیناً بالکل مختلف تھے۔ اللہ تعالیٰ باجی کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

میری خواہش ہے کہ کاش اب باجی مجھے خواب میں ہی نظر آجائیں۔

مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔

''پسلی کی ٹیڑھ'' کے نئے حصہ کی دو اقساط پڑھنے کے بعد

شازیہ ملک (جرمنی) جزاک اللہ، دونوں مضامین بہت جامع اور متاثر کن تھے۔ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ رو رو کر پڑھے۔ میرے ساتھ ان کا بہت محبت کا تعلق تھا۔ میرا دل یقین نہیں کرتا کہ وہ اب ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ ہمیشہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابھی فون کر کے کہیں گی تم نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ باجی مبارکہ آپ نے ہم سب کو اداس چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں اعلیٰ مقام دے۔ **اللھم اغفر لہ و رحمہ و رفع درجتہ فی اعلیٰ علیین**

(آخری وقت پر موصولہ تاثرات)

''پسلی کی ٹیڑھ'' پر ملنے والے چند اہم تاثرات

(نوٹ: یہ خاکہ سنڈے میگزین روزنامہ نوائے وقت میں دو قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ اس پر جن احباب نے دونوں قسطوں پر الگ الگ تاثرات بھیجے، انہیں ان کے نام کے ساتھ ایک ہی جگہ پر ہلکا سا وقفہ دے کر شامل کیا گیا ہے۔ (ح۔ق)

راحت نوید (امریکہ) آپ دونوں کی زندگی اور بھابی کی وفات کسی افسانوی محبت کی داستان سے کم نہیں۔ بھابی بہت خوش قسمت تھیں جنہیں زندگی میں تو آپ کی تحریروں میں جگہ ملتی ہی رہی اور اب وفات کے بعد بھی آج تک آپ ان کی یادوں اور باتوں کو احاطۂ تحریر میں لا رہے ہیں مضمون بہت ہی خوبصورت پیرائے میں لکھا ہے۔ آپ کی تحریر محض لفاظی نہیں۔ دل اداس کر دیا آپ نے۔

پروفیسر عبدالرب استاد (گلبرگہ) ماشاء اللہ، تین دَہائیوں کے بعد بھی یہ تسلسل قائم ہے۔ اور سچے جذبات کا اظہار۔۔۔کیا کہنے ہیں۔ اللہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر وسیم انجم (اسلام آباد) آپ کا مضمون بہت اچھا ہے۔۔۔۔ ماشاء اللہ، بہت خوب۔۔۔آپ نے اپنی یادوں کو خاکہ میں بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں بھابی بہت خوش قسمت ہیں کہ مر کر بھی امر ہوگئی ہیں۔

ڈاکٹر رضیہ حامد (بھوپال) بہت اچھی تحریر ہے۔ بہن مبارکہ پر اللہ کی خصوصی رحمت تھی۔ برگزیدہ خاتون تھیں۔ اللہ ان کی مغفرت کرے، آمین۔ اگلی قسط کا انتظار ہے۔

نعیم الرحمٰن (کراچی) آج صبح ہی نوائے وقت میں تحریر پڑھی تھی۔ دل سے لکھی تحریر نے دل پر اثر کیا۔ اللہ آپ کو لمبی زندگی عطا کرے۔ آمین۔

محمود قریشی (خان پور) عجب دل فگار مضمون ہے، کیا بات ہے حیدر صاحب! ہمیں بھی ہلا کر رکھ دیا

ہانی السعید (مصر) ماشاءاللہ۔۔۔آپ کی یہ سرگرمیاں دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر ریاض اکبر (آسٹریلیا) یاد کی دولت۔۔۔پڑھا ہے۔وعدہ نبھا رہے ہیں آپ۔

صادقہ یوسف (امریکہ) میں نے کل پڑھا بھی ہے اور خولہ کو بھی سنایا ہے۔ایک چیز کی مجھے حیرت ہوئی ہے، آپ نے جو لکھا نا کہ ہم دونوں نے کبھی ایک دوسرے کا جوٹھا نہیں کھایا، میرا ریکارڈ بھی آخر تک یہی ہے۔میں نے بھی کبھی نہ اُن کو اپنا جوٹھا دیا اور نہ ان کا جوٹھا کھایا اور نہ ہی بچوں کا۔یہ بالکل ملتی جلتی بات ہے۔

طیبہ حنا (امریکہ) مضمون پڑھا، بہت اچھا لگا۔کئی باتیں پتہ چلتی ہیں۔کبھی اتنا رابطہ نہیں رہا لیکن ایسا لگتا ہے کہ جیسے سب جانتی ہوں۔آپ دونوں کی محبت مثالی ہے۔اچھا لگا۔

امتہ النصیر راجپوت (جرمنی) ناشتہ کرنے سے پہلے خاکہ پڑھا ہے۔پڑھتی رہی اور روتی رہی ہوں

احمد حسین مجاہد (ایبٹ آباد) بہت پہلے جب آپ ایبٹ آباد میں تھے، ایک مشاعرے میں آپ سے سرسری ملاقات ہوئی تھی۔اس مشاعرے میں آپ نے اپنا کلام نہیں سنایا تھا بس خاموشی سے اپنی نشست پر بیٹھے ہوئے سب کو سن رہے تھے یا شاید یہ جتا رہے تھے کہ آپ سن رہے ہیں۔ آج آپ کے خاکے کا یہ دوسرا حصہ پڑھتے ہوئے مجھے ایسا لگا جیسے آپ آج بھی خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، کوئی نظم نہ غزل۔۔بس خاموشی۔۔۔آپ ذرا نہیں بدلے۔انتیس سال بعد بھی آپ کے جذبے کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی۔یہ شاید بھابی کی مبارک رفاقت کا اثر ہے۔۔۔بہر طور

یہ خاکہ اور اس کا ہر لفظ اس بات کی عکاسی کر رہا ہے کہ آپ نے مبارکہ بھابی کی رفاقت میں جو وقت گزارا ہے آپ ساری زندگی اس کے سحر میں رہیں گے۔۔۔۔۔"پسلی کی ٹیڑھ" کا یہ آخری حصہ بھی پڑھ لیا۔تین چڑیاں، قبر کے پھول اور پکارے جانے کی مدھم آوازیں۔۔۔یہ سب کچھ پڑھ کر دل بہت اداس ہو گیا ہے۔خاکے کی روانی نے کہیں دم نہیں لینے دیا۔پڑھتا ہی چلا گیا۔دعا ہے کہ اللہ بھابی کے درجات بلند فرمائے۔آمین

ڈاکٹر قمر النساء (گلبرگہ) اتنا تو بڑا زبردست ہے۔پورا پڑھنے کا ایکسائیٹ منٹ ہے۔پورا پڑھ کر کمنٹ کروں گی۔۔۔۔واقعی دل چھو لینے والی تحریر ہے۔پھولوں کا گرنا اور چھتری کا گرنا یہ سب عام سا اتفاق لگتا ہے مگر آپ کی محبت اور جذبات کی شدت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس طرح اشارتاً آپ کو روک رہی ہیں۔اپنے پاس بیٹھنے کو کہہ رہی ہیں۔۔۔لاجواب۔۔۔

عظیم انصاری (کولکتہ) بہت خوب۔۔۔ہمیشہ کی طرح آپ کی تحریر کو چھو گئی۔مبارکباد!

سعید خان ملہی (جرمنی) واہ ماشاءاللہ۔۔۔حیرت انگیز واقعات پر مبنی مضمون ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ سب مناظر سامنے ہو رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔آمین۔

ثمینہ (جرمنی) ابھی پورا پڑھا، بہت زبردست الفاظ، بہت جامع اور ساتھ ہی بہت افسردہ بھی

زارا حیدر (بدین، سندھ) حیدر صاحب کے خاکے کا دوسرا حصہ پڑھا، مبارکہ حیدر کے نہ رہنے کا افسوس ہوا لیکن اس چیز کی خوشی ہوئی بہت کم مردوں میں یہ حوصلہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی شریکِ حیات کے لیے دل سے لکھیں۔حیدر صاحب نے یہ کام بخوبی انجام دے کے مثال قائم کی ہے۔اس کے لیے انہیں دلی مبارک باد!۔۔۔۔ماشاءاللہ۔۔۔آپ کتاب ضرور مکمل کریں

گے۔ان شاء اللہ۔۔۔۔کتابی صورت کا یہ تاج محل بہت ہی خوبصورت ہے۔۔۔مجھے اس تحریر میں جو سب سے پیارا لگا وہ پھولوں اور چھڑی کا گرنا ہے کیونکہ ان دونوں واقعات میں جو جذبات چھپے ہیں وہ دل سے دل کو راہ والے ہیں۔کمال ہے۔

صادق باجوہ (امریکہ)

Very good article expressed personal feelings and impressive incidents in simple words..........Good memories expressed in simple but affected manner

بشریٰ ملک (جرمنی) بے حد متاثر کن، سادہ اور سچی تحریر

پرویز مظفر (برمنگھم) بہت ہی جذباتی خاکہ ہے۔

عبدالشفیق (خان پور) مضمون پڑھتے ہوئے بہت جذباتی ہوتا رہا ہوں۔ابھی تک ہوں۔

نندکشور وکرم (دہلی) آپ کا مضمون ''پسلی کی ٹیڑھ'' پڑھا۔بہت اچھا لگا۔دل چاہا کہ آپ سے بات کی جائے مگر بدقسمتی سے میرے پاس آپ کا وٹس اپ نمبر نہیں تھا۔ازرہِ کرم اپنا وٹس اپ نمبر بھیجیں تا کہ بات چیت ہو سکے۔(رابطہ ہو گیا ہے۔ح۔ق۔)

نازیہ خلیل عباسی (ایبٹ آباد) بہت خوبصورت اور سچے جذبات کا نہایت سادگی اور خلوص کے ساتھ بہترین اظہار۔۔۔بہراچھا لکھا گیا۔جذبات کی شدت بے مثال ہے۔اللہ پاک سر حیدر کو صحت اور زندگی دے۔انسان کی یادیں ایک بہت قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں اور سر حیدر قریشی نے ان یادوں اور اپنے احساسات کو نہایت پُر اثر انداز میں قلمبند کیا ہے۔

اعظم اسماعیل (برمنگھم) جناب مضمون پڑھا۔۔۔انتہائی عمدہ پیرائے میں دلی کیفیات کا ذکر

ہے جو کہ قاری کو آخری حرف تک پڑھنے کے لیے کشاں کشاں لئے جاتا ہے۔

ڈاکٹر رضیہ اسماعیل (برمنگھم)

It is an emotional writing that evoked my own grief and deep feelings and I found hard to say anything more on it.

سہیل اقبال (کینیڈا) سادہ زبان اور جذبات سے بھرپور تحریر۔حیدر سر! پڑھ کر آنکھوں کے سامنے سارا منظر آ گیا۔بہت خوب۔

عائشہ (لندن) Very sad but Nice.

فوزیہ محمود (جرمنی) بہت خوب، دل کو چھونے والی تحریر، اگلی قسط بھی ضرور بھیجیں۔

انیقہ (ربوہ) بہت اچھا مضمون ہے۔آپ کی امی کی ساری باتیں مجھے بہت بہت اچھی لگیں۔خاص طور پر جمعہ کی دعا والی۔۔اور گانے والا واقعہ۔۔۔

کرن خالد (مانٹال، جرمنی) بہت پیاری باتیں ہیں، پڑھ کر بہت اچھا لگا۔اللہ تعالیٰ ہر میاں بیوی میں ایسا ہی پیار، عزت، احترام اور اعتماد والا رشتہ بنائے۔آمین۔

افسرا راہین (بلیاری، کرناٹک)

its really a good contribution to the society by your family members. good job sir!

ارشد خالد (اسلام آباد) حیدر صاحب کے لکھنے کا منفرد انداز ان کی تحریر میں دلچسپی کا ایک نمایاں سبب ہے۔

امتہ الرحمٰن ڈولی (جرمنی) زبردست، بڑی پیاری یادیں ہیں۔ماشاءاللہ

آنسہ حمید (لندن) بہت پیاری یادیں ہیں۔

کاشف حباب (اوکاڑہ) واہ زبردست سر! بہت خوبصورتی کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔

رشید ندیم (کینڈا) اچھا لکھا ہے، بہت اچھا لکھا ہے۔

فیصل عظیم (کینڈا) بہت شکریہ۔مضمون بہت اثر اور کیفیت سے بھرپور ہے۔

اسحاق ساجد (جرمنی) سارا مضمون ہی خوبصورتی سے لکھا گیا ہے۔آخر تک پوری گرفت میں رکھا،لیکن آخری چند الفاظ تو اس قدر خوبصورت ہیں کہ یہ بس آپ ہی لکھ سکتے تھے۔میری طرف سے اتنا اچھا اور خوبصورت مضمون لکھنے پر تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔لیکن پھر بھی اتنا تو کہوں گا۔۔دلی مبارکباد۔۔۔

ڈاکٹر جہانگیر احمد (دہلی) ''پسلی کی ٹیڑھ'' خاکہ کا دوسرا حصہ پڑھا۔خاکہ کے نام کے ساتھ ہی عورت کی تخلیق کا اسلامی فلسفہ ذہن میں تازہ ہو گیا کہ اللہ نے ماں حوّا کو بابا آدم کی پسلی سے پیدا کیا تھا اور اس سے جڑی باقی ساری تفصیلات بھی۔

یہ خاکہ آپ دونوں کی ازدواجی زندگی اور دونوں کا ایک دوسرے کے لیے عزت و احترام کا ایک مثالی نمونہ ہے۔یہ آپ کا آپ کی اہلیہ سے جدائی کا درد بھی ظاہر کرتا ہے۔۔۔۔اچھا ہوا جو آپ نے سورہ یاسین اور سورہ صافات کی بات بتادی۔کتنے ہی اپنی دعا میں اب یہ طریقہ استعمال کر سکیں گے۔دعا ہے کہ آپ صحت و تندرستی کے ساتھ ہزاروں سال جئیں اور ہمارے لیے یوں ہی اچھی تخلیقات قلم بند کرتے رہیں۔

حیدر قریشی

کچھ اور یادیں، کچھ اور باتیں

مبارکہ کی یادوں اور باتوں کا سلسلہ جاری ہے۔جہاں ادبی احباب نے اپنے تبصروں،مضامین اور تاثرات سے نوازا ہے وہیں بعض عزیز واقربا نے بھی اپنے بے ساختہ جذبات کا اظہار کیا ہے۔پانچوں بچوں کی اپنی اپنی یادوں نے بھی سماں باندھ دیا۔میرے ۲۹ سال پہلے لکھے گئے خاکہ ''پسلی کی ٹیڑھ'' کے دوسرے حصہ کے بروقت لکھے جانے اور روزنامہ ''نوائے وقت'' کے سنڈے میگزین میں دو اقساط میں اہتمام کے ساتھ چھپنے سے اسے وسیع پیمانے پر پڑھا گیا اور قارئین نے اس پر اپنے تاثرات سے بھی نوازا۔مذکورہ بالا سارے سلسلہ نے تحریک کی تو مبارکہ کی کچھ اور یادیں، کچھ اور باتیں بھی ذہن میں آنے لگیں۔سو مزید جو تھوڑا بہت ذہن میں آرہا ہے، بیان کر دیتا ہوں۔

رضوانہ نے لکھا ہے:'' دادی جان کی طرح امی بھی لڑائی جھگڑے سے دور بھاگتی تھیں۔''
اسے پڑھنے کے بعد عثمان نے مجھ سے ذکر کیا کہ باجی نے تو اپنی بات صرف اولاد تک محدود رکھی ہے لیکن میں نے تو اپنی ساری زندگی میں امی کو کسی سے جھگڑا کرتے نہیں دیکھا۔نہ کسی ہمسائی سے، نہ کسی ملنے جلنے والی سے، نہ کسی رشتہ دار سے،کسی سے بھی امی کو جھگڑا کرتے نہیں دیکھا۔
عثمان کا یہ نکتہ دل کو لگا۔چنانچہ پھر میں نے سارے بچوں سے کہا کہ ذہن پر زور دیں کہ زندگی میں کبھی مبارکہ کو کسی سے،کسی سے بھی لڑتے جھگڑتے دیکھا؟۔۔۔۔سب کی طرف سے یہی جواب ملا کہ امی کو کبھی کسی کے ساتھ جھگڑا کرتے نہیں دیکھا۔پھر بعض قریبی عزیزوں سے یہی سوال کیا، وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ نہیں،کبھی جھگڑا کرتے نہیں دیکھا۔اور اب میں سارے عزیز و اقارب کے لیے یہ بات کہتا ہوں کہ کسی عزیز کو زندگی کے کسی مقام پر مبارکہ کا جھگڑالو عورت کا

روپ دیکھنے کا موقعہ ملا ہوتو ضرور بتائے۔ جھگڑوں اور فتنہ وفساد سے دور رہنے کی یہ ایک اہم اورقابلِ قدر خوبی ہے جو مبارکہ کے مزاج کا حصہ تھی۔ ہمارے محلوں کے ماحول میں خواتین کا لڑنا جھگڑنا عام معمول رہا ہے، پھر ہمارے اپنے رشتہ داروں میں بعض بڑی ''بہادر'' قسم کی خواتین رہی ہیں جو گندی زبان استعمال کرنے کے ساتھ مار پیٹ تک کرنے سے دریغ نہیں کرتی تھیں۔ایسی بزرگ خواتین سے بھی مبارکہ نے کوئی فیض حاصل نہیں کیا۔بس اپنی پھوپھی (میری امی) کی طرح اعراض،صبراور خاموشی کے ساتھ فتنہ وفساد سے گریز کرتی رہیں۔

گندی زبان کے معاملے میں بھی مبارکہ نے ہمیشہ محتاط زندگی گزاری۔ بلکہ اب یاد آرہا ہے کہ ایک زمانے میں مجھے پنجابی اسٹیج شو اور بعض اردو کامیڈی شو کافی پسند تھے۔شروع میں مبارکہ نے یہ سب تھوڑا سا دیکھا لیکن وہ جلد ہی ایسے پروگراموں سے متنفر ہو گئیں۔بعض شوز میں ذومعنی اور بعض میں کھلم کھلا فحش گوئی اتنی زیادہ تھی کہ مبارکہ ٹی وی والے کمرے سے ہی اُٹھ گئیں۔میں نے ایک آدھ بار اصرار کر کے بلانا چاہا تو ہنستے ہوئے کہنے لگیں ایسے پروگرام بچوں کے ساتھ تو کیا دیکھنا،میاں بیوی کا بھی ایک ساتھ دیکھنا غیر اخلاقی لگ رہا ہے۔۔۔۔۔ایسے پروگرامز میں قابلِ احترام رشتوں کی تضحیک بھی مبارکہ کو سخت ناپسند تھی۔اگر ہمارے کامیڈینز اپنے شوز میں ان دو بڑے عیوب پر قابو پالیں تو آج بھی وہ ورلڈ کلاس کامیڈی کر سکتے ہیں۔ٹی وی چینلز پر ایسے پروگرامز کے آجانے کے بعد ان عیوب پر کچھ قابو پایا گیا ہے لیکن ابھی مزید توجہ کی اشد ضرورت ہے۔اوراس کے ساتھ ہی یہ بات طے ہے کہ مبارکہ میں یہ بڑی اہم خوبی تھی کہ وہ خواتین کے روایتی جھگڑوں سے ہمیشہ دور رہیں اور کبھی مذاق میں بھی کسی کے ساتھ گندی زبان میں بات نہیں کی۔ہاں میرے ساتھ بے تکلفانہ کلام کرنا الگ معاملہ ہے،لیکن اس میں بھی کسی گندی زبان کے استعمال کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔جیسا کہ پہلے بھی لکھ چکا ہوں مبارکہ کی میرے ساتھ یہ بے تکلفی بس اتنی ہی ہوتی تھی کہ پتہ نہیں چلتا تھا بیٹے سے مخاطب ہیں یا شوہر سے؟

شعیب نے اپنی یادوں میں درست لکھا ہے کہ:

''ابو مجھے اپنی سلطنت کا ولی عہد کہتے تھے اورامی ابو کی سلطنت کا مذاق اڑایا کرتی تھیں۔''

میری بادشاہت اور میری سلطنت کا صرف مذاق ہی نہیں اُڑایا جاتا تھا بلکہ مبارکہ اس سلطنت کا حدودِ اربعہ ایسے انداز میں بیان کرنے لگتیں کہ جی چاہتا سب تخت وتاج چھوڑ کر کسی جنگل کی راہ لی جائے۔

مبارکہ نہانے کی بہت زیادہ عادی تھیں۔ ہر روز نہیں تو دوسرے روز ضرور نہاتیں۔ میں اس معاملہ میں کافی سست ہوں۔مبارکہ نہانے کا کہتیں تو میں بات بدل دیتا۔ایک بار جب زیادہ اصرار کیا تو میں نے انہیں جوگندر پال کے ناول ''پار پرے'' کا یہ اقتباس پڑھ کر سنایا۔

''تم ایک نہاتی بہت ہو بی بی''

''تم جو نہیں نہاتے بابا۔تمہارا نہانا بھی نہ نہالیا کروں تو تمہارے قریب کھڑا ہو کے سانس لینا بھی دشوار ہوجائے۔''

ایک بار مبارکہ نہا کر باتھ روم سے نکلیں، میں سامنے ڈرائنگ روم کے صوفہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ تولیہ سے سر کے بالوں کو خشک کرتی ہوئی مبارکہ بیگم کہنے لگیں۔ ''تُسّی وی نہالو۔''

میں نے اپنی لہر میں ہنستے ہوئے جواب دیا ''سُکّا ای؟''

اور پانچ بچوں کی ماں کچھ شرماتے، کچھ مسکراتے اور کچھ بڑبڑاتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

شادی کے شروع کے چند سال ہم لوڈو اور بارہ ٹہنی کھیلا کرتے تھے۔لیکن میں ہر بار مبارکہ سے ہار جاتا تھا۔مسلسل ہارنے کے نتیجہ میں ان گیمز سے بیزاری ہونے لگی اور میں مبارکہ کے ساتھ کھیلنے سے گریز کرنے لگا تو مبارکہ میری بے زاری کی وجہ کو بھانپ گئیں۔ چنانچہ ایک بار مبارکہ جان بوجھ کر گیم ہارنے لگیں۔تب میں نے کہا لوگ جیتنے کے لیے تو تھوڑی بہت ''بۓ مانی'' کر جاتے ہیں لیکن مبارکہ بیگم! آپ ہارنے کے لیے اتنی بڑی ''بۓ مانی'' کرنے لگی ہیں۔ یہ نہیں چلے گا۔ بہر حال پھر میں نے ان گیمز کے معاملہ میں مستقل طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔مبارکہ سمیت کسی سے بھی کھیلنا بند کر دیا۔

''پسلی کی ٹیڑھ'' کا دوسرا حصہ چھپنے کے بعد سارے عزیز واقارب، دوست احباب اور

ادبی قارئین نے نہ صرف تحریر کو سراہا بلکہ سنڈے میگزین میں اس کی پیش کش کے انداز کو بھی بہت پسند کیا۔صرف ایک عزیزہ نے ہلکا سا کہا کہ جب تحریر اتنی اچھی ہے تو ساتھ تصویریں چھپوانے کی کیا ضرورت تھی۔میں نے کہا کہ اس مسئلہ کے تین پہلو ہیں،میرے ساتھ ان پر گفتگو کر لیں۔وہ اس طرف تو نہیں آئیں لیکن میرا جی چاہ رہا ہے کہ اس مسئلہ پر اپنا موقف واضح کر دوں۔

ایک پہلو یہ ہے کہ تصویر کی شرعی حیثیت وہی ہے جو شراب کی ہے۔جب خانہ کعبہ سے بتوں کو توڑ کر نکالا گیا تب خانہ کعبہ کی دیواروں پر بنائی ہوئی تصویروں کو بھی صاف کر دیا گیا تھا۔ان تصویروں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت بی بی مریم کی تصویریں بھی شامل تھیں۔گویا تصویریں ہٹائی گئیں تو مردوزن سب کی ہٹائی گئیں۔میرے ایک دوست نے ایک بار اُس زمانے کی تصویر اور آج کے زمانے کی تصویر کے فرق کو واضح کیا کہ تب انسانی ہاتھوں سے تصویر بنائی جاتی تھی۔اب جدید ٹیکنالوجی کے باعث کیمرے سے بنائی جاتی ہے۔تب اس دوست سے میں نے عرض کی تھی کہ جو شراب منع کی گئی تھی وہ بھی انسانی ہاتھوں کی بنائی ہوتی تھی۔اب جدید ٹیکنالوجی کے باعث مشینوں کے ذریعے شراب تیار ہوتی ہے۔پھر اب مشینی تصویر کی طرح مشینی شراب کو بھی جائز قرار دے دیا جائے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ فی زمانہ جب بعض مذہبی رہنماؤں نے تصویر کے لیے گنجائش نکالی کہ بلادِ یورپ میں تصویر دیکھ کر رائے قائم کر لیتے ہیں کہ اس میں راستبازی اور قوت قدسی کہاں تک ہے؟

ایک خاص غرض کو جواز بنایا گیا لیکن بعد میں اس خاص غرض کو عام غرض کی تصویروں سے بھی زیادہ ارزاں کر دیا گیا۔ٹی وی چینلز نے تو سارے مذہبی رہنماؤں کو بھی اسکرین پر متحرک کر دیا۔اب کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ تصویر کی توسیع متحرک تصویر کی شرعی حیثیت کیا ہے اور یہ بھی نہیں کہا کہ کیمرے کے سامنے آنے سے پہلے مذہبی رہنماؤں کا میک اپ کرانا جائز ہے یا نہیں؟

تیسرا پہلو یہ ہے کہ زمانے کے بدلتے تقاضوں کے مطابق اگر تصویر کا جواز نکل ہی آیا ہے تو اس میں بھی سامنے کی بات ہے کہ ہر مردوزن کے سرکاری وغیر سرکاری دستاویزات میں،شناختی کارڈ، پاسپورٹ،انشورنس کارڈ،غرض ہر ڈاکومنٹ میں مرد ہو یا عورت ہر ایک کی تصویر سجی ہوئی ہے۔یہ

کوئی چھپی ہوئی تصویریں نہیں ہیں۔اگر یہاں تک ساری خواتین کی تصویریں موجود ہیں تو کسی اخبار یا رسالے میں کسی خاص موقعہ پر کسی خاتون کی تصویر چھپنے میں کیا حرج ہے۔

آپ شف شف کہہ رہے ہیں،خیر ہے کہتے رہیے۔ہم صاف صاف شفتالو کہہ رہے ہیں، اس کا بھی برا مت منائیے۔کل تک سینما کو شرمناک برائی سمجھنے والے مذہبی طبقے،آج دیکھ رہے ہیں کہ اب ہر مردوزن کی مٹھی میں پوری دنیا کے ماضی وحال کا پورا سینما موجود ہے۔لیکن مجال ہے کسی نے اس کا نوٹس لیا ہو۔خواتین کی تصویر کا معاملہ بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔

مبارکہ ذاتی طور پر پردہ کرتی تھیں۔لیکن اس میں چہرہ کھلا رہتا تھا۔ان کی تصویریں ۱۹۹۱ء سے چھپ رہی ہیں۔پاکیزہ رسالے میں،میرے انٹرویوز کی کتاب میں،کتاب ''ہماری امی مبارکہ حیدر'' کے سرورق پر،مبارکہ کے جی میل اور وٹس ایپ اکاؤنٹس میں۔۔۔۔میری انٹرنیٹ البم میں۔۔۔وہ اپنے پردے کے باوجود ان تصویروں کو دیکھ کر خوشی محسوس کرتی تھیں۔خوش ہوتی تھیں۔اور اب بھی ان کی تصویریں چھپ رہی ہیں تو کسی کو برا منانے کی ضرورت نہیں ہے۔

میں شروع سے اب تک مسلسل لکھتا آیا ہوں،کہتا آیا ہوں کہ مبارکہ سے میرے سارے تعلق کی بنیاد میری امی سے مشابہت ہونے اور ان کی بھتیجی ہونے پر استوار ہے۔یہ رشتہ جتنا مستحکم اور کامیاب ہوا اس میں مبارکہ کی وہ ساری خوبیاں کام آئیں جو ان میں پہلے سے موجود تھیں اور جو میری امی کے ذریعے ان میں مزید پختہ ہوئیں۔اسی طرح میری پیدائش سے پہلے کے اباجی کے دو خواب جنہیں میں صراحت کے ساتھ بہت پہلے سے،لگ بھگ ۳۲/۳۳ سال پہلے سے لکھتا آ رہا ہوں۔ان کے دو پہلو تھے۔ایک میری ادبی ترقی سے متعلق اور ایک میری گھریلو زندگی سے متعلق۔ میں اس وقت جتنا بھی شاعر اور ادیب ہوں اور مجھے اس کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے جتنی عزت اور پذیرائی مل چکی ہے،اس کے پیشِ نظر میں اب اقرار کرتا ہوں کہ اباجی کا خواب شہرت کے معنی میں پورا ہو چکا۔یعنی ایک درخت جس کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور اباجی اس درخت کے اوپر کھڑے ہوئے ہیں۔اب مجھے مزید کوئی پذیرائی نہ ملے تب بھی جو کچھ اب تک مل چکا ہے اور ادب کی تاریخ کے ریکارڈ پر آ چکا ہے وہی اباجی کے خواب کی صداقت کا کافی ثبوت ہے۔میں

ان یادوں کے بعد اپنی اب تک کی علمی و ادبی پیش رفت کی ایک جھلک الگ سے دے رہا ہوں تا کہ اندازہ کیا جا سکے کہ ابا جی کا خواب ادبی حوالے سے کس شان سے سچ ہو چکا ہے۔

اس کے ساتھ ہی گھریلو زندگی کے حوالے سے بھی مجھے اللہ نے یہ اعزاز بخشا کہ بڑا بھائی ہونے کے باعث بھی اور اوائل عمری میں شادی ہو جانے کے باعث بھی باقی چاروں بھائیوں سے پہلے مجھے چار پوتے، چار پوتیوں، پانچ نواسوں اور ایک نواسی سے نواز دیا ہے اور اب ان کی اگلی نسل کی آمد کے بھی امکان روشن ہیں۔مبارکہ ان سب کی دادی/نانی ہیں۔الحمدللہ۔ گویا ابا جی کا وہ خاندان جو دو بیٹوں کے پل صراط پر چلتا آ رہا تھا، اسے اب پڑپوتوں تک اللہ نے نواز دیا ہے۔اور ابا جی کے خواب کی تعبیر کے دونوں پہلوؤں میں مبارکہ کا کردار بے حد اہم ہے۔میری ادبی سرگرمیوں میں مبارکہ نے نہ صرف دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح میری مدد کی بلکہ میری مسلسل حوصلہ افزائی بھی کی۔سو میری ادبی ترقیات کے سلسلے میں مبارکہ کے اہم کردار کی اہمیت ظاہر و باہر ہے۔اسی طرح ابا جی کی نسل کے آگے بڑھنے میں بھی مبارکہ کا قابلِ قدر حصہ شامل ہے۔یہ مبارکہ کا مبارک وجود ہی ہے جس کے ذریعے ابا جی کے خوابوں کی ہر پہلو سے تکمیل ہوئی۔

مبارکہ کے بارے میں یہ کتاب ترتیب دیتے ہوئے خیال آیا ہے کہ جیسے میں نے مبارکہ کے بارے میں زندگی بھر بہت کچھ لکھا ہے، ویسا ہی ابا جی اور امی جی کے بارے میں بھی بہت کچھ لکھ رکھا ہے۔اور اب یہ ارادہ کیا ہے کہ ''حیاتِ مبارکہ حیدر'' کی تکمیل کے بعد ابا جی اور امی جی کے بارے میں اپنی ساری تحاریر کو یکجا کروں گا اور انہیں الگ کتاب کی صورت میں شائع کروں گا۔مبارکہ پر یہ کتاب مرتب نہ کرتا تو شاید ابا جی اور امی جی پر کتاب مرتب کرنے کا خیال بھی نہ آتا۔یہ میرے کرنے کا کام تھا لیکن وفات کے باوجود مجھے مبارکہ نے یاد دلایا ہے۔جیتے جی بھی مبارکہ مجھے ہمیشہ یاد دلاتی تھیں کہ کل فلاں بزرگ کا یومِ وفات ہے یا کل فلاں بچے کی سالگرہ ہے اور اب مرنے کے بعد بھی انہیں کے ذریعے ابا جی اور امی جی پر کتاب مرتب کرنے کا خیال آیا ہے۔

مجھے یقین ہے مبارکہ آئندہ بھی کسی نہ کسی رنگ میں میرے ضروری کام مجھے یاد دلاتی رہیں گی!

پل صراط پر چلتا ہوا ہمارا خاندان اور ابا جی کے دو خواب

''ابا جی بتاتے تھے کہ ہمارے خاندان میں کئی پشتوں سے بیٹوں کی کمی چلی آ رہی تھی۔ایک بزرگ کے ہاں دو بیٹے ہوئے۔ان بیٹوں میں سے ایک کے ہاں اولاد نہ ہوئی اور دوسرے کے ہاں پھر دو بیٹے ہوئے۔ان میں سے بھی ایک کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی اور دوسرے کے ہاں پھر دو بیٹے ہوئے۔میاں میر محمد کے ہاں تین بیٹے پیدا ہوئے۔میاں سعید بے اولاد رہے۔میاں غوث محمد کے ہاں ایک بیٹا ہوا مگر اگلے مرحلے میں ان کی نسل بھی ختم ہو گئی۔میاں اللہ رکھا کے ہاں دو بیٹے ہوئے، بابا جی اور ابا جی۔۔بابا جی کے ہاں اولاد نہ ہوئی اور ابا جی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

ابا جی نے دو شادیاں کیں۔پہلی بیوی عزیز بی بی نے اس الزام کی بنیاد پر عدالت کے ذریعے طلاق لی کہ یہ شخص اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں۔پھر ابا جی کی شادی ہماری امی جی سے ہوئی اور یکے بعد دیگرے دس بچے پیدا ہوئے۔ پانچ بیٹے، پانچ بیٹیاں۔۔عزیز بی بی نے دوسری جگہ شادی کر لی مگر اولاد سے محروم رہی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میری پیدائش سے چند ماہ پہلے ابا جی نے یکے بعد دیگر دو خواب دیکھے تھے۔پہلا خواب یہ تھا کہ ایک بڑا اور گھنا درخت ہے جس کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ابا جی اس درخت کے اوپر عین درمیان میں کھڑے ہوئے ہیں۔یہ خواب سن کر ابا جی کے ایک دوست روشن دین صاحب نے کہا کہ آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جو.....

دوسرا خواب یہ تھا کہ لمبے لمبے قد والے بہت سارے لوگ ہیں جو اپنے ہاتھ بلند کر کے ''حیدر۔۔حیدر'' کے نعرے لگا رہے ہیں۔ان دونوں خوابوں کے چند ماہ بعد میری پیدائش ہوئی۔ابا جی نے اپنے مرشد کو خط لکھا کہ بیٹے کا نام تجویز فرما دیں۔مرشد کو ابا جی کے خواب کا علم نہیں تھا۔انہوں نے مجھے حیدر بنا دیا۔مگر ابا جی کے دونوں خوابوں کی تعبیر کا ابھی تو دور دور تک کوئی نشان نہیں ملتا۔شاید حسن اتفاق تھا کہ میں پیدا ہو گیا اور حیدر نام رکھا گیا۔''

(''میری محبتیں'' میں شامل خاکے ''برگد کا پیڑ'' سے دو اقتباس)

اباجی کے خوابوں کی تعبیر کے ادبی پہلو کی تکمیل کے شواہد

انٹرنیٹ پر حیدر قریشی کی کتابوں کی دستیابی نہایت مربوط اور آسان،

شعری مجموعے

سلگتے خواب،۔۔عمرِ گریزاں،۔۔محبت کے پھول،۔۔دعائے دل،۔۔درد سمندر،۔۔زندگی،

نثری مجموعے

روشنی کی بشارت،۔۔۔قصے کہانیاں،(افسانے)۔۔۔میری محبتیں(خاکے)
کھٹی میٹھی یادیں،۔۔۔قربتیں،فاصلے(انشائیے)،۔۔۔ سوئے حجاز(سفرنامہ)

تحقیق و تنقید

حاصلِ مطالعہ،۔۔تاثرات،۔۔مضامین اور تبصرے،۔۔مضامین ومباحث
ستیہ پال آنند کی بودنی،نابودنی،۔۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور مابعد جدیدیت،
وزیر آغا عہد ساز شخصیت،

ماھیا کے حوالے سے تحقیق و تنقید

اردو میں ماہیا نگاری،۔۔۔اردو ماہیے کی تحریک،
اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما،۔۔۔اردو ماہیا،۔۔۔ ماہیے کے مباحث،

حالاتِ حاضرہ

منظر اور پس منظر،۔۔۔خبرنامہ،۔۔۔اِدھر اُدھر سے،۔۔۔چھوٹی سی دنیا،

حیدر قریشی کی مذکورہ بالا تمام کتابیں،الگ الگ کتاب کی صورت میں اس لنک پر دستیاب ہیں
http://my27books.blogspot.de/

انٹرنیٹ پر حیدر قریشی کی کتابوں کی پیش کش کا ایک اور انداز

چھ شعری مجموعے ایک جلد میں
''قفس کے اندر''
۱۵۲ صفحات کے عوامی ایڈیشن اور ۶۱۸ صفحات کے انٹرنیٹ ایڈیشن دونوں ساتھ ساتھ

افسانوں،خاکوں،یادوں،انشائیوں اور سفرناموں پر مشتمل چھ نثری مجموعے ایک جلد میں
''خواب کے اندر خواب''

اردو ماہیے کی تحقیق وتنقید پر مشتمل پانچ کتابیں ایک جلد میں
''اردو ماہیا تحقیق وتنقید''

علمی وادبی موضوعات پر چھ تنقیدی مجموعے ایک جلد میں
''ہمارا ادبی منظر نامہ''

پانچ شعری اور چھ نثری مجموعوں پر مشتمل میگزین سائز کتاب
''عمرِ لاحاصل کا حاصل''

مذکورہ بالا کلیات کی صورت میں حیدر قریشی کی کتابیں اس لنک سے لے سکتے ہیں۔
http://kuliat-library.blogspot.de/

حیدر قریشی کے فن کے حوالے سے مرتب کی گئی اور لکھی گئی کتابیں

اخبار وادبی رسائل کے نمبر اور گوشے اور یونیورسٹیوں کے دستیاب تحقیقی مقالات اس لنک پر
http://work-on-haiderqureshi.blogspot.de/

ادبی اعتراف

حیدر قریشی کے بارے میں لکھی گئی اور مرتب کی گئی کتابیں

۱۔حیدر قریشی فکر و فن مصنف:محمد وسیم انجم

(مطبوعہ۱۹۹۹ء) ناشر:انجم پبلشرز،کمال آباد نمبر۳،راولپنڈی۔پاکستان

۲۔حیدر قریشی فن اور شخصیت

مرتبین: نذیر فتح پوری اور سنجئے گوڑ بولے (مطبوعہ۲۰۰۲ء)

ناشر:اسباق پبلی کیشنز۔پُونہ،انڈیا

۳۔حیدر قریشی کی ادبی خدمات

مرتب:ڈاکٹر نذر خلیق (مطبوعہ۲۰۰۳ء) ناشر:میاں محمد بخش پبلشرز،خانپور،پاکستان

۴۔حیدر قریشی شخصیت اور فن۔۔۔منزہ یاسمین کا تحقیقی مقالہ کتابی صورت میں۔

اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور سے ایم اے اردو کا تحقیقی مقالہ۔سال ۲۰۰۲۔۲۰۰۰ء

ناشر:میاں محمد بخش پبلشرز۔خانپور۔پاکستان

۵۔حیدر قریشی سے لیے گئے انٹرویوز

مرتب:سعید شباب (مطبوعہ۲۰۰۴ء) ناشر:نظامیہ آرٹ اکیڈمی۔ایمسٹرڈیم۔ہالینڈ

۶۔ادبی کتابی سلسلہ عکاس حیدر قریشی نمبر۔۔۔مدیر و مرتب:ارشد خالد

ناشر:عکاس پبلی کیشنز،اسلام آباد (کتاب نمبر۴۔مطبوعہ اکتوبر۲۰۰۵)

۷۔حیدر قریشی کی شاعری مرتب:ہردے بھانو پرتاپ

ناشر:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔دہلی۔(مطبوعہ۲۰۱۳ء)

۸۔حیدر قریشی شخص و عکس مدیر و مرتب:ارشد خالد

ناشر:عکاس انٹرنیشنل اسلام آباد (۲۰۱۴)

۹۔حیدر قریشی کا ادبی سفر عامر سہیل کا ایم فل کا تحقیقی مقالہ کتابی صورت میں

ناشر: سقراط بکس۔ایبٹ آباد۔۲۰۱۵ء

حیدر قریشی پر ترتیب دیئے گئے گوشے اور مطالعۂ خصوصی

۱۔گوشۂ حیدر قریشی مطبوعہ ماہنامہ ''اسباق'' پونہ شمارہ:فروری تا اپریل ۱۹۹۳ء۔ایڈیٹر:نذیر فتح پوری

۲۔حیدر قریشی (بطور افسانہ نگار) مطبوعہ ماہنامہ ''شاعر'' بمبئی۔

شمارہ مئی تا دسمبر ۱۹۹۷ء۔ہم عصر اردو ادب نمبر۔۔۔ ایڈیٹر : افتخار امام صدیقی

۳۔اشاعتِ خصوصی ''دنیائے ادب کا درخشاں ستارہ/حیدر قریشی'' **ہفت روزہ ہوٹل ٹائمز اسلام آباد** ۲۲ مئی تا ۲۸ مئی ۱۹۹۸۔ مرتبین:اختر رضا کیکوٹی و محمد وسیم انجم

۴۔گوشۂ حیدر قریشی مطبوعہ سہ ماہی ''ادبِ عالیہ'' وہاڑی۔شمارہ مارچ ۲۰۰۲ء۔ایڈیٹرز:ریاض ہانس

۵۔خصوصی مطالعہ ''مہرِ امروز'' مطبوعہ **ماہنامہ کائنات** شمارہ مئی ۲۰۰۴ء

(urdudost.com) ایڈیٹر:خورشید اقبال

۶۔گوشۂ حیدر قریشی مطبوعہ **ماہنامہ شاعر بمبئی** شمارہ نومبر ۲۰۰۴ء۔ایڈیٹر:افتخار امام صدیقی

۷۔خصوصی مطالعہ سہ ماہی **ادب ساز دہلی** (تقریباً ۵۰ صفحات میگزین سائز پر مشتمل)

شمارہ:۶،۷،جنوری تا جون ۲۰۰۸ء،ایڈیٹر:نصرت ظہیر

۸۔خصوصی مطالعہ **''عمرِ لاحاصل کا حاصل''**

مطبوعہ ادبی کتابی سلسلہ عکاس **انٹرنیشنل** اسلام آباد (کتاب نمبر۱۰) مدیر:ارشد خالد

۹۔گوشہ بحیثیت محقق و نقاد،مطبوعہ،ادبی کتابی سلسلہ عکاس **انٹرنیشنل** اسلام آباد (کتاب نمبر۱۱،مئی ۲۰۱۰ء)

مدیر:ارشد خالد

۱۰۔مطالعۂ خاص۔**ایک کتاب: ''عمرِ لاحاصل کا حاصل''**۔

مطبوعہ ادبی کتابی سلسلہ عکاس **انٹرنیشنل** اسلام آباد۔کتاب نمبر۱۳۔مارچ ۲۰۱۱ء۔مدیر و مرتب:ارشد خالد

۱۱۔ایک گوشہ حیدر قریشی کے لیے۔دو صفحات پر مشتمل۔ **روزنامہ پیغام دہلی** شمارہ:۱۰/مئی ۲۰۱۴ء،

ایڈیٹر:مطیع الرحمٰن عزیز

۱۲۔''ایک گوشہ حیدر قریشی کی تحقیق و تنقید نگاری کے لیے''۔

مطبوعہ **عکاس انٹرنیشنل**،اسلام آباد،کتاب نمبر ۲۸۔اپریل ۲۰۱۸ء۔مدیر و مرتب:ارشد خالد

حیدرقریشی سے متعلق اب تک ہونے والا یونیورسٹی سطح کا تحقیقی کام

۱۔حیدرقریشی شخصیت اورفن ۔۔۔۔منزہ یاسمین (**ایم اے اردو کا تحقیقی مقالہ** سال۲۰۰۲۔۲۰۰۰ء)

(اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، پاکستان)

۲۔حیدرقریشی شخصیت اورادبی جہتیں ۔۔۔۔ڈاکٹرعبدالرب استاد(تحقیقی مقالہ برائے **پی ایچ ڈی** ۲۰۱۳ء)

(گلبر گہ یونیورسٹی گلبرگہ،کرناٹک،انڈیا)

۳۔حیدرقریشی۔حیات وخدمات انجم آراء(**ایم فل کا مقالہ** سال۲۰۱۳ء)

(کلکتہ یونیورسٹی،کولکاتا،انڈیا)

۴۔حیدرقریشی کی ادبی خدمات ۔۔۔۔عامرسہیل (تحقیقی مقالہ برائے ایم فل اُردو،۲۰۱۴ء)

(ہزارہ یونیورسٹی،مانسہرہ، پاکستان)

۵۔حیدرقریشی کی شاعری کا مطالعہ۔۔۔ہردے بھانو پرتاپ (**ایم فل کا مقالہ**،سال۲۰۱۴ء)

(جواہرلال نہرو یونیورسٹی، دہلی۔انڈیا)

۶۔حیدرقریشی کی افسانہ نگاری کا مطالعہ۔۔۔رضینہ خان (**ایم فل کا مقالہ** سال۲۰۱۴ء)

(جواہرلال نہرو یونیورسٹی، دہلی۔انڈیا)

۷۔حیدرقریشی کی شاعری کی روشنی میں بیرونی ممالک کی اردوشاعری۔''تنقیدی مطالعہ اورترجمہ''

شعرالمهجر عند حیدرقریشی ''دراسة تحليلية نقدية مع الترجمة''

احمد عبدربہ عباس عبدالمنعم (ایم اے کا مقالہ سال۲۰۱۵ء)۔ازہر یونیورسٹی۔قاہرہ،مصر

یہ مقالہ عربی میں لکھا گیا ہے اوراس کے لیے حیدرقریشی کے چارشعری مجموعوں کا عربی ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔

۸۔مجلّہ''جدیدادب'' کی ادبی خدمات'' از کنول تبسم (**ایم فل کا مقالہ**۔سال۲۰۱۸ء)

وفاقی اردو یونیورسٹی۔اسلام آباد

۹۔رسالہ''جدیدادب'' کی ادبی خدمات۔تحقیقی وتنقیدی مطالعہ ازمحمد شعیب

ہزارہ یونیورسٹی۔مانسہرہ۔ (ایم فل کا مقالہ۔۲۰۱۸ء)

۱۰۔جدیدادب میں شائع ہونے والے مباحث۔۔۔۔شازیہ حمیرہ **ایم اے اردو کا تحقیقی مقالہ**

سال۲۰۰۹۔۔۔۲۰۰۷ء۔اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور،

یونیورسٹی مقالات میں حیدرقریشی کا جزوی مگر اہم ذکر

۱۔اردو میں ماہیا نگاری از ڈاکٹرصبیحہ خورشید

سال۲۰۰۹ء۔ناگپور یونیورسٹی،ناگپور،انڈیا سے **پی ایچ ڈی کا مقالہ**

۲۔رحیم یارخان کے جدید شعراء کا تصورِمحبوب ازفرزانہ یاسمین

سال۲۰۱۷ء۔نیشنل کالج آف بزنس،ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور،**ایم فل کا مقالہ**

نیشنل کالج آف بزنس،ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور

۳۔''ضلع رحیم یارخان کے شعراء گوہرملسیانی،منورنقوی،حیدرقریشی کا خصوصی مطالعہ'' ازمحمد بلال قادر

ایم فل کا مقالہ۔نیشنل کالج آف بزنس،ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور

۴۔''خان پور میں اُردوغزل کی روایت کا تجزیاتی مطالعہ'' از نذیر بزمی

ایم فل کا مقالہ۔نیشنل کالج آف بزنس،ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور

۵۔اُردو میں میراجی شناسی کی روایت کا تجزیاتی مطالعہ ازساجدہ پروین **پی ایچ ڈی کا مقالہ**

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی۔اسلام آباد۔سال۲۰۱۴ء

۶۔''لالۂ صحرا''۔۔۔''ادب جہاں''۔۔۔''جدیدادب'' کی ادبی خدمات از ثنااظہر

ایم فل کا مقالہ۔نیشنل کالج آف بزنس،ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور

''حیاتِ مبارکہ حیدر'' کے ٹائٹل کی یادگار تصاویر

ٹائٹل:بائیں جانب۔لڑکپن کی بلیک اینڈ وائٹ تصویر اور تین بچوں کی پیدائش کے بعد

اوائل جوانی میں اپریل ۱۹۷۹ء کی بلیک اینڈ وائٹ تصویر۔

درمیان میں۔۳۵ سال کی عمر،۱۹۹۱ء میں ایبٹ آباد میں لی گئی تصویر

دائیں جانب۔جرمنی میں ۲۰ جنوری ۲۰۱۹ء کو لی گئی تصویر

بیک ٹائٹل:۱۱رمئی ۲۰۱۹ء کو لی گئی میری اور مبارکہ کی تصویر۔ایک ساتھ یہ ہماری زندگی کی آخری تصویر ہے

فلیپ۔۱: کتاب''ہماری امی مبارکہ حیدر'' ازشعیب حیدر کا سرورق

فلیپ۔۲:۴راپریل ۲۰۱۹ء کو ہماری شادی کی ۴۸ ویں سالگرہ، ہماری آخری سالگرہ کی تصویر۔(ح۔ق)